حنا
جون 2015
سالگرہ نمبر
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

انٹرویو

ناولٹ

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

افسانے

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690 , 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com
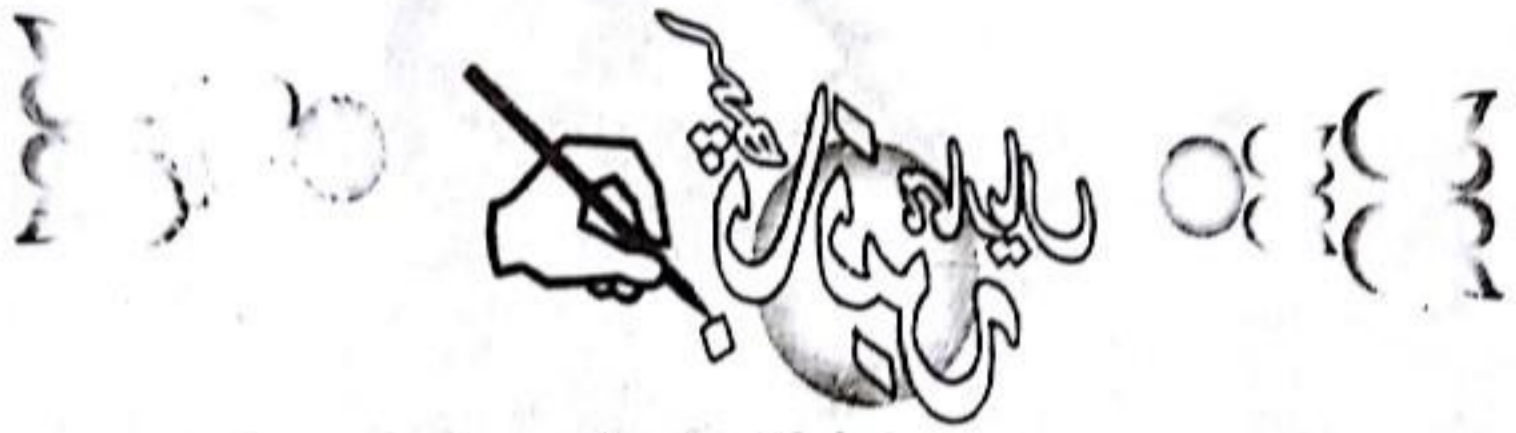
قارئین کرام! سال 2015ء کا پہلا شمارہ بطور سالگرہ نمبر پیش خدمت ہے۔

خیال تھا کہ اپنی باتیں کہتے ہوئے آپ کو نئے سال کی مبارکباد دونگا۔ مگر سال گزشتہ جاتے جاتے ایک ایسا زخم لگا گیا جو کہ شاید عرصہ دراز تک نہ بھر سکے۔ سانحہ پشاور نے پوری دنیا اور خاص طور پر پاکستان کے باشعور عوام کو جو دکھ دیا ہے۔ اس کا مداوا مشکل ہے۔ بچہ تو ماں کے دل کا ٹکڑا اور باپ کی امیدوں کا ثمر ہوتا ہے۔ جب یہ ٹکڑا کٹتا ہے اور پھل ٹوٹتا ہے تو حالت کیا ہوتی ہے۔ اسے بیان کرنا ناممکن ہے۔ یہی حالت آج کل ہم سب کی ہے کہ ظالموں نے ہمارے معصوم بچوں پر جس طرح گولیاں چلائیں، اسے سوچتے ہیں تو خون آنکھوں میں اتر آتا ہے۔ ایک آگ ہے جو ہر دل میں لگی ہوئی ہے۔ اس سانحے کے لئے 16 دسمبر کا انتخاب اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ اس سازش کا تانہ بانہ کہیں باہر بنا گیا ہے۔

ستمبر 65ء کے بعد یہ واحد موقع ہے جب پوری قوم دشمن کے خلاف یکجا ہے اور حکومت، حزب اختلاف اور فوج پوری طرح یکسو ہیں۔ اب دہشت گردوں پر کاری ضرب لگانے کا اس سے بہتر موقع پھر شاید ہاتھ نہ آئے۔ اس کیفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر ملک سے دہشت گردی اور انتہا پسندی کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا تو کہا جا سکے گا کہ سانحہ پشاور کے شہداء کی قربانی رنگ لائی۔ وگرنہ باتیں تو ہم پہلے بھی بہت کرتے ہیں۔

انشاء جی:۔ انشاء جی اردو ادب کا سرمایہ تھے، شاعری ہو یا کالم نگاری ان کا لہجہ اور انداز سب سے منفرد اور سب سے انوکھا ہے، کالم نگاری کو دیکھئے تو قلم مسکراہٹیں بکھیرتا جاتا ہے اور اگر شاعری کو پڑھیں تو ایک جوگ بجوگ کی دنیا، ویرانی دل کی حکایتیں اور شکایتیں، گیارہ جنوری کو انشاء جی کو ہم سے بچھڑے 37 برس ہو جائیں گے لیکن ان کی شاعری اور کالم نگاری انہیں ہمیشہ زندہ رکھے گی۔

اس شمارے میں:۔ میں ایک دن حنا کے ساتھ میں مبشرہ ناز اپنے شب و روز کے ساتھ، اُم مریم اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناول، حیا بخاری اور اُم ایمان قاضی کے مکمل ناول، فرحت شوکت اور روستانے عبدالقیوم کے ناولٹ، اُم اقصیٰ، بشریٰ حنیف، دعا فاطمہ، قرۃ العین خرم ہاشمی، عابی ناز اور نازش امین کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

محو ثنا ہیں پھول ، ہوا اور روشنی
گاتے ہیں حمد رنگ ، بقا اور روشنی

روشن ہوا حیات کدہ تیرے نور سے
ورنہ کہاں زمیں کا دیا اور روشنی

پائی گل سحر نے مہک تیرے ذکر کی
تاروں سے آئی تیری صدا اور روشنی

سب تیری عظمت و ہدایت پہ دال ہیں
تیرا رسولؐ ، غار حرا اور روشنی

تسکین قلب کے لئے روحی سے شخص کو
کافی ہے بس خیال ترا اور روشنی

روحی کنجاہی

نعت رسول مقبولﷺ

شام و سحر جو ذکر ہو رب غفور کا
ہے یہ بھی اک علاج دل ناصبور کا

اخلاق مصطفیٰؐ کی نہیں ہے کوئی مثال
مدحت نگار میں بھی تو ہوں آنحضورؐ کا

قلب حزیں پہ جب سے ہوا نقش انؐ کا نام
اتمام ہو گیا ہے یوم النشور کا

یہ بھی رسولؐ پاک کا مجھ پہ کرم ہوا
قائل نہیں ہوں میں کسی فسق و فجور کا

میری طلب ہے روضۂ اطہر کو دیکھ لوں
مل جائے قرب مجھ کو بھی قریۂ نور کا

نعت نبیؐ سناؤں گا میں اپنی قبر میں
پھر منتظر ہوں گا نبیؐ کے ظہور کا

نوک قلم پہ نعت نبیؐ کا ورود ہے
یہ بھی زہیر تجھ پہ کرم ہے حضورؐ کا

زہیر کنجاہی

سید اختر ناز

حقوق ہمسایہ

اسلامی معاشرت میں ہمسایہ کے حقوق پر جس قدر زور دیا گیا ہے اس کا اندازہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت سے بخوبی ہو جاتا ہے جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے ہمسائے (کے حقوق) کے بارے میں (اس قدر) برابر وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ خیال ہوا کہ وہ اسے (ترکہ کا) وارث بھی بنا دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں جس قدر قرب ہمسائے کو ہوتا ہے اگر اس قدر حقوق نہ دیے جاتے تو معاشرے میں واضح انتشار پیدا ہو جاتا، ذرا تصور کریں اگر ہمسایہ بد باطن ہو، دشمن ہو، لڑائی جھگڑے پر ہر وقت مصر ہو، دوسروں کے مال، آرام اور سکون کا دشمن ہو تو بھلا ایسے ماحول میں گزر بسر کرنا ممکن ہو سکتا ہے؟ بالکل نہیں، ایسا ماحول تو جہنم کدہ ہی ہو سکتا ہے، اسلام جس معاشرت کا داعی ہے، اس میں ہمسایہ دشمن نہیں ہوگا جان و مال کا دشمن نہیں بلکہ صحیح معنوں میں محافظ ہوگا، امیر و غریب کی تفریق نہیں ہوگی بلکہ سب بہن بھائی ہوں گے، اس کی شہادت قرآن و حدیث کے ان احکامات سے ہوتی ہے۔

خدا اور آخرت پر ایمان

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دونوں کانوں نے (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا) یہ فرمان سنا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے تو میری دونوں آنکھیں انہیں دیکھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے ہمسائے کی عزت و تکریم کرے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو کوئی خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات بولے یا پھر خاموش رہے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ہمسائے کی خبر گیری

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اے ابو ذر! جب تو شوربا پکائے تو اس میں پانی زیادہ رکھ اور اپنے ہمسائے کی خبر گیری کر۔" (یعنی انہیں سالن میں سے تحفہ بھیج) (صحیح مسلم)

تحفہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

"اے مسلمان عورتو! کوئی ہمسائی کسی ہمسائی

کے لئے (تحفے کو) حقیر نہ سمجھے چاہے (وہ تحفہ) بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔" (صحیح بخاری)

قریبی ہمسایہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دو ہمسائے ہیں تو میں ان میں سے کسے تحفہ بھیجوں، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔" (صحیح بخاری)

مومن نہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہوتا ہے۔" (شعیب الایمان للبیہقی)

بہترین دوست

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمای کہ "اللہ کے ہاں بہترین دوست وہ لوگ ہیں جو اپنے دوستوں کے لئے بہترین ہیں اور اللہ کے ہاں بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایوں کے لئے بہترین ہے۔" (ترمذی شریف)

ہمسائے کا حق

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمسائے کا حق یہ ہے کہ:۔

☆ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔
☆ اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔
☆ اگر وہ تجھ سے قرض مانگے تو، تو اسے (بشرط استطاعت) قرض دے۔
☆ اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو، تو اس کی پردہ پوشی کرے۔
☆ اگر اسے کوئی نعمت ملے تو، تو اسے مبارکباد دے۔
☆ اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو، تو اسے تسلی دلاسا دے۔
☆ تو اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کر کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے۔
☆ تو اپنی ہنڈیا کی ہمک سے اسے اذیت نہ دے، الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اسے بھی بھیج دے۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

تیموں کے حقوق

وہ کمسن بچہ جو باپ کے سایہ رحمت و عاطفت سے محروم ہو جائے اسے یتیم کہا جاتا ہے، اسلامی معاشرت میں ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس یتیم بچے کو آغوش محبت میں لے لے، اسے پیار کرے، اس کی خدمت کرے، اس کو تعلیم دلائے، اس کے متروکہ مال واسباب کی حفاظت کرے اور جب وہ عقل وشعور کو پہنچ جائے تو پوری دیانت داری سے اس کی امانت اسے پوری کی پوری واپس کر دی جائے، اس کی شادی اور خانہ آبادی کا اہتمام کیا جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

"اور بہتری کی غرض کے سوا یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی طاقت کی عمر

کو پہنچ جائیں۔'' (انعام:۱۹)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

''اور یہ کہ یتیموں کے لئے انصاف پر قائم رہو۔'' (النساء:۱۹)

یتیموں کے مال میں اسراف کرنے سے منع کیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے۔

''اور اڑا کر اور جلدی کر کے ان کا مال نہ کھا جاؤ کہ کہیں یہ بڑے نہ ہو جائیں۔'' (النساء:۱)

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

''اور جو (متولی) بے نیاز ہے اس کو چاہیے کہ بچتار ہے اور جو محتاج ہے تو منصفانہ طور پر دستور کے مطابق کھائے۔'' (النساء:۱)

یتیم بچوں کے مال کو بددیانتی اور اسراف سے خرچ کرنے کی جہاں تنبیہ کی گئی ہے وہاں یہ بھی ہدایت ہے کہ نابالغ یتیم بچوں کے سپردان کا مال نہ کرو، جب وہ سن رشد کو پہنچ جائیں تو پھر ان کی عقل کو دیکھ بھال کر ان کی امانت ان کے سپرد کریں، ارشاد خداوندی ہے۔

''اور بے وقوفوں کو اپنے مال جس کو خدا نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے، نہ پکڑا دو اور ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہو اور یتیموں کو جانچتے رہو، جب وہ نکاح کی (طبعی) عمر کو پہنچیں تو ان میں سے اگر ہوشیار دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔'' (النساء:۱)

یتیم کی عزت نہ کرنے والے اور اس کی بھوک پیاس کا احساس نہ کرنے والے کے بارے میں قرآن مجید کے اندر متعدد مقامات پر تنبیہ کی گئی ہے۔

سورۃ الماعون میں ارشاد خداوندی ہے۔

''کیا تو نے اس کو نہیں دیکھا جو انصاف کو جھٹلاتا ہے، سو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔''

سورۃ الفجر میں ارشاد خداوندی ہے۔

''نہیں یہ بات نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے پر آمادہ کرتے ہو اور مرے ہوئے لوگوں کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور دنیا کے مال و دولت پر جی بھر کر ریجھے رہتے ہو۔'' (الفجر:۱)

مکی دور نزول قرآن میں یتیموں کی پرورش اور بے کس و نادار پر رحم و کرم کی دعوت متعدد آیات قرآنی میں دی گئی ہے، دولت مندوں کو غریبوں کے ساتھ فیاضی کی تلقین کے سلسلہ میں فرمایا گیا کہ انسانی زندگی کی گھاٹی کو پار کرنا اصل کامیابی ہے، اس گھاٹی کو کیونکر پار کیا جا سکتا ہے، ظلم و ستم کے گرفتاروں کی گردنوں کا چھڑانا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور یتیموں کی خدمت کرنا، سورۃ البلد میں ارشاد خداوندی ہے۔

''یا بھوک والے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا۔''

سورۃ الدھر میں ارشاد ہوا۔

''اور اس کی محبت کے ساتھ کھانا کسی غریب اور یتیم کو کھلاتے ہیں۔''

سورۃ الضحیٰ میں ارشاد فرمایا۔

''یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو۔''

بنی اسرائیل کو دیے گئے حکم کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

''یاد کرو اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔'' (البقرہ:۸۲)

سورۃ البقرہ ہی میں ایک اور ارشاد خداوندی ہے۔

''پوچھتے ہیں یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، کہو جس طرز عمل میں ان کے لئے بھلائی ہو، وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔'' (البقرہ: ۲۲)

غرضیکہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کی تعلیمات میں یتیموں کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سخت احکامات دیے ہیں، ان احکامات کی روشنی میں ہم یتیموں کے حقوق کو بالاختصار مندرذیل نکات کی شکل میں بیان کر سکتے ہیں۔

(1) یتیم بچے کا احترام واکرام اور پیار ومحبت اپنے بچوں سے بھی بڑھ کر کیا جائے تاکہ اسے اپنے باپ کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہو۔

(2) یتیم بچے کی پرورش اسی طرح کی جائے جس طرح اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔

(3) یتیم بچے کی تعلیم وتربیت کا پورا پورا اہتمام کیا جائے اور اس پر اٹھنے والے اخراجات اگر یتیم بچے کے اپنے والدین کے ترکہ سے ادا کیے جارہے ہیں تو انہیں عدل کے ساتھ کیا جائے۔

(4) یتیم بچے کی جائیداد اور مال کی حفاظت اور اس کی سرمایہ کاری کا اسی طرح اہتمام کیا جائے جس طرح کوئی شخص اپنی جائیداد کا کرتا ہے، انصاف کے ساتھ اسے اپنی محنت کا حق لینے کا حق حاصل ہو۔

(5) یتیم بچے کے مال کی اس وقت تک حفاظت کی جانی چاہیے جب تک بچہ سن بلوغت کو پہنچ کر اس جائیداد کو سنبھالنے کے لئے ضروری علمی وعقلی استعداد وکمال کا مالک نہ بن جائے۔

(6) خوش کلامی وخوش اخلاقی کے ساتھ یتیم کی مالی کفالت اور حاجت روائی معاشرے کے سارے افراد پر واجب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جارہی ہو اور سب سے بدتر گھر وہ ہے، جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔''
(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(7) یتامیٰ کے ساتھ معاشرتی عدل واحسان کا حکم ہے، دریہ سلسلہ ترحم اس وقت تک جاری رہنا چاہیے جب تک کہ ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک نہ کردیا جائے، یتیم بچی کے ساتھ شادی کرنے اور اسے دبائے رکھنے کے ارادوں کو اسلام ناپسند کرتا ہے، اسلام کا حکم یہ ہے کہ یتیم بچی کے ساتھ انصاف نہ کرسکو تو اس کے ساتھ بالکل نکاح نہ کرو۔

(8) یتامیٰ کی پرورش کے لئے مسلمانوں کے صدقات وخیرات کی رقم کا استعمال کیا جاسکتا ہے، پرورش سے مراد بچوں کے خورد ونوش، لباس اور تعلیم وتربیت کے اخراجات ہیں۔

(9) غریب ویتیم کو کھانا کھلانا نیکی ہے، لیکن کبھی بھی اس نیکی کا احساس دلانا یا جتلانا جائز نہیں ہے۔

(10) یتیم کے ولی پر لازم ہے کہ وہ یتیم کے مال اور جائیداد کا مناسب انتظام کرے جس میں تجارت کے ذریعہ افزائش مال کا اہتمام کرے اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو پوری دیانت داری سے اس کا اصل بمع منافع اس کو واپس کردے۔

(11) یتیم بچوں کی پرورش و پرداخت کی نگرانی اور اس سلسلہ میں لوگوں کو ترغیب و ترہیب دینے والا مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

(12) اسلامی معاشرہ میں یتامیٰ کو لوگوں

کے مالوں سے ان کے صدقات وخیرات کی رقم لینے کا حق حاصل ہے اور یہ ان پر کسی کا احسان نہیں بلکہ یہ مال دار لوگوں پر ان یتیم بچوں کا احسان ہے جو وہ مال لے کر اس کے مال میں مزید خیر و برکت کا سبب بنتے ہیں۔

(13) اگر یتیم بچوں کے وارث مال نہ چھوڑ کر مریں اور وہ غریب ہوں تو معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کہ اجتماعی کفالت کے لئے صحت مند اور نفع بخش با عزت روزگار فراہم کرے۔

(14) یتیم بچوں کا مال امانت ہے جو کوئی ان کے مال کا امین بنے گا اور پھر خیانت کا مرتکب ہوگا تو اسے شدید عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

(15) تیمیوں میں بعض اس قسم کے لوگ ہوں گے جو کہ دست سوال دراز کرنے سے بوجہ شرافت گریز کرتے ہیں، اسلام میں ایسے لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا معاشرے کی ذمہ داری ہے، قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

(1) ''خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنے ذاتی کسب معاش کے لئے زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، ان کی خودداری دیکھ کر واقف گمان کرتا ہے کہ یہ خوشحال ہیں، تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت جان سکتے ہو مگر وہ ایسے لوگ نہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر بھیک مانگیں، ان کی اعانت میں جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔'' (البقرہ:۲۷۳)

محتاجوں کے حقوق

انسان ضروریات کا بندہ ہے، اس پر کبھی کبھی ایسا موقع ضرور آتا ہے کہ اس کو دوسروں کا دست نگر بننا پڑتا ہے، دوسروں سے مدد لینا پڑتی ہے، ایسے وقت میں انسانی معاشرہ کا یہ فرض ہے کہ وہ مصیبت کے وقت میں اپنے بھائی کی حاجت روائی کے لئے کوشش کرے، قرآن حکیم میں ایسے لوگوں کا دوسرے لوگوں کے مالوں میں حق مقرر ہے، ارشاد ربانی ہے۔

''جن کے مالوں میں مانگنے والوں اور محروم لوگوں کے لئے حق ہے۔'' (الذاریات:۱)

مسافر دوران سفر لٹ جائے، کمائی یا کھیتی پر کوئی اچانک افتاد پڑ جائے، اچانک کسی حادثہ یا بیماری سے مستقل معذوری کی صورت بند جائے وغیرہ وغیرہ، غرض اس طرح کے کئی پہلوؤں میں ایک انسان مفلس، مجبور، محتاج اور ضرورت مند بن کر سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں ایسے سائل کو انکار کرنے سے منع فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے۔

''اور تو سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ کر۔'' (الضحیٰ)

اس طرح کوئی بھی ضرورت مند، مدد کا خواستگار خواہ وہ جسمانی، مالی یا علمی مجبوری کے ہاتھوں سوال کرنے پر مجبور ہو گیا ہو تو وہ سائل ہے اور اس کو انکار کرنے یا جھڑکنے سے منع فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مدد کی ایک صورت یہ بھی بتائی ہے کہ آپ اس کی کسی دوسرے سے سفارش کر دیں تو یہ بھی کافی ہے، ارشاد ربانی ہے۔

''جو نیک بات کی سفارش کرے تو اس کے ثواب میں اس کا بھی حصہ ہوگا اور جو بری بات کی سفارش کرے گا تو اس کے گناہ میں وہ بھی حصہ پائے گا اور ہر چیز کا نگہبان اللہ ہے۔'' (النساء:۱۱)

☆☆☆

ابن انشاء

ہو نہ دنیا میں کوئی ہم سا بھی پیاسا لوگو
جی میں آتی ہے کہ پی جائیں یہ دریا لوگو
کتنی اس شہر کے سخیوں کی سنی تھی باتیں
ہم جو آئے تو کسی نے بھی نہ پوچھا لوگو
اتفاقاً ہی سہی پر کوئی در تو کھلتا
جھلملاتا پس چلمن کوئی سایا لوگو
سب کے سب مست رہے اپنے نہاں خانوں میں
کوئی کچھ بات مسافر کی بھی سنتا لوگو

☆

ہوں گے اس شہر میں کچھ اس کے بھی پڑھنے والے
یوں تو یہ شخص بھی مشہور تھا خاصا لوگو
کسی دامن، کسی آنچل کی ہوا تو ملتی؟
جب سر راہ یہ واماندہ گرا تھا لوگو

☆

ایک تصویر تھی، کیا جانیئے کس کی تصویر
نقش موہوم سے، اور رنگ اڑا سا لوگو
ایک آواز تھی، کیا جانیئے کس کی آواز
اس نے آواز کا رشتہ بھی نہ رکھا لوگو

☆

کچھ پتہ اس کا ہمیں ہو تو تمہیں بتلائیں
کون گھر ؟ کون نگر ؟ کون محلہ لوگو
چند حرفوں کا معما تھا وہ الجھا سلجھا
اس نے تو نام بھی پورا نہ بتایا لوگو

☆

ہائے یہ درد کہ مشکل سے تھما تھا دل میں
چاند پونم کا ابھی سے نکل آیا لوگو؟

☆

پھر وہی دشت ، وہی دشت کی تنہائی ہے
وحشت دل نے کہیں کا بھی نہ رکھا لوگو
اس میں ہمت ہے تو در آئے ، اٹھا دے یہ حصار
اپنے گنبد میں تو در ہے نہ دریچہ لوگو
جی کی جی ہی میں رہی حسرتیں طوفانوں کی
یہ سفینہ تو کنارے ہی پہ ڈوبا لوگو

☆

آج کی ڈاک سے کیا کوئی لفافہ آیا؟
کیسی سرگوشیاں کرتے ہو ، ارے کیا لوگو؟
کوئی پیغام زبانی بھی نہیں ، کچھ بھی نہیں
ہم نے اپنے کو بہت دیر سنبھالا لوگو

☆

بند آنکھیں ہوئی جاتی ہیں ، پساریں پاؤں
نیند سی نیند ؟ ہمیں اب نہ اٹھانا لوگو
ایک ہی شب ہے طویل اتنی طویل اتنی طویل
اپنے ایام میں امروز نہ فردا لوگو

☆

اب کوئی آئے تو کہنا کہ مسافر تو گیا
یہ بھی کہنا کہ ، بھلا اب بھی نہ جاتا لوگو
راہ تکتے ہوئے پتھرا سی گئی تھیں آنکھیں
آہ بھرتے ہوئے چھلنی ہوا سینہ لوگو
ہونٹ جلتے تھے جو لیتا تھا کبھی آپ کا نام
اس طرح اور کسی کو نہ ستانا لوگو

☆☆☆

سب سے پہلے میری طرف سے تمام قارئین وحنا اسٹاف اور تمام مصنفین بہنوں کو سلام قبول ہو، قارئین میری سوچ کے مطابق ایک ناول لکھنا آسان کام ہے اپنی ذات اور زندگی کے بارے میں لکھنے سے جب فوزیہ آپی کا میسج ملا مبشرہ ایک دن مصنفین کے نام میں لکھ کر بھیجو تو سوچا، ''کیا ہم آپ منصف بن گئے ہیں'' لیکن فوزیہ آپی کو اوکے کر دیا، آپی کو جواب دے کے دوبارہ زندگی کی روٹین میں گم اور مبشرہ صاحبہ کو یہ یاد ہی نہیں کہ انہوں نے کوئی وعدہ بھی کیا تھا اور جب دسمبر کی شام فوزیہ آپی کا دوبارہ میسج ملا تو یادداشت کے جھروکوں میں سے پرانے عہد نے مسکرا کر دیکھا تو مابدولت نے فوراً کاغذ قلم لیا اور آج حاضر خدمت ہوں۔

صبح کا آغاز نماز اور تلاوت کلام پاک سے ہوتا ہے اس کے بعد میں تھوڑی دیر کے لئے سو جاتی ہوں چاہے وہ ایک گھنٹے کے لئے ہی کیوں نہ ہو، تو ساڑھے نو کے درمیان اٹھتی ہوں ناشتہ کر کے گھر کی صفائی شروع کرتی ہوں، درمیان میں بھائیوں کے کپڑے بھی آفس جانے کے لئے استری کرتی ہوں اور ناشتہ بھی دیتی ہوں، گیارہ بجے تک صفائی مکمل کرنے کے بعد میں کھانا بناتی ہوں اس دوران میری بڑی بہن کچن کے بقیہ کام نمٹاتی ہے، کام بھی ہوتا رہتا ہے اور باتیں بھی جس میں زیادہ تر ہم ناول پہ تبصرہ ہی کرتے ہیں، کھانا بنا کر فارغ ہوتی ہوں تو ماسی آ جاتی ہے اس کے سر پہ کھڑے ہو کر کپڑے دھلواتی ہوں کیونکہ جب تک ان کی نگرانی نہ کرو یہ کام صفائی سے بالکل نہیں کرتیں، ایک بجے تک تمام کاموں سے فارغ ہو کر نماز پڑھتی ہوں اور نماز سے فارغ ہو کر اور کھانا کھا کر مدرسے روانہ ہو جاتی ہوں پانچ بجے وہاں سے واپسی ہوتی ہے تو نماز کے بعد چائے پیتی ہوں پھر بھانجی کو ٹیوشن دیتی ہوں اور مغرب کی نماز کے بعد سے رات تک کا وقت خالصتاً میرا اپنا ہوتا ہے، اس دوران اگر لکھنے کا موڈ ہوتا ہے تو لکھتی ہوں نہیں تو پھر کوئی کتاب ضرور پڑھتی ہوں، اسی دوران فرینڈ سے میسج پر حال احوال بھی چلتا رہتا ہے، اگر بھی زیادہ موڈ بنا تو اپنی پسند کی کوئی اچھی سی غزل سن لیتی ہوں، کتابیں پڑھنا میرا شوق ہے، میں کھانا چھوڑ سکتی ہوں، لیکن کتاب نہیں، آج کل ''ڈاکٹر عبد الرحمن العریفی'' کی ''استمتع بحیاتک'' پڑھ رہی ہوں بہت دلچسپ اور بہترین کتاب ہے، بس یہی سادہ سی روٹین ہے نہ زیادہ لوگوں سے گھلنا ملنا پسند ہے، نہ شاپنگ اور نہ آؤٹنگ وغیرہ، آؤٹنگ کے لئے تو پھر بھی بصد اصرار کبھی چلی جاتی ہوں لیکن شاپنگ کرنا مجھے بہت مشکل لگتا ہے، اس لئے جو بھی بہن شاپنگ کرنے جاتی ہوں اسے اپنی لسٹ پکڑا دیتی ہوں میرے لئے بھی یہ سب لیتی آنا، مجھے گھر میں رہنا زیادہ پسند ہے، کیونکہ چار دیواری اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے عورت کے لئے اور جو چیز نعمت ہو اس کی قدر کرنی چاہیے۔

یہ تھے میرے روز و شب

☆☆☆

اُم مریم

یں قسط کا خلاصہ :

مسز آفریدی کو جہان کے نکاح کی خبر مشتعل کر دیتی ہے، شاہ ہاؤس میں آکر وہ اچھا خاصا واویلا مچا کر ژالے کو ساتھ لے جانے پہ مصر ہوتی ہیں، مگر ژالے ان کی بجائے جہان کی طرف داری کر کے اپنی محبت اور وفا کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

آفس جاتے ہوئے معاذ کو نا معلوم افراد اغواء کر لیتے ہیں، یہ خبر پرنیاں کے ساتھ شاہ ہاؤس کے مکینوں پر بجلی بن کر گرنے والی ہے۔

انتالیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیئے

اس کی ساری اداسی جیسے بھاپ بن کر اڑ گئی تھی، اس کی جگہ سرخروئی کا محبت کا، تفاخر کا دلنشین انداز لے چکا تھا، اس کا دل چاہا جہان کے سامنے جائے، اس سے بہت سارا لڑے، آخر کیوں وہ اتنا کنجوس ثابت ہوا تھا اظہار کے معاملے میں، کہ اتنا نقصان کر ڈالا اس کا، اسی ایک جنونی طلب نے ریگستانوں کی خاک چھنوادی تھی، اسے بتائے وہ ہمیشہ سے اس کی منتظر تھی۔

اسے جہان کے علاوہ کسی سے محبت ہی نہ تھی۔

اسے جہان کے علاوہ اور کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔

جہان اس کا جہان تھا، کل کائنات تھا۔

زندگی جینے کا سب سے خوبصورت احساس۔

تیمور تو اس کی سزا تھی، محض ناراضگی میں دی گئی، خود کو سزا۔

''کیا احساسات ہوں گے بھلا جہان کے؟'' اس نے سوچا، تصور کیا اور مسکرانے لگی۔

''آپ اظہار کے معاملے میں کنجوس تھے اور ہیں، شاید رہیں بھی، مگر جے اب میں خود پہ پابندیاں نہیں لگاؤں گی، ہرگز نہیں شرماؤں گی، بتا دوں گی آپ کو آپ کیا ہیں میرے لئے۔'' اس نے بستر پہ لیٹ کر خود سے عہد باندھا تھا اور یونہی مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆

ابھی ضد نہ کر دل بے خبر
تیرے پاس ہجوم ستم گراں
ابھی کون تجھ سے وفا کرے
ابھی کس کو فرصتیں اس قدر
کہ سمیٹ کر تیری کرچیاں
تیرے حق میں خدا سے دعا کرے
ابھی ضد نہ کر دل بے خبر
ابھی غم گساروں کی چوٹ سہہ
ابھی کچھ نہ سن ابھی کچھ نہ کہہ
ابھی ہو سکے تو یہ سوچ لے
کہ تعلق اشک سے بیشتر
کہیں درد ہے تو ہوا کرے
کہیں چوٹ ہے تو کھلا کرے
ابھی ضد نہ کر دل بے خبر

لاؤنج کے صوفے پہ وہ بے خیال سی بیٹھی تھی، چہرے پہ تفکر کی اضطراب و الجھن کی لکیروں کا جال سا پھیلا ہوا تھا، گود میں سوئی فاطمہ کے منہ سے فیڈر کا نپل بار بار نکل جاتا، وہ ہر بار چونکتی اور فیڈر واپس اس کے منہ سے لگا دیتی، یہ بھی جیسے ایک معمول تھا، جسے وہ بغیر کسی احساس کے انجام

دے رہی تھی، سارا دھیان تو جہان میں اٹکا ہوا تھا، کتنے دن ہو گئے تھے جہان کو اس سے کلام کیے ہوئے بھی۔

وہ انگلیوں پہ شمار کرتی تو پوروں کی تعداد کم پڑنے لگی، ساتھ ہی ساتھ آنکھیں چھلک چھلک جاتیں، کیسے یقین کرتی وہ جہان کے بدلے ہوئے رویئے کا، اس کے بدلے ہوئے انداز کا، وہ اتنا خفا تھا کہ اس کی جانب دیکھنے کا بھی روادار نہیں رہا تھا جیسے۔

''اتنا بڑا جرم تھا میرا......؟'' وہ خود سے سوال کرتی تو دل خون ہونے لگتا، دل عجب متضاد کیفیات سے بوجھل ہوا جاتا، تمام تر صفائیوں کے باوجود جہان نے اگر اسے معاف نہیں کیا تھا تو پھر سچ یہی تھا، جو اس روز وہ اس پہ واضح کر چکا تھا، کیسے کیسے نہ اس دن مان اور زعم ریزہ ریزہ ہو کر بکھرا تھا، وہی مان اور زعم جو اسے جہان پہ ہمیشہ رہا تھا اور جو اس رات جہان و معاذ کی گفتگو میں ہونے والے اس وجود میں ہر سو خوشبو بکھیر دینے والے انکشاف پہ یکلخت اور زیادہ بڑھ گیا تھا، جبھی تو وہ جہان کے پچھلے کئی دنوں کے سرد مہر رویئے کو یکسر فراموش کیے اتنے اعتماد اس قدر یقین اور دھڑلے کے ساتھ کل اس کے کمرے میں اس وقت گئی تھی جب ژالے کچن میں مصروف تھی، آہٹ پہ جہان جو بک ریک کے پاس کھڑا کوئی کتاب تلاش کرنے میں مصروف تھا، سرسری انداز میں گردن موڑی تھی، مگر ژالے کی بجائے اسے روبرو پا کے اس کی صبیح پیشانی پہ ناگواری و برہمی کی شکنیں ابھر آئی تھیں، البتہ کچھ کہنے سے اس نے گریز برتا اور کچھ کہنے کی بجائے لاتعلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اپنے کام میں مشغول ہو گیا تھا، زینب اس کی خفگی کو محسوس کر کے ہی مسکرائی تھی اور ازلی اعتماد کے ساتھ چلتی آ کر اس کے پہلو میں کھڑی ہو گئی۔

''جے......!'' اس کے بازو پہ ہاتھ رکھ کے اس نے باقاعدہ اس کی توجہ حاصل کرنا چاہی، جہان نے اپنے بازو پہ رکھے اس کے ہاتھ کو صرف سرد نظروں سے دیکھا نہیں، اسی سرد مہری سے اس کا ہاتھ بھی ہٹا دیا تھا، اس کی جانب اٹھنے والی جو جہان کی نظریں تھیں، ان میں ایسی برفیلی بیگانگی سرد تغافل اور لاتعلقی تھی کہ زینب کے اعتماد میں یکلخت دراڑیں پڑنے لگی تھیں مگر وہ خود کو بروقت سنبھال گئی تھی اور بڑی ہمت سے مسکرائی۔

''آپ آخر کب تک خفا رہنا چاہتے ہیں مجھ سے جے......؟'' اپنائیت آمیز اس سوال نے جہان کے چہرے پہ تلخی ہونٹوں پہ زہر خند بکھیر دیا تھا، اس نے برہم و مشتعل انداز میں سر جھکا اور ہاتھ میں موجود کتاب بک ریک پہ پٹخ دی، اس کی خاموشی زینب کو مضطرب بیکل کر رہی تھی، جبھی اس کا بازو پکڑ کر آہستگی سے جھنجھوڑا۔

''بتائیں نا مجھے۔'' اس کے انداز میں بچوں کی سی ہٹیلی ضد اترنے لگی۔

''یہ فضول باتیں...... فضول سوال نہ کرو مجھ سے، ویسے بھی اگر ایسا نہ ہو بھی تو کیا فرق پڑتا ہے تمہیں۔'' جہان کے لہجے کا طنز بھرپور تھا، زینب کا چہرہ پھیکا پڑنے لگا۔

''کیوں فرق نہیں پڑتا۔'' وہ قدرے دھیمی پڑی، شاکی ہو کر رہ گئی۔

''مجھے اپنی اوقات جو تمہارے نزدیک ہے، بہت اچھی طرح معلوم ہو چکی، پھر ان فضول باتوں کا مقصد؟'' جہان نے یکدم سرد مہری اوڑھ لی تھی، زینب نے گہرا سانس بھرا۔

''اوقات نہیں اپنی اہمیت...... اگر آپ اپنی اہمیت جان لیں تو اچھی بات ہو گی اور جے میں آپ کو بتا چکی ہوں نا کہ میں نے وہ کام کیوں کیا تھا اور......''

''چپ ہو جاؤ زینب! اور پلیز جاؤ یہاں سے فی الحال۔'' جہان یکدم مشتعل نظر آنے لگا، اسے سختی سے ٹوکا اور پھٹ پڑنے کے انداز میں اسے جھڑکتے ہوئے بولا، مگر زینب نے جیسے اس کی بات کا برا نہ ماننے کی قسم کھالی تھی۔

''میں آپ کو منائے بغیر نہیں جاؤں گی۔'' زینب کے اس جواب پہ جہان کی آنکھوں میں تمسخر کا رنگ اتار رہا تھا۔

''ان فار میلٹیز میں مت پڑیں زینب خاتون! اتنا تو تم بھی سمجھتی ہو گی کہ یہ سب چونچلے وہاں اچھے لگتے ہیں جہاں رشتوں میں محبت اور ضرورت ہو، ہمارے رشتے میں ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ ایک طرح سے پھنکارا تھا، زینب کی موجودگی اس کے ذہنی تناؤ کو بڑھا رہی تھی، وہ بے تحاشا اذیت کا خود ترسی کا شکار ہو رہا تھا، زینب اسے کچھ دیر یونہی دیکھتی رہی، پھر متاسفانہ سانس کھینچا۔

''آپ اب بھی مجھے نہیں بتانا چاہتے ہیں جے! کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں، مجھے بتائیے؟ اگر اس راز سے لالہ آگاہ ہو سکتے تھے، نور یہ اور گھر کے دیگر افراد جان سکتے تھے، تو مجھ سے صرف مجھ سے چھپانے میں کیا مصلحت تھی؟ کیا آپ کو نہیں لگا کبھی بھی کہ اس بات کو جاننے کا سب سے زیادہ حق ہی میرا تھا؟''

زینب کے اندر جتنا غصہ تھا، جس قدر دکھ سے وہ دوچار تھی، یہ استفسار بھی اس قدر شدید تھا، اس کا گریبان پکڑ کر اپنی عدالت میں گھسیٹتی ہوئی زینب جہان کو اپنے الفاظ کی سنگینی سے بھک سے اڑا چکی تھی، جہان نے پہلے غیر یقینی، پھر حیرت اور پھر تلخی سے بھرپور تاثرات کے ساتھ دیکھا تھا اسے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ کہنا کیا چاہتی ہو؟'' اس نے زینب کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو خاطر میں لائے بغیر اپنا گریبان اس کے ہاتھ سے زور سے چھڑواتے اسے فاصلے پہ کھڑا کرتے بے حد برہم و مشتعل انداز میں استفسار کیا تھا، اس کی آنکھیں ایک دم دہک اٹھی تھیں، زینب کا استحقاق آمیز انداز اسے استحقاق سے بڑھ کر متکبرانہ لگا تھا، جبھی پسند نہیں آسکا، ویسے بھی اب ان کے تعلقات جس نہج پہ تھے وہاں یہ انکشاف ہرگز بھی مناسب نہیں تھا، اسے کیسے پسند آسکتا تھا، زینب کو اس کے اس انداز نے مزید تکلیف سے دوچار کیا تھا، وہ خود دو قدم مزید پیچھے ہٹ گئی۔

''آپ سے کل لالہ جو بات کر رہے تھے میں سن چکی ہوں وہ۔'' آنسو پونچھتی زینب کے لہجے میں بے حد دھیما پن اتر آیا، جہان کا رویہ اسے سراسر توہین آمیز محسوس ہو رہا تھا، وہ مان وہ زعم وہ اعتماد دھیرے دھیرے اس کا ساتھ چھوڑ رہا تھا جس کے ہمراہ وہ یہاں تک آئی تھی، اس کی جگہ خفت بھرے ذلت آمیز سبکی کے احساس نے لے لی، اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرتی جا رہی تھیں، جہان نے اس جواب پہ سر جھٹک دیا، گویا اہمیت نہیں دی۔

''ہاں...... یہ سچ ہے، مگر وہ پرانی بات تھی، میں معاذ کو جھٹلانا یا ہرٹ کرنا نہیں چاہتا تھا۔'' اس کا انداز ہنوز نخوت بھرا تھا، جواب ایسا ضرور تھا کہ زینب کی اوقات واضح کر دی گئی، زینب کی

آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، تضحیک اور رہانت کے شدید احساس کے ہمراہ وہ اگلے کئی لمحے حرکت نہیں کرسکی، بالکل ساکن گویا پتھرائی ہوئی کھڑی رہی۔

''یعنی......آپ کا مطلب ہے کہ......! وہ لڑکی جس سے آپ......آپ ہمیشہ محبت کرتے تھے......وہ......وہ میں ہی تھی......مگر......مگر......پھر آپ......کی سوچ......آپ......کا دل بدل گیا اور......'' وہ اپنی بات نہیں مکمل کرسکی، گلے میں اتر جانے والے رنج و غم نے رقت نے اس کی آواز بھرا دی تھی، اس کی چھلکتی آنکھوں میں جہان کا سراپا بہت تیزی سے دھندلاتا جارہا تھا۔

''کیا اس میں کوئی مضائقہ ہے؟ وہ بھی اس صورت جبکہ ڈالے بہت نیک سیرت بہت فرمانبردار، بہت خوبصورت بھی ہے، پھر ایسا ممکن ہو نہیں ہوسکتا تھا؟'' جہان اس کی کیفیات سے بے خبر نہیں تھا، مگر اس پل دانستہ بے حسی کا مظاہرہ جانے کیوں کررہا تھا، زینب نے پوری شدت سے کانپتے ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا، وہ آنسو روکنا چاہتی تھی مگر ابلتے ہوئے اس لاوے پہ اسے ہرگز اختیار نہیں تھا، وہ سرتاپا کانپتی ہوئی منہ پہ ہاتھ رکھے پلٹ کر اندھا دھند بھاگی اور دروازے سے ٹکراتی اپنے لباس نے الجھتی کمرے سے نکل گئی تھی، اس کے بعد کیا بچا تھا بھلا اس کے پاس، صرف بے پایگی، بے چارگی اور اپنی بہت واضح اوقات، وہ جتنا تڑپتی تھی، درد کی شدت اس قدر بڑھتی جاتی تھی، جتنا روتی تھی، غم اسی قدر سوا ہورہا تھا۔

(ہاں......کوئی مضائقہ نہیں، ایسا ممکن بھی ہوسکتا ہے، جس زینب سے آپ نے محبت کی تھی ناں جے......! وہ ایک ان چھوئی لڑکی تھی، مگر اب جو آپ کے پلے باندھ دی گئی وہ مسلی ہوئی روندی ہوئی استعمال شدہ عورت ہے، فرق تو ہے، واضح فرق ہے، اس فرق کو میں نے خود کیوں نہ سمجھا؟ خود کیوں نہ جانا، آپ نے سمجھایا ہے تو اتنی تکلیف کیوں ہورہی ہے، سچائی سے کیسا فرار......حقیقت سے کیسا گریز)۔

اب وہ ہر لمحہ خود کو یہ سمجھاتی تھی، یہ جتلاتی تھی، یہی وجہ تھی کہ غم ڈھلتا نہ تھا، یہی وجہ تھی کہ زخم سلتے نہ تھے، کم از کم اسے جہان سے ایسی امید ایسی توقع نہیں تھی، وہ تو بہت اعلیٰ ظرف تھا، بہت الگ......بہت خاص۔

یہ کیسا نقصان اس کے حصے میں آگیا تھا، ایسی نارسائی تو تب نہ تھی، جب اس نے اپنے دل کا حال چھپائے خود کو اسی ضد میں جہنم میں جھونک دیا تھا، کہ جہان نے اس سے اعتراف نہ کیا تھا، اقرار نہ کیا تھا، اظہار نہ کیا تھا۔

نقصان تو ہو چکا تھا، پھر یہ اتنا ڈلا پن چہ معنی دارد......؟ اب تو اسے سمجھ دار ہونا چاہیے تھا، عقل استعمال کرنی چاہیے تھی، اگر جہان کو اس کی ضرورت ہوتی تو وہ اس وقت اسے کیوں اتنی آسانی سے کسی کو سونپتا؟ انکشافات تھے، اذیتیں تھیں، دکھ تھے، سوچیں تھیں۔

اسے چپ لگ گئی تھی، کتنے دن وہ بول نہیں سکی تھی، اسے لگتا تھا وہ اب کبھی بول بھی نہیں سکے گی، کم از کم جہان کے سامنے بالکل نہیں، وہ ہر اس جگہ سے بدکنے لگی تھی، جہاں جہان کی موجودگی کا احتمال بھی ہوتا، اسے لگتا تھا، جہان کا اب کے ہونے والا سامنا اسے ذلت کی ایسی اتھاہ میں اتارے گا، جہاں سے وہ کبھی نہیں نکل سکے گی۔

وہ یونہی ساکن بیٹھی تھی جب دروازہ زور سے کھلا، اس نے چونک کر مگر جلتی آنکھوں سے سامنے دیکھا، وہ پرنیاں تھی، منہ پھلائے ہوئے غصے سے بھری ہوئی آئی تھی، آتے ہی چادر اتار کر پھینکی اور خود کو صوفے پہ اس کے مقابل گرا دیا۔

''رجو...... رجو......! فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر لاؤ۔'' وہ زوردار آواز میں چلائی، زینب کی گود میں سوئی فاطمہ اس کی آواز سے کسمسانے لگی، زینب نے نرمی سے تھپکنا شروع کیا تھا۔

''پری......! تم پکڑو ناں عدن کو...... پانی میں لا کر دیتا ہوں تمہیں، میں کس لئے ہوں یار!'' اس پل معاذ عدن کو اٹھاتے ہوئے وہاں پہنچا تھا، انداز منانے والا تھا، کسی حد تک لجاجت آمیز مگر پرنیاں اس پر الٹ پڑی تھی۔

''مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں آپ کو...... سمجھے ہیں؟'' وہ زور سے پھنکاری، معاذ بدک سا گیا اور خائف انداز میں اسے دیکھا۔

''یہ کیا بات ہوئی زوجہ! اتنی پابندی کیوں بھلا؟'' وہ دونوں ہی جیسے زینب کی موجودگی کو فراموش کیے ہوئے تھے، زینب مزید خاموش مزید گم صم نظر آنے لگی۔

''میں نے کہا ناں، زیادہ فرینک ہونے کی ضرورت نہیں ہے، پیچھے ہٹیں۔'' معاذ اس کے ساتھ صوفے پہ آ کر بیٹھا تو پرنیاں بدکی تھی، معاذ نے نچلا ہونٹ دبا کر مسکراہٹ ضبط کی۔

نا حق قبضہ نہ کیجئے خود پر
آپ اپنے نہیں ہمارے ہیں

معاذ نے بڑے دھڑلے سے اس کے گلے میں بازو حمائل کر کے استحقاق جتلایا تھا، پرنیاں نے خفت سے بھرپور نظروں سے زینب کو دیکھا اور شرم سے سرخ پڑتے ہوئے معاذ کو گھورتے زور سے پرے دھکیل دیا، زینب کی موجودگی میں معاذ کی اس حرکت نے اسے بہت پزل کر دیا۔

''شرم نہیں آتی ہے؟ زینب کا ہی کچھ خیال کر لیں۔'' وہ دبے ہوئے مگر بے حد تپے تپے انداز میں اسے سنا رہی تھی، معاذ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے سر کھجانے لگا۔

''کیا کروں یار...... قسم لے لو جو مجھے تمہارے سامنے کچھ اور نظر آتا ہو۔'' وہ ایکدم رومینٹک ہونے لگا، پرنیاں نے خجالت آمیز تاثرات کے ساتھ اسے زور کا مکہ کاندھے پہ دے مارا تھا۔

''اٹھیں یہاں سے...... اور جائیں، آپ سے بعد میں نپٹوں گی۔'' پرنیاں نے اس سے عدن کو چھین لیا تھا، معاذ سرد آہ بھرتا ہوا اٹھا۔

''تمہارا موڈ آف تو نہیں ہے ناں جان من!'' وہ اٹھتے اٹھتے بھی اس کی آنکھوں میں جھانک کر شرارت سے بولا تھا، پرنیاں نے اب کی بار کچھ کہنے کی بجائے دونوں ہاتھوں سے اسے پرے دھکیل دیا۔

''فی الحال جائیں بعد میں بات کروں گی۔'' اس کے دانت کچکچا کر کہنے پہ معاذ آہیں بھرتا وہاں سے چلا گیا، تب پرنیاں زینب کی سمت متوجہ ہوئی تھی، جو اسے ہی دیکھ رہی تھی، مگر انداز میں بے خیالی اور غائب دماغی کا تاثر اتنا گہرا تھا کہ پرنیاں کو لگا وہ وہاں موجود ہو کر بھی یہاں نہیں

ہے۔

''ان کے ہمراہ باہر جانا بھی کسی آزمائش یا عذاب سے کم نہیں ہے، رنگ برنگی فیز ملتی ہیں اور چپکی جاتی ہیں، برداشت کی کوئی حد بھی ہوتی ہے آخر۔'' وہ ازخود اپنے موڈ کی خرابی کی وجہ بتلانے لگی، زینب کے ہونٹوں پہ بہت بجھی ہوئی مسکان بکھر گئی۔

''ایسے نہ کہا کرو پری، بہت خوش نصیب ہو تم کہ لالہ کی حقیقی اور پرخلوص محبتوں کی حقدار ٹھہری ہو، قدر کرتی رہو، کوئی پتا نہیں چلتا کب کوئی غلطی گرفت میں آجاتی ہے اور سب کچھ چھین جاتا ہے۔'' زینب کی خاموشی ٹوٹ گئی تھی، پرنیاں کو اس کے الفاظ سے زیادہ اس کے لہجے کی حسرت و یاس کے ساتھ کرب آمیز بے مائیگی نے بے چین کیا تھا، وہ چاہنے کے باوجود فوری طور پہ کچھ کہنے کے قابل نہ ہو سکی۔

''اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے زینب کہ جہان بھائی بھی تم سے بہت محبت کرتے ہیں، پھر بھی تم اتنی اداس رہتی ہو؟'' خاصی تاخیر سے وہ بولی تو زینب کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بھی کسی نوحے کی طرح ابھری تھی، آنکھوں میں مچلتی نمی پلکوں کی دہلیز پہ آن کر شبنمی موتیوں کی مانند اٹک گئی۔

''میں بھی یہی سمجھتی تھی، اس حماقت میں پڑی رہی، مگر ہر خواب کا تعلق سراب سے جا کر کیوں کر مل جاتا ہے اس پہ کبھی غور نہیں کیا اور خود کو اس غلط فہمی میں ضد میں دار پہ چڑھا دیا، یہ کیسی محبت تھی ان کی پری...... جس نے انہیں مجھ سے مدعا کہنے سے روکے رکھا؟ اب سوچنا یہ بھی ہے کہ وہ محبت بھی تھی؟''

کیسی تڑپ تھی اس کے لہجے میں انداز میں، چہرے پہ آنکھوں میں، پرنیاں مضطرب نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی، زینب ہونٹ کچلتی پلکیں جھپک جھپک کر آنسو اندر اتارتی رہی تھی۔

''ابھی تو مجھے معلوم ہوا ہے پری کہ کوئی بھی مرد اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوتا کہ مطلقہ اور برتی ہوئی عورت کو اسی انداز میں قبول کر سکے، جیسے وہ ایک کنواری لڑکی کو کر لیتا ہے، جے کو اعلیٰ ظرفی کا یہ ثبوت فراہم کرنا ہی نہیں چاہیے تھا، دوسرے لفظوں میں گھر والوں پہ مجبوری میں بھی اس فرمانبرداری اور سعادت مندی کو ثابت نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' بے حد دکھ میں مبتلا ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہتی وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک پڑی تھی، پرنیاں کی جان پہ بن کر آنے لگی، اسے چپ کراتے وہ ہلکان ہو رہی تھی۔

''پلیز زینی! خود کو سنبھالو، تم بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو، صاف لگتا ہے، کم از کم جہان بھائی ایسے بالکل بھی نہیں ہیں۔'' اس کے آنسو پونچھتے پرنیاں نے اسے سمجھانا چاہا تھا، زینب تھکے ماندے اور زخمی انداز میں مسکرانے لگی۔

''کیا میں تمہیں بتاؤں پری کہ مجھے اب اس دلاسے کی بھی ضرورت ہے نہ حاجت۔'' اس کی آواز رقت آمیز تھی، پرنیاں کو گہرا دھچکا لگا، اس نے الجھ کر ٹھٹک کر زینب کو دیکھا۔

''کیا مطلب......؟ تمہیں کچھ کہا ہے جہان بھائی نے......؟'' وہ ششدر نظر آنے لگی۔

''ان باتوں کو چھوڑ دو پرنیاں! میں نے جان لیا ہے، میرے نصیب میں شوہر کی محبت اور توجہ نہیں لکھی گئی۔'' اس کے لہجے میں اس پل ٹوٹتے کانچ کی سی چھنک تھی، پرنیاں کو اس کا دکھ اپنے

دل میں شگاف ڈالتا ہوا محسوس ہوا، پرنیاں نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر دروازے کے باہر جہان کی جھلک دیکھ کر ہونٹ بھینچتے ہوئے ارادہ ملتوی کر دیا، جس وقت رات کے کھانے کے بعد وہ کچن میں رجو کے سر پہ کھڑی ہدایات دے رہی تھی، جہان کو چائے کی طلب وہاں کھینچ لائی تھی۔

''رجو تم پہلے چائے بنا دو بھائی کے لئے۔'' اس نے رجو کو حکم دیا تھا اور خود جہان کے پیچھے بھاگی جو واپس اپنے کمرے کا رخ کر چکا تھا۔

''میری بات سنیں جہان بھائی!'' وہ اس کے برابر پہنچ کر پھولے سانسوں سے بولی تو جہان جو قدرے حیران ہو چکا تھا، خود کو سنبھال کر نرمی و رسان سے مسکرایا۔

''جی...... حکم کیجئے......؟'' وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کے ذرا سا خم ہوا، انداز میں کسی حد تک شرارت کا عنصر تھا، پرنیاں اسے بغور دیکھتی رہی، گویا وہ جتنا مطمئن نظر آتا ہے واقعی ہے بھی کیا واقعی زنیب کی سب باتیں بالکل ٹھیک ہیں، اس کا دل انوکھے خدشات سے بھر رہا تھا۔

''آپ اتنے ہی مطمئن ہیں بھائی جتنا اس وقت نظر آ رہے ہیں؟'' اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی تلخی و چبھن سمیٹ لایا تھا، جہان کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہونے میں دیر نہیں لگی۔

''کیوں؟ آپ کو کوئی شک؟ ویسے خیریت، مجھے لگ رہا ہے، آپ کلاس لگا رہی ہیں میری۔'' اب وہ سنجیدہ تھا اور بہت سنبھل کر بات کر رہا تھا، پرنیاں نے دھیان سے اس کی سنجیدگی کو ملاحظہ کیا اور انجانے کرب کا شکار ہونے لگی۔

''آج دن میں میری اور زینب کی باتیں سن چکے ہیں ناں آپ......؟'' اپنی شاکی نظریں اس کے چہرے پہ جما کر پرنیاں نے کڑا استفسار کیا تھا، جہان جو اسے ہی دیکھ رہا تھا، بے اختیار نگاہ کا زاویہ بدل کر سنجیدگی سے دوسری جانب دیکھنے لگا۔

''جی...... مگر یہ محض ایک اتفاق تھا۔'' جہان نے نپا تلا محتاط قسم کا جواب اس سنجیدگی سے دیا جس کا وہ اب تک مظاہرہ کر رہا تھا، پرنیاں ایک دم ڈھیلی پڑ گئی، آنکھوں کا شکوہ جیسے گہرا ہوا تھا۔

''کیسے سنی تھیں مسئلہ یہ نہیں ہے بھائی! بات یہ ہے کہ آپ کو اگر علم ہو ہی چکا تھا تو آپ کو اس کا شکوہ یا غلط فہمی دور نہیں کرنی چاہیے تھی؟'' پرنیاں کا لہجہ و انداز ہنوز تھا، بلکہ اس میں اب کسی قدر خفگی کا افسردگی کا تاثر بڑھا ہی تھا، جہان نے اب کے دانستہ جواب نہیں دیا، جیسے ہونٹ بھینچے دوسری جانب دیکھ رہا تھا، دیکھتا رہا، جبکہ پرنیاں ہنوز منتظر تھی، بے چینی، بے تابی اضطراب اس کی ہر ادا سے ظاہر تھا، معاً وہ بے حد تناؤ کی کیفیت میں آ کر پھر خود ہی بول پڑی تھی۔

''آپ کی اس خاموشی سے کیا، مجھے خود کو یہ سمجھانا چاہیے کہ میں آپ کی ذاتیات میں دخل دے رہی ہوں جو کہ مجھے نہیں دینا چاہیے۔''

وہ جتنا تپی تھی، جس قدر دکھ کا شکار تھی، یہ اس کے الفاظ سے اس کے انداز سے ظاہر ہو گیا تھا، جہان بے ساختہ بوکھلا اٹھا۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا ہے بھابھی پلیز۔'' اس نے احتجاجاً ٹوکا تھا، پرنیاں جواباً مضطربانہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی، پھر گہرا سانس بھرتے لجاجت سے کہہ گئی تھی۔

''اسے منالیں پھر بھائی! ورنہ وہ خود کو کوئی نقصان پہنچائے گی مجھے ڈر ہے، مجھے یقین ہے

آپ ایسا کبھی نہیں چاہیں گے۔'' اس کا انداز رسانیت آمیز تھا، جہان ہونٹ سختی سے بھینچے ساکن کھڑا رہا۔

''محبت میں انا نہیں ہوتی ہے بھائی!'' نصیحت کر کے وہ خود آگے بڑھ گئی تھی، جہان کتنی دیر وہیں کھڑا اس کی اس آخری بات پہ غور کرتا رہا تھا۔

☆☆☆

مجھے چشم ناز سے مت گرا
میرے ہمسفر میرے ساتھیا
تیرے سارے عذر قبول ہیں
یہ محبتوں کے اصول ہیں
رہوں کب تلک تیری راہ میں
مجھے رکھ کے اپنی نگاہ میں
میری خواہشیں تیری چاہ میں
کسی گزرے وقت کی دھول میں
میری زندگی دھواں دھواں
تیرے ساتھ جاؤں کہاں کہاں
میری آرزوئیں خزاں خزاں
تیرے پاس پھول ہی پھول ہی
یہ محبتوں کے اصول ہیں
تجھے میری ذات پہ نخوتیں
کہاں میں کہاں میری حسرتیں

بستر پہ گھٹنوں میں سر دیئے، وہ اب بھی رو ہی رہی تھی، فاطمہ کے جاگنے اور پھر رونے کی آواز پہ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا، پھر ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا لیا، بچی بھوکی تھی اور اس کا فیڈر خالی، وہ اسے اٹھائے کمرے سے باہر آ گئی، لاؤنج خالی تھا، رجو بھی نظر نہیں آ رہی تھی، اس نے فاطمہ کو وہیں صوفے پہ لٹا دیا، اسے اٹھا کر گود میں لے کر وہ کوئی کام نہیں کر سکتی تھی، اتنے ہاتھ پیر چلاتی تھی فاطمہ کہ کام ہونے کی بجائے بگڑ جایا کرتا تھا۔

جہان آفس سے لوٹا تھا، بیڈ روم سے فریش ہو کر نکلا تو فاطمہ کی روئی آواز پہ بے اختیار اس کے قدم لاؤنج کی جانب بڑھ آئے تھے، صوفے پہ بری طرح سے ہاتھ پیر چلا کر روتی فاطمہ کو اس نے حیرانی کی نگاہ سے دیکھا اور بے اختیار آگے بڑھ کر اس تک آیا اور جھک کر اسے بانہوں میں بھر کر کاندھے سے لگا کر تھپکا، بچی اس کا لمس پہچانتی تھی، جبھی اس سے چمٹ کر چند لمحے ہچکیاں بھرتے رہنے کے بعد پھر سے خاموش ہو کر غنودگی میں چلی گئی، جہان اسے ساتھ لگائے تھپکتا ہوا ہال کمرے میں آ گیا تھا، جہاں اس وقت سبھی موجود تھے۔

زینب فیڈر تیار کر کے واپس آئی تو خالی صوفہ دیکھ کر ایک پل کو حیران رہ گئی، اگلے لمحے وہ

تیزی سے پلٹی تھی تو چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں، ماریہ دروازے میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔
''فاطمہ کو ڈھونڈ رہی ہیں؟ خدانخواستہ وہ غائب نہیں ہوئی بلکہ جہان بھائی لے گئے ہیں اسے۔'' اس کے تاثرات پہ ہی محظوظ ہوتی وہ نرمی سے تسلی دے رہی تھی، زینب کے چہرے پہ جہان کا نام سنتے ہی تناؤ ابھر آیا۔
''جاؤ لے کر آؤ، بھوک لگ رہی ہے اسے۔'' اس کا لہجہ رکھائی سے بھرپور اور سرد پن لئے تھا، ماریہ البتہ اس کی کیفیت نہیں سمجھ سکی، سرا ثبات میں ہلاتی پلٹ گئی تھی، زینب سے انتظار محال ہونے لگا تو خود اسی جھنجلاہٹ میں اس کے پیچھے آئی تھی، فاطمہ جہان کی گود سے ماریہ کے پاس آنے پہ آمادہ نہیں تھی، جہان نے مسکراتے ہوئے نرمی سے ماریہ کو ہی ٹوکا تھا۔
''گڑیا آپ فاطمہ کا فیڈر یہاں لا دو، مائی ڈول ابھی پاپا کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔'' اس نے جھک کر فاطمہ کا گال چوما تھا، فاطمہ نے خوش ہو کر کلکاری ماری تھی اور جہان کے چہرے پہ ہاتھ مار مار کر کھیلنے لگی، مما اس کی محبت کا یہ مظاہرہ بہت مطمئن نظروں سے دیکھ رہی تھی، مسکرا رہی تھیں، اب کے اندر کوئی ملال کوئی رنج نہیں تھا جیسے، جہان نے اس فیصلے کی بہتری کو ثابت کر کے دکھا دیا تھا اپنی سعادت مندی و فرمانبرداری کے ساتھ، اس پرسکون ماحول میں دراڑیں زینب کی آمد سے پڑی تھیں، جو دروازے میں کھڑی جہان کی بات سن چکی تھی اور گویا پورا وجود جیسے سلگ اٹھا تھا، وہ تلملا کر جیسے کانٹوں پہ چلتی آگے آئی تھی اور بغیر کسی لحاظ کے جہان سے فاطمہ کو نہایت جارحانہ انداز میں جھپٹ لیا تھا۔
''اگر آپ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو میری بیٹی سے بھی جھوٹی محبت جتلانے کی ضرورت نہیں، کل کو یہ بھی آپ کو اپنی غلطی لگے گی، اس سے بھی دستبردار ہو جائیں گے، مگر یہ اس محرومی کے ساتھ جینا نہیں چاہے گی، آج کے بعد اسے ہاتھ نہیں لگانا آپ نے...... سمجھے۔'' وہ بولی نہیں غرائی تھی جیسے، اس کا چہرہ سرخ تھا اور آنکھیں اشتعال آمیز انداز میں دہک رہی تھیں، غم و غصہ رنج ذہنی اذیت وحشت مل جل کر اسے ہسٹریک کر چکی تھی، وہ مکمل طور پہ حواسوں سے باہر لگ رہی تھی، جہان تو جہان، وہاں موجود ہر بڑے چھوٹے کو گویا سانپ سونگھ گیا، زینب سے اس بدلحاظی اس گستاخی اس انتہائی رویے کی توقع بھلا کس کو تھی، شدید خفت اور شرمندگی کے باعث جہان کی پیشانی تپ اٹھی، چہرہ گویا پسینوں میں ڈوبنے لگا، دھڑکنیں چیخنے لگیں۔
''یہ کیا بدتمیزی ہے زینی...... بی ہیو یور سلیف۔''
سب سے پہلے معاذ کے حواس بحال ہوئے تھے، اس نے ایک منٹ میں زینب کو لتاڑ کر رکھ دیا تھا، اس کے خیال میں زینب کی بدتمیزی کی یہ حد تھی، انتہا تھی، اس سے جہان کے چہرے کی خفت نہیں دیکھی جا رہی تھی جو نظریں زمین پہ گاڑھے سکتہ زدہ نظر آ رہا تھا، بہ دستور، زینب نے جیسے معاذ کی بات سنی ہی نہیں، جیسے آندھی طوفان کی مانند آئی تھی ویسے ہی روتی بلکتی فاطمہ کو سینے سے چمٹائے پلٹ بھی گئی، مگر معاذ کی دھاڑ نما آواز پہ اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لئے تھے۔
''یہیں رکو زینی! اور فاطمہ کو واپس جے کے پاس لاؤ، بات کرنے کا یہ کون سا انداز ہے، یہی تمیز سیکھی ہے آج تک تم نے؟'' اس کا سرد لہجہ اس قدر برافروختہ اور خوفناک تھا کہ زینب کا سارا

ہیجان ایک طرف اسے منجمد کر کے رکھ گیا تھا، اس نے تھرائے ہوئے مگر تلخ انداز میں پلٹ کر لہو رنگ آنکھوں سے معاذ کو دیکھا، جس کے چہرے پہ ہرگز کوئی گنجائش نہیں تھی اور ایسا تاثر ملتا تھا اگر وہ اس بات سے ذرا سا بھی انحراف کی جرأت دکھائے گی بغیر کسی لحاظ کے وہ اس کا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کر دے گا، آنکھوں میں ایسا ہی غم وغصہ اور اشتعال تھا، وہ ساکن کھڑی باغیانہ سرکشانہ انداز میں اسے ٹکر ٹکر دیکھتی رہی، ایسے سرکشانہ انداز میں جس میں گہرا رنج و ملال بھی پایا جاتا تھا، معاذ کو البتہ اس کے تجاہل اور ڈھٹائی نے مزید آگ سی لگا دی تھی۔

''تم نے سنا نہیں؟ کیا کہہ رہا ہوں میں؟'' وہ پھر غرایا، ماحول پہ ہنوز وحشت آمیز سناٹا طاری تھا، بس ایک جہان کی آواز بھی بہت مدھم سی بہت بوجھل، جو وہ اسے بار بار جزبز ہوتا ٹوک رہا تھا جس پہ قطعی دھیان دیئے بنا معاذ صرف زینب کی جانب متوجہ تھا اور اسے ہی گھور رہا تھا، زینب نے اپنی پیشانی اس ذلت پہ جلتی محسوس کی، اس کا غم سے بوجھل دماغ کیسے دھوئیں سے بھرنے لگا، وجود میں غضب کی توڑ پھوڑ مچی ہوئی تھی، اندر سر پٹختی ہوئی وحشت جنون کی سمت بڑھنے لگی، اس نے اسی وحشت بھری نظروں سے وہاں موجود سب اپنوں کو دیکھا، ان کی بیگانگی و ناراضگی سے لبریز چہروں پہ اپنائیت و ہمدردی کی رمق ڈھونڈنی چاہی، کوئی ایک چہرہ بھی تو نہیں تھا، جو اس کا حمایتی نظر آتا ہو، ایک جہان تھا جو اس کے حق میں کچھ کہہ رہا تھا، مگر اس نے اس سے بڑھ کر چاپلوس منافق اور دوغلا پن انسان کوئی دوسرا نہیں دیکھا تھا، اسے تیمور سے نفرت تھی، مگر تیمور جو تھا وہ کھلا ہوا تھا، اس کی برائی بھی عیاں تھی، جہان تو چھپا ہوا تھا، اس کی برائی بھی عیاں نہیں تھی، وہ تیمور سے بڑھ کر اس کا دشمن ثابت ہوا تھا، بہت برے طریقے سے لوٹنے والا، اس سے سب چھین لینے والا، اس کے اپنے بھی، یہ اپنے جن کے چہروں پہ اس کے لئے نفرت تھی، جہان کے لئے اپنائیت بھی ہمدردی بھی، اس کا پیارا بھائی بھی، جو اب اسے مار ڈالنے پہ کمر بستہ تھا، اس کی وحشت دو چند ہوتی چلی گئی، اس نے خود سے چمٹائی ہوئی فاطمہ کو اس وحشت زدگی کی کیفیت میں خود سے الگ کیا پھر زور سے دور پٹخ دیا تھا۔

''یہ لو...... لے لو...... میری بدنصیبی نے...... مجھ سے میری باقی سب رشتے بھی تو چھین لئے ہیں، میری بیٹی بھی چھیننا چاہتے ہو، چھین لو۔'' وہ بلک کر پوری شدت سے بلند آواز میں روتی ہوئی چیخ کر کہتی پلٹ کر پاگلوں کی طرح باہر بھاگ گئی، ہال میں موت کا سا سناٹا اتر آیا، ہر کوئی اپنی جگہ پہ جیسے پتھر کا ہو گیا تھا، جبھی تو فلور کشن پہ گرتے والی فاطمہ کی جانب بھی فوری طور پہ کسی کا دھیان نہ جا سکا، جہان اس لحاتی صدمے سے نکل کر سرعت سے فاطمہ تک آیا اور اٹھا کر اسے سینے سے بھینچ لیا تھا، جب تک وہ اسے بہلاتا چپ کراتا رہا تھا، تب تک کمرے میں موجود سارے نفوس اپنی اپنی جگہ پہ گم صم سکتہ زدہ بیٹھے رہے تھے، جہان نے بچی کو ژالے کے حوالے کیا اور خود لٹھے کی مانند سفید پڑ جانے والی مما کے پاس آ گیا تھا۔

''چچی جان!'' اس کا لہجہ اس کا انداز بے حد شرمسار قسم کا تھا، مما ملول لگرفتہ اور بے قرار نظر آئیں تھیں، شرمندگی و خفت الگ تھی، جہان نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ان کے ہاتھ نرمی سے تھام لیے، وہی کوئی وضاحت دینا چاہتا تھا کہ مما نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ سر کو نفی میں جنبش دینا شروع

کی تھی۔

''میں جانتی ہوں بیٹے! قصور آپ کا نہیں ہو سکتا، زینب ہی بہت جذباتی ہے، حالانکہ اب......'' جہان کو یہ اعتماد یہ بھروسہ یہ مان اور محبت جیسے عرق ندامت میں ڈبوتا چلا گیا۔

اسے پرنیاں کی شا کی نظروں میں چبھن بھی محسوس ہونے لگی، جو کچھ فاصلے پہ بالکل خاموش آ کر کھڑی ہوگئی تھی، وہ زینب کے پیچھے گئی تھی مگر مایوس لوٹ آئی تھی، زینب نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا۔

''چچی جان! پلیز سنبھالیں خود کو، سارا قصور زینب کا ہی نہیں ہے، لیکن وعدہ کرتا ہوں آپ سے، سب ٹھیک کرلوں گا انشاء اللہ۔'' وہ جتنا شرمندہ تھا، اس قدر مدھم لہجہ تھا اس کا، در پردہ گویا اس نے پرنیاں کو بھی عہد دیا تھا، ڈھارس دی تھی، وہ اس کی لمحہ بھر کو خود پہ اٹھتی نگاہ کو محسوس کرتی سرد آہ بھر کے رہ گئی۔

''آپ کا بڑا پن ہے بیٹے!'' مما کی آواز بھرا سی گئی، جہان سرخ چہرہ لئے اٹھ گیا، معاذ کب کا وہاں سے جا چکا تھا، ہر کوئی اپنی اپنی جگہ تفکر اور اضطراب کا شکار تھا۔

☆☆☆

تمہیں میں نے بتایا تھا
شکستہ پا نہیں دیکھو
شکستہ روح بھی ہوں میں
میری مفلوج ہاتھوں کو
حیات نو کا کوئی
اشارہ اب دکھانا مت
میری بے نور آنکھوں کو
نوید خواب الفت مت سنا دینا
بتایا تھا کہ مدت سے
میرے معذور پیروں نے
مجھے چلنے...... کسی کے ساتھ چلنے کی
اجازت تک نہیں دی ہے
میرے ٹوٹے بدن میں زندگی کا ایک بھی ذرہ نہیں باقی
تمہیں تو سب بتایا تھا
تمہیں ضد تھی
تمہیں ضد تھی میرے پیروں تلے پلکیں بچھاؤ گے
تمہیں ضد تھی کہ تم میری زخمی ہتھیلی پر
دھڑکتے دل کو رکھو گے
تمہیں ضد تھی کہ بجھتی روح پر تم

زندگی کی آگ رکھو گے
تمہاری ضد کے آگے ہار مانی
پھر سے ایک دم توڑتی امید کے دھاگوں سے زخموں کو سیا
خود کو تمہیں سونپا
مگر جواب کے ٹوٹا ہے
میرے ٹکڑوں کے ٹکڑے ہیں
کبھی بھی جڑ نہ پائیں گے
اگر یہ جڑ بھی جائیں تو
نہیں امکان کوئی کہ
کہ ان میں میری روح بھی ہو گی

اس نے کراہ کر آنکھیں کھولیں، جن میں بے تحاشا جلن تھی اور تکلیف کی شدت سے بے حال ہوتے سر پٹخا تھا، پرنیاں جو ٹھنڈے پانی میں کپڑ بھگو کر اس کی پیشانی پہ رکھ رہی تھی، اس کی بے قراری کو محسوس کرتی اس کا چہرہ ہاتھوں میں نرمی سے تھام کر اس پہ جھکی۔

''زینی......! کیا ہوا ہے؟'' اس کی آواز بوجھل تھی، زینب نے آنکھیں بند کھولیں، اس کا درد سے پر پھٹتا ٹکڑے ہوتا جا رہا تھا، ذہنی ہیجان مایوسی درماندگی شدید غم کا شاخشانہ تھا یہ کہ وہ پچھلے دو دنوں سے ہی بخار میں پھنک رہی تھی، پرسوں جب اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا، پرنیاں دروازہ بجاتی اس کی منتیں کرتی ہار گئی تھی مگر زینب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، تو پرنیاں کے اندر کتنی پریشانی اترتی چلی گئی تھی، جہان پہ شاکی نگاہیں ڈالتی وہ معاذ کو وہاں موجود نہ پا کر پلٹ رہی تھی جب جہان اس کی ناراضگی کو محسوس کرتا خود اس کی جانب آ گیا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' محض ایک فقرہ کا ازالہ اور کسی کی زندگی داؤ پہ جا لگی تھی، اس کے رنج والم اور تاسف کا کوئی انت نہیں رہا، نگاہوں میں بے پناہ دکھ اتر آیا تھا۔

''کبھی ایک لمحہ کی تاخیر بھی انسان کو ہمیشہ کے نقصان سے دوچار کر جایا کرتی ہے بھائی! میں آپ کو اس کی ذہنی حالت کے متعلق بتا چکی تھی، اگر آپ نے غور کیا ہوتا تو شاید یہ سب نہ ہوتا، اب بھی وہ کمرے میں اپنے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے، کوئی اچھی امید نہیں ہے مجھے۔''

وہ جہان کو دہکتے الاؤ میں دھکیل کر خود آگے بڑھ گئی تھی، جہان جو پہلے ہی مجرمانہ احساس سے دوچار تھا خود کو عجیب سی گھبراہٹ میں مبتلا محسوس کرتا کچھ سمجھ نہ آنے پہ زینب کے کمرے کی جانب دوڑا تھا، دروازہ واقعی اندر سے لاک تھا، ناک گھمانے پہ اسے اندازہ ہو گیا تھا، اس کی گھبراہٹ بڑھی تھی اور دل بہت تیزی دھڑکنے لگا، دروازہ دھڑ دھڑاتے اس کے ہاتھوں کی جنبش میں وحشت سرسراتی تھی، چہرے پہ ایسا تاثر ملتا تھا، گویا پوری زندگی کی متاع داؤ پہ جا لگی ہو مگر اندر موت کا سناٹا خاموش اور وحشت طاری تھی، کوئی آہٹ نہیں، کوئی احساس نہیں، تبھی مما بھی وہاں آ گئی تھیں، دونوں کی نظریں چار ہوئی تھیں، جہان کی نگاہوں میں بے تحاشا سرخی اور سراسیمگی تھی، مما کی آنکھیں آنسوؤں کے ساتھ خدشات سے پر تھیں۔

''زینی......! دروازہ کھولو بیٹے! دروازہ کھولو۔'' انہوں نے خود دروازہ اتنی زوردار آواز میں بجایا تھا، ساتھ ہی سسک کر بلک کر گویا التجا کرنے لگیں، مگر اندر صورتحال ہنوز تھی، دروازے کے باہر گھر کے افراد کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔

بھابھی......ژالے...... ماریہ......نوریہ، حسان...... ماما جان......سب کے سب سراسیمہ تھے، دہشت زدہ جہان نے ہونٹ دانتوں سے کاٹ کاٹ کر زخمی کر دیئے، عجیب سے پر ملال احساس سے دوچار تھا وہ...... یہ کیا ہو گیا تھا...... اتنا ظالم سفاک کیوں ہوا وہ...... کتنی بار وہ معافی مانگتی رہی، ایسا غصہ کیوں آگیا کہ ہر بار اسے جھٹکتا ہی چلا گیا، اس کی شرمندگی اس کا خوف ہر آن بڑھ رہا تھا۔

''زینب......! میری جان میری بیٹی! دروازہ کھولو، کچھ بولو ورنہ میرا دل رک جائے گا۔'' ماما جان کا ضبط جواب دے گیا تو روتے ہوئے وہیں زمین پہ بیٹھ گئیں۔

''کیوں پریشان ہیں سب؟ ابھی مری نہیں ہوں، بدقسمتی سے زندہ ہوں، مزید تسلی کے لئے سن لیں، خودکشی کا بھی کوئی ارادہ نہیں رکھتی ہوں۔''

زینب اندر سے ہی چیخی تھی، آواز مسلسل رونے کے باعث ہی بیٹھ چکی تھی، اس کے باوجود سب کی جیسے جان میں جان آئی، ژالے نے بے اختیار ریلیکس ہوتے جہان کے بازو پہ تسلی آمیز انداز میں ہاتھ رکھا، جہان کا جانے کب کا سینے میں اٹکا ہوا سانس بحال ہوا، دل کی خطرناک حد تک بڑھی ہوئی دھڑکنیں واپس معمول پہ آنے لگیں۔

''بیٹے دروازہ تو کھولو، جان بات تو سنو ماما کی، ایسے نہیں کرتے پلیز۔'' اب پھر ماما جان ہی بولی تھیں، ان کے آنسو ہنوز بہہ رہے تھے، مما نے انہیں کاندھوں سے تھام کر اٹھایا، اب ان کے چہرے پہ بھی اطمینان تھا، اندر کچھ دیر کی خاموشی رہی تھی، پھر بالٹ گرنے کی آواز سنائی دی دروازہ البتہ اس نے نہیں کھولا تھا، ماما جان کے اندر جیسے کوئی نئی ترنگ اور جوش و خروش امنڈ آیا، انہوں نے خود دروازے پہ دباؤ ڈالا تھا اور اندر داخل ہونے سے قبل باقی سب کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا تھا، جسے سمجھتے وہ سب بے دلی سے سہی مگر پلٹ گئے تھے، صرف مما ان کے ساتھ کھڑی تھیں، جہان کو مضمحل محسوس کر کے مما نے آگے بڑھ کر مشفقانہ انداز میں اپنے ساتھ لگا کر تھپکا۔

''ریلیکس بیٹے! وہ ٹھیک ہے اب، کچھ دیر میں آپ کو بھیجوں گی تو مل لینا۔'' جہان نے محض ایک خفیف نگاہ ان پہ ڈالی تھی پھر سر جھکا لیا تھا، وہ یوں مہر بالب تھا، جیسے کہنے کو کچھ باقی نہ بچا ہو، مما نے پھر ان کا گال تھپتھپایا اور جانے کا اشارہ کیا تھا اور خود اندر کمرے میں آگئیں، بیڈ پہ ماما جان کی گود میں سر رکھے زینب ایک بار پھر روتی حال سے بے حال تھی۔

''میری بیٹی تو بہت بہادر ہے۔''

''میں نے سب محبتیں کھودی ہیں ماما جان! میں ہار گئی ہوں ہر لحاظ سے۔'' وہ اور زیادہ بلک اٹھی، ماما جان نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا، جھک کر اس کی پیشانی کو چوما۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے بیٹے! ہم سب بہت محبت کرتے ہیں آپ سے، سب سے زیادہ جہان۔'' جہان کے نام پہ زینب کے ہونٹ پھر سل گئے، آنکھیں سمندر بنتی گئیں، وہ پھر کچھ نہیں

بول سکی تھی، بابا جان نے مما نے کتنا سمجھایا، کتنا یقین دلایا، مگر اس کے اندر جو بدگمانی جو بے اعتباری اتری تھی وہ ڈھلتی نہ تھی، سب اس کے پاس آتے تھے باری باری، سب ہی اپنی محبتوں کا اپنے انداز میں اظہار کرتے رہے، یہاں تک کہ معاذ بھی، اسے پرنیاں نے کتنا رگیدا تھا اس بات پہ کہ اس نے بنا سوچے سمجھے کیوں زینب کے ساتھ مس بی ہیو کیا۔

"ہر بار جہان بھائی کے مقابلے پہ زینی غلط ہو یہ ضروری نہیں ہے معاذ! اور ہر مرتبہ زینی کے ساتھ ان کے اختلاف پہ آپ جہان بھائی کا فیور کریں، وہ بھی بنا سوچے سمجھے یہ تو بالکل ان فیئر ہے، جہان بھائی نے تو اسے ہرٹ کیا تھا سو کیا تھا، آپ نے تو حد ہی کر دی، وہ مر بھی سکتی تھی، خدانخواستہ کچھ بھی غلط ہو جاتا تو ساری عمر آپ اور جہان بھائی سر پکڑ کے روتے رہتے۔"

پرنیاں ہرگز بھی معاذ کو رعایت دینے یا کچھ کہنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی، معاذ خود بھی پشیمان تھا، جبھی کچھ کہے بغیر اٹھ کر زینب کے کمرے میں آ گیا تھا، وہ جیسے چند گھنٹوں میں نچڑ گئی تھی، آنکھیں اندر گھس گئی تھیں، ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے، اس نے واقعی خود کو داؤ پہ لگا دیا تھا، معاذ تو ہول گیا تھا اسے اس حال میں پا کر، اسے اس کی شادی کی رات کا جہان یاد آیا، کم و بیش ایسی ہی حالت تھی اس کی، اگر وہ دونوں ایک دوسرے میں اتنے ہی انوالو تھے تو حماقتیں کیوں کرتے پھرتے تھے، اسے سخت ملال نے آن لیا، زندگی میں پہلی بار جہان پہ اتنی غصہ آیا تھا دل چاہا جا کر اسے بھی دو جڑ دے۔

"کیا پاگل ہو گئی ہو زینی!" کرسی پر ٹکتے ہوئے وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہتا آواز کو بھیگنے سے نہیں بچا سکا، وہ کچھ نہیں بولی تھی، نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"ایسے مت کرو زینب! تم مارے ڈال رہی ہو ہمیں۔" معاذ سے اس کی خاموشی بے بس لاچار آنسو نہیں دیکھے جا رہے تھے۔

"آپ بھی بدل گئے لالہ! باقی سب کی طرح، آپ نے بھی مجھے ڈانٹا۔" وہ بھیگی بھرائی آواز میں بولی، معاذ نے اس کا ہاتھ ہونٹوں سے نرمی سے محبت سے شفقت سے چوما۔

"تم بھول گئی ہو، ورنہ تمہارے اور نجے کے جھگڑے میں، میں ہمیشہ نجے کی فیوز میں ہی بولتا رہا ہوں اور تمہیں کبھی برا نہیں لگتا تھا۔" معاذ نے جیسے اسے کچھ یاد دلایا، زینب کے چہرے پہ مضمحل مسکان بکھر گئی، جس میں درد کی آمیزش تھی۔

"حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے ہیں لالہ! جہاں باقی سب تبدیل ہو گیا، یہ تو ایک بہت بیچاری سی کیفیت تھی۔" اس کی آواز غم سے بوجھل ہوتی گئی، معاذ نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

"کچھ نہیں بدلا ہے زینی! بلکہ جو بگاڑ ہوا تھا، وہ بھی درستی کے زاویے پہ آ گیا ہے اب ہی تو وہ سب ہوا ہے جس کی خواہش تمہیں مجھے یا پھر نجے کو تھی، نجے کے کسی بھی ردعمل کو انتہا نہ سمجھو، میں جانتا ہوں، وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے، جہاں انتہا کی محبت ہو وہاں معمولی سی بھی کوتاہی برداشت نہیں ہوتی، تم سے یقیناً کچھ غلط تو ہوا ہو گا، مائی سس اپنی کوتاہی کو کھلے دل سے کھنگالو، اس کا ازالہ کرو، بس اتنی سی بات ہے۔" وہ اسے سمجھاتا رہا، زینب نے پھر چپ سادھ لی تھی، وہ اسے کیسے بتاتی، معاذ کس قدر شدید غلط فہمی کا شکار ہے، وہ جہان کو پھر ٹھیک سے سمجھا ہی نہیں تھا، جان تو وہ پائی

تھی، جس کے سامنے پورا کھلا تھا، وہ محبت کو غلطی قرار دینے والا جہان، حالات ذہن دل بدل جانے کو مضائقہ نہ قرار دینے والا جہان۔

جو اتنا عام تھا کہ زینب کا کسی اور کے پاس جانا تو برداشت کر گیا تھا، مگر اس کا سب کچھ کھو کر واپس اس کے پلو سے آ بندھنا برداشت نہیں کر سکا تھا، اپنی بے مائیگی بے قدری کی داستان وہ کیسے سناتی سب کو، اپنے آپ کو برہنہ کرنے والی بات تھی، یہی گوارا نہیں تھا اسے۔

اسے تو اس بات پہ بھی خود پہ تاؤ تھا، آخر اس نے اس طرح سے ٹمپر لوز کر کے کیوں اپنا تماشا بنوالیا، کیوں اشتہار لگا دیا، جہان جیسا بھی تھا، تیمور سے بڑھ کے تو اس پہ زندگی اجیرن نہ کی تھی۔

ہاں یہ الگ بات کہ وہ اسے یہ سمجھتی نہ تھی، تبھی تو برداشت کی حدیں ختم ہو گئیں، غم لا متناہی تھا، جو حواس سے رابطہ منقطع کر گیا۔

مگر...... جو ہوا سو ہوا، اسے اب خود پہ ضبط نہیں کھونا تھا، اسے حالات کے خلاف احتجاج نہیں کرنا تھا، اسے اپنا بھرم نہیں توڑنا تھا، جو جیسے تھا، اسے قبول کرنا تھا، بھلا قسمت سے بھی کوئی لڑ سکتا ہے، بھلا نصیب سے بڑھ کر بھی کوئی پا سکتا ہے، ایسا ممکن نہیں تھا تو پھر فائدہ، اسے صابر و شاکر رہنا تھا۔

☆☆☆

ژالے نے اس کے آگے چائے کا بھاپ اڑاتا مگ رکھتے اس کی غائب دماغی کو محسوس کیا تھا اور سرد آہ بھرتے اس کے مقابل بیٹھنے کے بعد اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں نرمی سے دبایا، جہان خفیف سا چونکا تھا اور اسے دیکھ کر جیسے جبراً مسکرا دیا۔

''اتنے کیئر لیس کیوں ہوئے جا رہے ہیں شاہ! صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا، اب کتنی دیر ہوئی آفس سے لوٹے ابھی تلک باتھ لیا ہے نا چینج کیا۔'' وہ نرمی سے ٹوک کر اس کی غفلت کا شکوہ کر رہی تھی، جہان سنبھل کر سیدھا ہوتا ہوا نرمی سے مسکرانے لگا۔

''کام کر بر ڈن ہے، شادی کے انتظامات بھی دیکھنے پڑتے ہیں، کچھ تھکاوٹ ہو جاتی ہے، تم پریشان نہیں ہو۔'' اس نے چائے کا مگ اٹھالیا تھا، سپ لیتے گویا اسے تسلی سے نوازا، ژالے اسے دیکھتی رہی۔

''زینی کے پاس نہیں گئے آپ۔'' سوال ایسا تھا جو جہان کو نظریں چرانے پہ مجبور کر گیا، اتنے میں معاذ زینب کے پاس سے اٹھ کر سیدھا اس کے پاس آ گیا تھا۔

''زینب کیسی ہے؟'' بے اختیاری کیفیت میں اس کے لبوں سے پھسل گیا تھا یہ فقرہ، جواب میں اسے معاذ کی ملامت آمیز نظریں سہنا پڑی تھیں۔

''یہ تو تمہیں خود جا کے اس سے پوچھنا چاہیے۔'' جہان خفت سے سرخ پڑ گیا تھا، کیسا بتاتا وہ کس حد تک شرمندہ تھا، اس کا سامنا ہی تو دشوار ہو گیا تھا۔

''کس سوچ میں ڈوب گئے ہو بجے! آخر کیوں گریز برت رہے ہو؟''

''میں صرف اسے سنبھلنے کا موقع دینا چاہ رہا ہوں معاذ! ڈرتا ہوں مجھے دیکھ کر وہ پھر سے اپ سیٹ نہ ہو جائے، اس روز کی کیفیت نے ہی مجھے محدود کیا ہے۔'' جہان کا اضمحلال بڑھنے لگا تھا،

معاذ کو بالآخر اس پہ رحم آ گیا، نرمی سے اس کا کاندھا تھپکتا ہوا وہ گہرا سانس بھر کے بولا تھا۔
''یہ گریز بھی نقصان کا موجب ہے جے! وہ منتظر ہے تمہاری، میں تو سمجھتا ہوں اس وقت اسے سب سے زیادہ ضرورت ہی تمہاری ہے۔'' معاذ کی بات پہ جہان نے چونک کر اسے دیکھا تھا، ایک دم سے اس کی آنکھوں کی بجھی چمک لوٹ آئی ہو جیسے۔
''تم سچ کہہ رہے ہو؟'' اس کی آواز میں زندگی کا احساس اتر آیا، معاذ نے محض سر کو اثبات میں ہلایا۔
''میں تو خائف تھا وہ بہت خفا ہو گی مجھ سے۔''
''ناراضگی جتنی بھی گہری ہو، محبت و توجہ ہی اس کی کاٹ کرتی ہے، اگر رزلٹ نہ ملے تو مقدار بڑھاتے جاؤ۔'' معاذ کا متبسم لہجہ حوصلہ افزا تھا، جہان کا چہرہ روشن ہو کر دمکنے لگا، امڈتی مسکان کو اس نے دانتوں کے نیچے لب دبا کر کنٹرول کیا تھا۔
''ہوا کیا تھا تم دونوں کے بیچ؟ جے مجھے لگ رہا ہے اس بار زیادتی زینب کی نہیں تمہاری جانب سے ہوئی ہے، ہے ناں؟'' جہان نے دیکھا انجان سی بے چینی کا اضطراب معاذ کو مضمحل کر رہا تھا، اس نے گہرا متاسفانہ سانس بھر کے اعتراف جرم کیا۔
''ہاں...... میں شرمندہ ہوں، اسے ذرا سا سبق سکھانے میں یہ اہم بات فراموش کر گیا تھا، اس نے میرا صرف ایک روپ دیکھا ہے، محبتوں کا مہربانیوں کا، اس کے برعکس رویہ وہ کم از کم مجھ سے برداشت نہیں کر سکے گی، مگر اب...... اب ایسا نہیں ہو گا یار، کیا مجھے تمہیں یہ یقین دلانا پڑے گا کہ زینب اگر کسی کو سب سے زیادہ پیاری اور عزیز ہے اس دنیا میں تو وہ جہان کے علاوہ دوسرا کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔'' اس کا مضبوط لہجہ بے حد رسان سموئے ہوئے تھا، معاذ نے اس کا کاندھا تھپتھپایا اور مسکرایا تھا۔
''اس یقین دہانی کی ضرورت یہاں نہیں، وہاں ہے۔'' اس نے ہاتھ سے زینب کے کمرے کی جانب اشارہ کیا تھا، پھر مزید گویا ہوا۔
''اور اللہ نے چاہا تو میں بہت جلد زینب کا مطمئن مسکراتا ہوا چہرہ دیکھوں گا۔''
''انشاء اللہ۔'' جہان پہلی بار اس دوران کھل کر مسکرایا تھا، معاذ کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا تھا، پھر جیسے سارا گریز بھلا کر زینب کے کمرے کی جانب آ گیا، واقعی...... مزید تاخیر مناسب نہیں تھی، بلکہ نقصان دہ تھی، اس نے یونہی بند ہوئے دروازے کو دھکیلا تو وہ ہلکی آواز سے کھلتا چلا گیا تھا، زینب سامنے ہی بستر پہ دراز تھی، زرد رنگت اور جسم میں آدھی بھی نہیں رہ گئی تھی، جہان کے دل کو دھکا سا لگا، یہ کیا کر دیا تھا اس نے، وہ اپنی جگہ پہ کھڑا رہ گیا۔
''پرنیاں...... بہت دیر سے آئی ہو، کب سے انتظار کر رہی تھی، مجھ میں تو ہلنے کی بھی تاب نہیں، یہ اے سی بند کر دو اور کمبل اوڑھا دو مجھے، ٹھنڈ لگ رہی ہے۔'' وہ کروٹ لئے چہرہ دوسری جانب پھیرے ہوئے تھی، یونہی آنکھیں موندے پڑی رہی تھی، آہٹ پہ پرنیاں سمجھ کر نڈھال نحیف سی آواز میں کہہ رہی تھی، جہان کا دکھ سے لبریز دل کچھ اور بوجھل ہونے لگا، کچھ کہے بغیر اس نے پہلے اسے سی بند کیا، پھر کمبل کھول کر اسے اوڑھانے لگا۔

''پلیز سر بھی دبا دو، بہت درد ہو رہا ہے، جیسے پھٹ جائے گا۔'' وہ پھر بولی تھی، آنکھیں ہنوز بند تھیں، مگر آواز جیسے ڈوب رہی تھی، جہان کے دکھ کا اس پل اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا، اس کی نظریں ایک لمحے کو بھی زینب کے چہرے سے نہیں ہٹ رہی تھیں، جس پہ صدیوں کی مسافت کا دکھ رقم تھا۔

''فاطمہ اگر سو نہیں رہی تو کچھ دیر کو میرے پاس چھوڑ دینا۔'' جہان اس کے پہلو میں ٹک گیا تھا، بہت نرمی سے اس نے زینب کی سرد پیشانی پہ اپنی ہتھیلی کا دباؤ ڈالنا شروع کیا تھا تو انداز میں اگر توجہ و محبت تھی تو اضمحلال اور تھکن بھی بڑھتی جا رہی تھی، اس کے سارے الفاظ جیسے کھو گئے تھے زینب کی حالت دیکھ کر، اس کو سب کچھ بھول گیا اس کے سوا۔

''تم کہتی تھیں جے ضرور آئیں گے، انہیں مجھ سے آج بھی محبت ہے میں بھی اسی خوش فہمی کا شکار تھی، مگر انہوں نے میری طرح، میری ہر آس کو بھی مار ڈالا ہے۔'' وہ بے اختیار آنسو بہانے لگی، جہان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، جسم میں جیسے کسی نے بارود بھر دیا تھا، تمام صلاحیتیں اس پل بے کار ہو گئیں، وہ ساکن پتھرایا ہوا وہیں اسی زاویے پہ بیٹھا رہ گیا، جبکہ ایک کے بعد دوسرا دکھ بہتی اس کی جانب سے ڈھارس، دلجوئی کی منتظر زینب اس خاموشی پہ جھنجلا گئی تھی، جبھی کسی قدر ناراضگی سے کروٹ بدل کر آنکھیں کھول دیں۔

''تم کچھ بولتی کیوں نہیں ہو پر......'' معا پرنیاں کی بجائے جہان کو روبرو پا کے اسے صحیح معنوں میں زمین آسمان اپنی نظروں میں گھومتا محسوس ہوا تھا، رنگت یکدم بالکل فق ہو گئی، اس نے یوں آنکھیں جھپکیں جیسے بصارت پہ کوئی شبہ ہو، بے بسی، شرم، گھبراہٹ، خفت و خجالت کے شدید ترین احساس نے لمحوں میں اسے جھلسا کر رکھ دیا تھا، ایک بار پھر وہ حماقت کی حد سے گزر گئی تھی، اسی کٹھور بے حس سفاک شخص کے سامنے انجانے میں خود کو عیاں کرتی وہ جیسے خود کو ذلت کی گہرائیوں میں گرتا محسوس کر رہی تھی، اس کی آنکھوں میں بے بسی کی نمی اتری تھی جبکہ پیشانی جیسے جھلس رہی تھی، اس کا سکتہ ٹوٹا تو وجود میں غضب کا احتجاج ابھر آیا، وہ تڑپ کر بے اختیار بستر سے نیچے اتری۔

''زینب......!'' جہان نے بے قراری سے اسے مخاطب کیا، وہ پھر بھی نہیں رکی، یونہی متغیر چہرے کے ساتھ گرتی پڑتی واش روم میں جا کر بند ہو گئی، جہان سرعت سے اس کے پیچھے لپکا۔

''زینی...... زینب پلیز۔'' دروازہ کھٹکھٹاتے وہ اسے پاگلوں کی طرح آوازیں دیتا رہا، مگر اندر سے اس کی سسکیوں آہوں اور کراہوں کے علاوہ کوئی آواز نہیں آئی تھی، جہان اسی قدر بے چین ہوا جا رہا تھا، اس حد تک مضمحل ہوا جاتا تھا۔

''پلیز زینب! ایسے مت کرو، یوں سزا نہ دو مجھے، ایک موقع تو دو پلیز۔'' وہ عاجزانہ انداز میں منتوں سے اسے قائل کرتا رہا۔

''زینب......!'' وہ جیسے کراہا تھا، وہ اور شدتوں سے رونے لگی۔

''چلے جائیں، مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی، میرا آپ کا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔'' وہ بلک رہی تھی، تڑپ رہی تھی، جہان نے اور وحشت میں گھرتے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''زینب پلیز زینب!'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا، دروازہ توڑ ڈالے۔

''چلے جاؤ میری بے بسی کا تماشا دیکھنا چاہتے ہیں؟'' وہ روتے روتے چیخی۔
''نہیں...... بخدا نہیں، باہر تو آؤ زینی!'' وہ گڑگڑانے سا لگا۔
''نہیں آؤں گی، چاہے ساری عمر یہاں بیٹھ کر انتظار کریں، میں ساری زندگی دروازہ نہیں کھولوں گی۔'' وہ پھر ہیجان میں مبتلا ہو کر چلائی، جہان ڈر سا گیا، کہیں وہ خود کو پھر کوئی نقصان نہ پہنچا لے، وہ چپ ہو گیا، وہ تھک گیا، مگر زینب رونے سے چپ نہیں ہوئی، اس کی سسکیاں جہان کے دل میں شگاف ڈال رہی تھیں، وہ دو گھنٹے وہاں اس آس کے ساتھ بیٹھا رہا، آخر وہ باہر تو آئے گی، زینب نے دو گھنٹے ہی دروازہ نہیں کھولا، جہان اس کے کمرے سے نکلا تو جیسے مکمل طور پہ ہارا ہوا تھا، مکمل طور پہ مایوس، ژالے نے اس طویل خاموشی پہ اس کا ہاتھ ہلایا تھا، گویا اسے چونکایا، وہ واقعی چونک گیا۔
''وہ بہت خفا ہے مجھ سے ژالے! بات بھی نہیں سن رہی۔'' جہان کا لہجہ مدھم تھا، ژالے کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیلیں، مگر اگلے لمحے وہ سر جھٹک کر نرمی سے مسکرا دی تھی۔
''جہاں جتنی زیادہ محبت ہوگی، مان جتنا پختہ ہوگا، بھروسہ جتنا مضبوط ہوگا شاہ! وہاں دکھ کی شدت کا گراف بھی اسی قدر گہرا ہوگا، زینی آپی کو شاک بھی بہت گہرا لگا ہے ناں، شاید ان کا بھروسہ ٹوٹ گیا ہے، وہ بہت یاسیت میں مبتلا ہیں، آپ کہیں تو آپ کی پوزیشن میں کلیئر کرنے کی کوشش کروں......؟''
نرم نگاہوں سے اسے دیکھتی وہ اس کی الجھن ختم کرنے میں کوشاں تھی، ہمیشہ اس کی فکر میں مبتلا، اس کے لئے آسانی سوچنے والی، اس پہ تمام توجہ کے ارتکاز مرکوز کیے وہ بھی بیوی تھی، وہ بھی اس کی ملکیت کی دعوے دار تھی، مگر رویئے میں انداز میں ایسی عاجزی وانکساری تھی کہ جہان کو اس پہ پیار آنے لگتا تھا، وہ ایسی مہربان گھنیری چھایا تھی جس کے پاس آتے ہی جہان کو دنیا کے سب غم بھولنے لگتے تھے، اس وقت بھی اسے اس پہ پیار آنے لگا۔
''نہیں، یہ مناسب نہیں ہے، وہ تمہارے ساتھ مس بی ہیو کرے، مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔'' جہان نے منع کرتے ہوئے اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا تھا، ژالے اس کے پہلو میں اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی، پھر مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا تھا۔
''آپ کو پھر میری صلاحیتوں کا اندازہ ہی نہیں ہے جناب، زینی آپی سے میری بہت دوستی ہو گئی ہے، ہر روز میں ان کے پاس جا کر بیٹھتی ہوں، فاطمہ کو میں ہی سنبھال رہی ہوں، آپی ہرگز بھی مجھ سے خفا نہیں ہیں، بلکہ ممنون و مشکور ہیں میری، مجھ سے بہت اچھے انداز میں بات کرتی ہیں۔'' وہ بڑے تفاخر سے بتا رہی تھی، جہان آہستگی سے مسکرا دیا، اپنا بازو اس کے شانے پہ دراز کیا تھا اور اپنے ساتھ لگا لیا۔
''صد شکر...... ورنہ میں تو سمجھا محترمہ تمہیں بھی میری بیوی ہونے کی سزا دے رہی ہوگی۔'' وہ ذرا سا شریر ہوا، ژالے نے البتہ برا مانتے ہوئے منہ لٹکا لیا تھا۔
''ایسی بھی کوئی بات نہیں، آپی بہت اچھی ہیں، کسی کی سزا کسی کو نہیں دیتیں ہیں۔'' وہ جیسے اس کی تصحیح کر رہی تھی، جہان نے کاندھے اچکا دیئے۔

''او کے میم! گستاخی ہو گئی ہو آپ کی آپی صاحبہ کی شان میں تو بندہ مجرم ہے معاف فرما دیں۔'' اس کی شرارت مزید بڑھی، ژالے جھینپ سی گئی۔

''تو میں آپ کی سفارش کر دوں؟ دراصل میں چاہتی ہوں زینی آپی بھی سب کے ساتھ نارمل زندگی گزاریں۔'' ژالے کے لہجے میں تشنگی تھی، جہان نے محسوس کیا پھر اس کا گال نرمی سے سہلانے لگا۔

''ایسا ہی ہوگا میری جان! وہ ضرور نارمل ہو گی، مگر تم کچھ نہ کہنا، کجا وہ سمجھے میں نے سفارش کروائی ہے، اس کا دل تم سے بھی برا ہو، مجھے نہیں پسند، اپنا بھگتان میں خود بھگت لوں گا۔'' وہ ایک بار پھر سنجیدہ ہو چکا تھا، ژالے نے گہرا سانس بھر کے سر ہلا دیا، وہ مزید کچھ نہیں بولی۔

وہ دعا کر رہی تھی، یہ سارا اپ سیٹ جلدی سے درست ہو جائے، زینب کا دکھ اسے اپنا دکھ لگتا تھا۔

☆☆☆

بتاؤ کیا لکھوں تم کو
کہ لفظوں کا چناؤ بھی
بڑا دشوار ہوتا ہے
جو تم کو جان لکھتے ہیں.
وفا میں خوب روتی ہیں
کہ تم اپنے ہی قاتل کو
اپنی جان لکھتے ہو......؟
جاں کہتے ہو اس کو
کبھی ایمان لکھتے ہو
یہ تم اچھا نہیں کرتے
تو پھر یہ سوچتے ہیں ہم
تمہیں اک سوگ لکھتے ہیں
کوئی مستقل سا روگ لکھتے ہیں
سوگ کو منانے میں
روگ کو بھلانے میں
عمریں بیت جاتی ہیں

وہ دھیرے دھیرے نارمل ہو رہی تھی، شادی کے دن بھی قریب تر آ چکے تھے، مصروفیات بڑھ رہی تھیں، اس کے باوجود سب کی محبتیں، سب کی توجہ نے اسے پھر سے جینے کا آسرا دے دیا تھا، پہلے وہ بستر سے اٹھی تھی، پھر گھر میں چلنے پھرنے لگی، اس کے بعد گھر کے کاموں شادی کی تیاریوں میں بھی ہاتھ بٹانے لگی تھی، جو ایک مستقل احتیاط تھی، وہ جہان سے بچاؤ کی ہی تھی، اس نے طے کیا تھا، خود سے عہد باندھ لیا تھا، وہ اسے مزید اپنی زندگی برباد کرنے کی اجازت نہیں دے گی، وہ اسے

اپنی زندگی میں مزید دخل نہیں دینے دے گی، اپنا سیل فون اس نے مستقل آف کر کے دراز میں مقفل کر دیا تھا، لینڈ لائن پہ کوئی کال ریسیو کرنے پہ اس نے خود اپنے اوپر پابندی لگا لی تھی، زندگی اک جہان کی کمی کے بغیر بہت گہری کمی کے بغیر بھی اچھی بھلی گزر رہی تھی، رات کو وہ اپنا دروازہ اندر سے مقفل کر لیا کرتی۔

گو کہ جہان پھر نہیں آیا تھا، مگر اسے دھڑکا ضرور تھا، ناشتے کھانے پہ وہ دانستہ نہیں شامل ہوتی، اس احتیاط کے باوجود جہان سے بچاؤ ممکن نہیں تھا، ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے یہ ممکن ہو بھی نہیں سکتا تھا، مگر وہ ایسے سموں خود پہ نظریں اٹھانا اسے دیکھنا حرام قرار دے دیتی، اس کے باوجود کہ جہان کی نظروں کی لپک اسے صاف محسوس ہوا کرتی، مگر وہ بے حس بن گئی تھی، ایسے حالات میں اگر وہ اپنے وجود میں اس شخص کی اولاد کا پلنا محسوس کر رہی تھی تو زمین اس کے قدموں تلے سے کیسے نہ سرکتی، اس کی بدلتی کیفیت اور بگڑتی طبیعت اس کے شک کو تقویت دے گئی تو زینب ایک بار پھر ٹوٹ کر روئی تھی، ایک مرتبہ پہلے وہ اسی حالت سے گزر چکی تھی، شک کی گنجائش تو باقی ہی نہیں تھی، مگر جہان کے ساتھ جب اس کا ذہنی وقلبی وجسمانی تعلق اس نہج پہ تھا، اس بچے کی آمد کی خبر نے ایسے اذیتوں کے سمندروں میں پھینک دیا تھا، وہ اتنی اپ سیٹ ہو چکی تھی کہ کسی کو بھی بتانے کا حوصلہ نہیں کر سکی، ابھی اسے اس امر پہ سوچنا تھا، آیا اس بچے کو دنیا میں آنا بھی چاہیے تھا یا نہیں۔

''زینی آپی......!'' وہ اپنے خیالات میں گم تھی، ژالے کی آواز پہ چونک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تیار ہو جائیں، ہمیں شاپنگ کے لئے جانا ہے، میں نے فاطمہ کو تیار بھی کر لیا ہے، آپ کے بھی کپڑے استری کر دوں؟'' آتشی گلابی خوب صورت لباس میں وہ نکھری نکھری شفاف سی بے حد دلربا لگ رہی تھی، زینب نے سر کو نفی میں ہلا دیا۔

''نہیں، ضرورت نہیں ہے، میرے پاس ہے ہر چیز، مما کے علاوہ لالہ اور زیاد بھائی بھی لے آتے تھے بہت کچھ، کافی ہے۔'' اس نے نرمی سے ٹوک دیا تھا، ژالے کا چہرہ اتر سا گیا۔

''لیکن میں چاہتی ہوں آپ ہمارے ساتھ چلیں، شاہ منتظر ہیں ہمارے۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ کر عاجزی سے گویا ہوئی، انداز قائل کرنے والا تھا، زینب کو اس کی اچھائی اس کی محبت کا شدت سے احساس ہوا تھا، کیا تھی وہ نازک سی لڑکی، کوئی فرشتہ معلوم ہوتی تھی، اتنا خوبصورت دل اس نے آج تک کسی کا نہیں دیکھا تھا۔

''ژالے......! تم فاطمہ کو لے جاؤ، میں نے کہا ناں میرے پاس ہے ضروریات کی ہر شے، پلیز۔'' وہ اس کا گال نرمی سے سہلا کر کہہ رہی تھی، ژالے خاموش ہو گئی، اصرار بڑھا کر وہ زینب کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی، جبھی بے دلی سے اٹھ گئی، جہان نے اسے تنہا آتے دیکھا تو سرد آہ بھرتا نگاہ کا زاویہ بدل گیا تھا، نہ اس نے کوئی سوال کیا، نہ ژالے نے کچھ بتایا، گاڑی کے ماحول میں فاطمہ کی کلکاریاں ہی گونجتی رہیں، شاپنگ کے دوران بھی دونوں اسی کیفیت کا شکار رہے تھے، ژالے نے ہر شے اپنے برابر زینب کے لئے بھی خریدی تھی، جہان نے پھر بھی ایک بہت خوبصورت جوڑا اس کے لئے خرید کر ژالے کے حوالے کر دیا تھا۔

''اپنی طرف سے دنیا اسے، میرا نام لو گی تو خدشہ ہے باہر نہ دے مارے۔'' وہ مضمحل سا مسکرایا تھا، ثرالے آہستگی سے ہنس دی۔

''دل تو کر رہا ہے، آپ کا نام لے دوں، پھر دیکھ لیں گے کیا ہوتا ہے۔'' وہ شرارت سے بولی تھی، جہان اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

لب تشنگی کی مانند
شب و روز رفتہ رفتہ
مجھے زہر مل رہا ہے
تیری بے رخی سے جاناں

وہ واپس لوٹا تو بہت تھکا ہوا تھا جیسے...... ثرالے سوئی ہوئی فاطمہ کو اندر لٹانے چلی گئی تھی، وہ شاپنگ بیگ سنبھالے ہال کمرے کی جانب آ گیا کہ سب وہیں موجود ہوتے تھے، اندر داخل ہوتے ہی اس کی سب سے پہلی نگاہ زینب پہ اٹھی تھی، بری کا سوٹ پنوں کی مدد سے بہت خوبصورت انداز میں سیٹ کرتی وہ اپنے کام میں بے حد مگن نظر آ رہی تھی، تراشیدہ بالوں کی کچھ لٹیں جھکے چہرے پہ من مانی سے اٹھکیلیاں کرتی تھیں اور ہونٹ ذرا سے نیم وا تھے، دوپٹہ کاندھے کی بجائے سائیڈ پہ رکھا ہوا تھا، بھابھی پرنیاں ماریہ کے علاوہ مما اور ماما جان بھی وہیں تھیں، سب ہی مصروف بھی، زیورات اور رنگ برنگے ملبوسات کے ڈھیر سے نبرد آزما کوئی بھی اس کی جانب فی الفور متوجہ نہ تھی، وہ زینب کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہی گویا جی بھر کے اسے دیکھتا نگاہ کے رستے دل میں اتارتا رہا تھا، معاً زینب کو بہت زور کی ابکائی نے ایک دم منہ پہ ہاتھ رکھ کے اٹھنے پہ مجبور کیا تھا، وہ سب کچھ پھلانگتی تیزی سے دروازے کی جانب بھاگی تو راستے میں ایستادہ جہان سے تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا۔

جو اس صورتحال سے گڑبڑاتا نا چاہتے ہوئے بھی اپنی مصروفیات ترک کرنے پہ مجبور ہوا تھا، دونوں کی نظریں لحہ بھر کو ملی تھیں، جہان کی نظروں میں انوکھی سی چمک ابھر رہی تھی، آگہی کا احساس دلکشی کے رنگوں کے ساتھ پھیل رہا تھا، زینب کی آنکھوں میں صرف کرب تھا، دھند تھی، اگلے لمحے وہ نظریں چھڑاتی تیزی سے کترا کر باہر نکل گئی تھی، اپنے کمرے میں آ کر وہ کتنی دیر واش روم بیسن پہ جھکی رہی، مسلسل قے سے اس پہ نقاہت طاری ہو چکی تھی، کمرے میں آ کر جبھی وہ نڈھال انداز میں بستر پہ ڈھے گئی تو ایک نئی تشویش اسے لاحق ہو چکی تھی، جہان پہ ہی نہیں یقیناً یہ بات اب سب پہ کھل گئی تھی، اس کی نم آنکھیں چھلکنے کے بے تاب ہونے لگیں، بوجھل دل سے گھبراہٹ کا شکار ہوتا چلا گیا۔

''بجو...... مما بلا رہی ہیں آپ کو۔'' ماریہ کی آواز پہ اس نے نا چاہتے ہوئے بھی تھکے ہوئے انداز میں آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''کچھ ٹھہر کے آؤں گی ماریہ! چند سوٹ رہ گئے تھے، بھابھی اور پری کر لیں گی۔'' اس پہ طاری متلی کی کیفیت ابھی بھی قائم تھی، وہ ہرگز ایسی کیفیت کے ساتھ باہر جانے کے حق میں نہیں تھی۔

''بیٹے میں کام کی خاطر تھوڑا ابلا رہی تھی آپ کو۔'' مما خود وہاں چلی آئیں تھیں، زینب کو اٹھ کر بیٹھنا پڑا۔

''تیار ہو جاؤ، ڈاکٹر کے پاس جانا ہے آپ کو جہان کے ساتھ۔'' مما نے بیڈ کی پائتی ٹکتے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا تھا، زینب ایک دم سے گھبرا گئی۔

''ک...... کیوں؟ مجھے بھلا کیا ہوا ہے؟'' وہ سخت جز بز ہوئی تھی گویا، مما آہستگی و رواداری سے مسکرا دیں۔

''ابھی تو ہمارا شک ہی ہے، خوشی کی خبر کا کنفرم تو وہیں سے ہوگا ناں۔'' ان کے لہجے میں خوشی واطمینان کا ایسا گہرا احساس تھا جس نے زینب کے ہونٹوں پہ قفل ڈال دیئے، وہ ہونٹ بھینچے نظریں چرائی ایک دم خاموش ہو کر رہ گئی۔

''چلو نا بیٹے!'' انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر لجاجت سے اصرار کیا تھا، وہ کوفت بھری جھنجھلاہٹ اور خفگی سے لبریز ہوتی عاجز نظر آنے لگی۔

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے مما، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں کہیں نہیں جا رہی ہوں۔'' تنفر سے کہتی وہ یکدم بے حد روڈ نظر آنے لگی، جہان کا نام سن کر ہی اس کے وجود میں جوار بھاٹے اٹھنے لگے تھے، وہ کیوں اس کے ساتھ جاتی، اس کے ساتھ کا تعلق ہی کیا تھا۔

''بیٹے ضد نہیں کرتے، گنجائش ہمیشہ باقی چھوڑنی چاہیے، تاکہ غلط فہمیاں دور ہوں، فاصلے مٹ سکیں، جہان کو اگر آپ موقع نہیں دو گی تو کیسے وہ کچھ بھی ثابت کر سکے گا اور رشتے اتنے کمزور نہیں ہوتے کہ انہیں یوں کچے دھاگے سمجھ کر توڑ دیا جائے، بچہ اس آزمائش میں مبتلا گھلتا جا رہا ہے جتنی بڑی ذمہ داری اس پہ عائد ہوئی ہے، وہ اسے اٹھا لے یہی بہت ہے، اس کے راستے دشوار نہ کرو، میاں بیوی میں لڑائی جھگڑے بھی ہوا ہی کرتے ہیں، بسا اوقات غلط فہمیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں، یہ رشتہ ان جھگڑوں سے مضبوط بھی ہوتا ہے، تقویت بھی پکڑتا ہے، میری بیٹی اتنی اچھی ہے کہ اپنے گھر کی بنیادیں مضبوط بنانا چاہتی ہے، کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں میں؟''

کتنی آس بھی ان کی آنکھوں میں، چہرے پہ کتنا مان تھا اپنی بات کے رد نہ ہونے کا، زینب انہیں دیکھتی رہ گئی، اس میں واقعی اتنا حوصلہ نہیں تھا یہاں ان کا دل توڑ دے، ان کے مان کو سلامت نہ رکھے، ان کے حوصلوں کو مسمار کر دے، وہ ایسی بیٹی کی ماں تھیں جس کا گھر ایک مرتبہ ٹوٹ چکا تھا، جو ایک بار پہلے بھی برباد ہو چکی تھی، اگر حالات دوسری مرتبہ پھر اسی نہج پہ پہنچ جاتے تھے تو پھر ان کے دل کی حالت کیا ہو سکتی تھی، یہ ابھی ان کی آنکھوں میں گھات لگا کر بیٹھے خوف کو پا کر ہی تو اسے اندازہ ہو پایا تھا، وہ یکدم ہی گم صم ہو کر رہ گئی تھی، اک طرف اپنا دل تھا، جس میں بدگمانی تھی غصہ تھا اک طرف ماں کا دل تھا، جس میں اس کی آبادی خوشحالی اور اطمینان کی خواہش تھی، وہ ان کا دل کیسے توڑ سکتی تھی محض سر کو اثبات میں ہلا دیا، اس پل اس نے اپنے دل اپنی انا کے خون سے نظریں چرائی تھیں، مما کا چہرہ ایکدم جگمگا اٹھا، خوشی سے نہال ہوتے انہوں نے ایک پیشانی چوم کر ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا اور مسکراتی ہوئیں اٹھ کر باہر آ گئیں، ان کا رخ جہان کے کمرے کی جانب تھا کہ اس سے کچھ کہنے سے قبل انہوں نے زینب کو قائل کرنا مناسب سمجھا تھا،

کہاوہ انکار کرتی تو انہیں جہان کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑتی۔

''جہان بیٹے!'' دستک دے کر انہوں نے اندر ذرا سا جھانکا، جہان غالباً باتھ لے کر نکلا تھا، ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے آگے کھڑا بال سنوار رہا تھا، انہیں دیکھ کر ایک دم چونک گیا۔

''چچی جان آیئے ناں۔'' وہ صرف مودب نہیں ہوا، قدرے پریشان بھی نظر آنے لگا، مما کبھی بھی بلا وجہ بغیر ضرورت کے اس کے کمرے میں نہیں آیا کرتی تھیں، اس کو سب سے پہلے زینب کی جانب سے ہی دھڑکا لگا تھا، مما مسکراتے ہوئے اس کے نزدیک آ گئیں، جہان کے دل کو ان کی مسکراہٹ نے ذرا سا سنبھالا ملا۔

''آپ مصروف تو نہیں ہو، آئی مین تھکے ہوئے؟'' اس قسم کے سوالوں نے جہان کو حیرانی کی زد پہ آ گیا تھا، پھر خود کو سنبھال کر سر کو نفی میں بے اختیار ہلایا۔

''ہرگز بھی نہیں چچی جان، آپ حکم کیجئے۔'' نرم مسکان سمت وہ اس مودب انداز میں بولا۔

''زینب کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا، میں کئی دنوں سے اسے سست محسوس کر رہی ہوں۔'' جہان کی تمام حسیاست یکبارگی ساکت ہو کر رہ گئیں، وہ چونک کر پر تشویش نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا اسے؟ خیریت؟'' سوال عام سے تھے، مگر وہ یکدم جس طرح مضطرب نظر آنے لگا تھا، اسی انداز نے مما کو تقویت دی تھی۔

''الحمدللہ، بالکل خیریت ہے بیٹے، آپ کے لئے پریشانی کی نہیں اللہ نے چاہا تو خوشی کی خبر ہو گی، مجھے لگتا ہے زینب پریگنٹ ہے تو چیک اپ کرانا چاہ رہی تھی۔'' مما کی بات پہ جہان پہلے حیران ہوا تھا، پھر اسی قدر تمتماہٹ اس کی وجیہہ چہرے پہ بکھرتی چلی گئی تھی، وہ ایک دم کسی نوخیز لڑکے کی طرح جھینپ کر سرخ پڑتا بے اختیار چہرہ جھکا گیا تھا، مما نے دلچسپی و محبت کے ساتھ اس کے تاثرات دیکھتے اسے دعاؤں سے نوازا تو وہ مزید جھینپتا ہوا ان سے لپٹ کر آہستگی سے ہنس دیا تھا۔

''اگر یہ سچ ہوا چچی جان تو یہ دن میرے لئے بہت خاص ثابت ہو گا۔'' وہ پوری سچائی سے ان سے اپنی کیفیات شیئر کر گیا تھا، مما بے اختیار ہنس دی تھیں۔

''اچھا، ویسے یہ بات میری بجائے تمہیں اس بدگمان لڑکی کو بتانی چاہیے تھی، شاید کچھ برف پگھل جاتی۔'' انہوں نے گویا اسے راہ دکھلائی تھی، وہ یونہی ہنستا مسکراتا ان سے الگ ہو کر جل سا سر کھجانے لگا۔

''اس سے بھی زیادہ اچھی باتیں اسے بتانے کو اکٹھی کر رکھی ہیں، بس وہ ہاتھ نہیں لگتی تھی، آپ کی اس ہیلپ کے لئے تھینکس کہوں گا۔'' وہ ان کے ہاتھ پہ بوسہ ثبت کرتے ہوئے جھکا، مما اسے دیکھتی رہ گئیں، جہان کا یہ روپ تو زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا انہوں نے، انہیں جتنی بھی تقویت ہوئی، انہیں زینب کی خوش بختی پہ ہرگز کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔

(خدا بہت مہربان ہے میرے بیٹے، میں آج اپنی ہر خواہش کی تکمیل ہوتی دیکھ رہی ہوں تو یہ میرے رب کا ہی کرم ہے، ایسا سب کچھ اس وقت ہوا ہے جب ہم سب سرے سے مایوس بھی ہو

چکے تھے، بیشک اللہ بہت مہربان ہے، بس ہم انسان ہی ناشکرے جلد باز اور احسان فراموش ہیں، اس شکر کے موقع پہ ژالے کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، خدا اس بچی کو ہمیشہ زینب سے بھی بڑھ کر نوازتا رہے کہ اس سارے اطمینان میں اس کے ایثار صبر اور قربانی کا بہت بڑا حصہ ہے۔)

''تم چائے پی لو تو پھر لے جانا زینب کو، کہہ دیا تھا اسے میں نے، تیار ہو گئی ہو گی وہ۔'' مما نے اٹھتے ہوئے کہا تو جہان بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

''اگر وہ تیار ہو گئی ہے تو پھر میں چلتا ہوں، انتظار ملکہ عالیہ کی طبع نازک پہ گراں گزر سکتا ہے، بہتر ہے ایسی شکایت کا موقع نہ دیا جائے۔'' کارنس سے گاڑی کی چابی اور اپنا فون اٹھاتے ہوئے وہ کوٹ پہن چکا تھا، شریر انداز میں کہتا انہیں اپنا ہمنوا بنا رہا تھا، مما آہستگی سے پھر ہنس دیں۔

''جیتے رہو، یونہی ہمیشہ خوش شاد آباد، آمین، بیٹے ایک بات کبھی نہ بھولنا، زینب اور ژالے، دونوں کے حقوق یکساں ہیں، یہ بہت دشوار راستہ ہے اور آپ کو بہت سنبھل کر چلنا ہے، زینب کے ساتھ اگر کبھی اونچ نیچ ہو جائے تو میں برداشت کر لوں گی، لیکن اگر کبھی ژالے کے ساتھ ایسا ہوا تو کبھی نہیں سہہ سکوں گی، وہ بہت پیاری بچی ہے، اس کا دل آبگینے سے بھی زیادہ نازک اور قیمتی ہے، ہمیشہ اس کے معاملے میں بہت حساس رہنا۔'' انہوں نے جیسے نصیحت ضروری خیال کی تھی، جہان نے مسکراتے ہوئے ان کے ہاتھ ڈھارس کے انداز میں تھام لئے تھے۔

''خدا کی مدد آپ کی دعاؤں سے میں ہمیشہ اس اہم معاملے کا بہت خیال رکھوں گا چچی جان! انشاء اللہ زینب کو اس لئے دکھ نہیں دینا چاہوں گا کبھی میں کہ اس کی شدید خفگی نہیں سہہ سکتا، جبکہ ژالے کو کبھی ٹھیس اس لئے نہیں لگنے دے سکتا کہ وہ اپنی تکلیف کا احساس مجھ تک نہیں پہنچنے دے گی، یہ خیال مجھے اس کی جانب سے زیادہ حساس اور محتاط رکھے گا۔''

جواب ایسا تھا جس نے مما کو صرف مطمئن نہیں کیا، سرشار بھی کر دیا تھا، انہوں نے نہال ہوتے اس کی پیشانی چوم کر دعاؤں سے نوازا تھا، جہان مزید ہلکا پھلکا ہو گیا تھا گویا۔

☆☆☆

کیا جانیں کس دھیان میں رہے ہیں تمام عمر
ہم سے وہ بدگمان رہے ہیں تمام عمر
ظلم و ستم جو رو جفا ان کی عنایتیں
ہم پہ یوں مہربان رہے ہیں وہ تمام عمر
ہم ان کو اپنے خواب کی تعبیر جان کر
کس درجہ خوش گمان رہے ہیں تمام عمر
ان کو کسی طرح کبھی قائل نہ کر سکے
ویسے وہ میری جان رہے ہیں تمام عمر

جس پل خفا خفا سی بے زار زینب مما کے ہمراہ پورٹیکو میں پہنچی، جہان پہلے سے گاڑی کا دروازہ کھولے منتظر تھا، چادر میں لپٹی زینب کو اس نے بہت محتاط نگاہوں سے اچھی طرح دیکھا تھا، آف وائیٹ بہت خوبصورت لباس پر میرون فینسی چادر نما دوپٹہ اس کی جاذبیت بھری دلکشی کو پوری

طرح اجاگر کر رہا تھا، اسے ساری کوفت جو پچھلے دنوں اس کے ساتھ لگی تھی تمام خفگی ڈھلتی ہوئی محسوس ہوئی، اس لڑکی نے اپنی شدتیں اس پہ عیاں کر کے اسے بھی پاگل کر دیا تھا گویا، مما کی موجودگی کے باعث زینب کو ناچار فرنٹ سیٹ پہ اس کے برابر بیٹھنا پڑا تھا، ورنہ تاثرات صاف کہہ رہے تھے وہ ہرگز ایسا ارادہ نہیں رکھتی، جہان کے اندر اس کے اس لحاظ و مروت پہ ڈھیروں اطمینان اتر آیا، دروازہ بند کر کے وہ ڈرائیونگ سیٹ پہ آ گیا تو مما کو ہاتھ ہلا کر مسکرایا تھا۔

''طبیعت کچھ بہتر ہوئی ہے تمہاری؟'' وہ ایسے صلح جو دوستانہ انداز میں سوال کر رہا تھا گویا بیچ میں ستم ظریفی کی حد ہی نہ کی ہو، گاڑی گیٹ سے نکالتے وہ کتنا مطمئن سا پوچھ رہا تھا، زینب کو وہ زہر سے زیادہ برا دوغلا اور منافق لگا۔

''فاطمہ کو بھی لے لیا ہوتا، باہر نکل کر بہت چہکتی ہے ہمیشہ۔'' اس کی سلگتی نظروں اور خاموشی کو خاطر میں لائے بغیر وہ اسی اطمینان سے اس سہولت سے دوسری بات شروع کر چکا تھا، زینب کا خون دماغ کی جانب ٹھوکریں مارتا اس کا ضبط ختم کرنے لگا۔

''زینب تم......''

''شٹ اپ، چپ ہو جائیں، مت کریں مجھ سے باتیں یہ فارملیٹیز نبھانے کی آخر مجبوری بھی کیا ہے؟'' وہ بالآخر چیخ پڑی، حد تھی یعنی بے حسی خود غرضی کی بھی اس کے خیال میں، اس کے نزدیک وہ کھلونا تھی، جسے جب جاہا وہ اٹھا تا کھیلتا، جب دل بھر جاتا پھینکتا یا توڑ پھوڑ دیتا، یہ رویہ گوارا نہیں تھا اسے، وہ اسے بتا سکتی تھی، وہ اس کے اشاروں پہ نہیں ناچ سکتی، جہان خاموش رہا، یعنی اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا، اس نے اسے چھیڑ دیا تھا، تاکہ وہ اپنا غبار نکال سکے، پیمانہ لبریز تھا، چھلک جانے میں ہی عافیت تھی، وہ مطمئن تھا۔

''ضرورت ہی کیا تھی مما کی بات ماننے کی؟ بہتر ہوتا اتار پھینکتے فرمانبرداری وسعادت مندی کے اس چولے کو، اپنے ساتھ میری جان بھی عذاب میں ڈال رکھی ہے۔'' اس کا چہرہ بے تحاشا سرخ ہو کر دہک رہا تھا، اتنے دنوں کا غبار تھا، آسانی سے نکلنے والا کہاں تھا، جہان سنجیدہ چہرے کے ساتھ ڈرائیو کرتا رہا، زینب کو اس خاموشی نے مزید آگ لگا دی۔

''آپ جیسے بزدل مردوں سے شدید نفرت ہے مجھے، جو اپنی بزدلی کے باعث دوسروں کی زندگیاں برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔'' اس نے پھنکارنے کے انداز میں از حد تلخی و نفرت کا اظہار کیا، جہان پھر خاموش تھا، زینب کو اس نظر اندازی اس ذلت کا احساس ہوا تو آنکھیں مزید جلن سمیٹ لائیں، یعنی وہ اسے اس قابل بھی نہیں سمجھتا تھا کہ اس کی کسی بات کا ہی جواب دے دے سرعت سے امڈ آنے والے آنسوؤں کو چھپانے کی خواہش میں اس نے بے اختیار رخ پھیر لیا، پھر صرف جاتے ہوئے نہیں واپسی کے سفر میں بھی وہ روتی رہی تھی، اس کی پریگنینسی کی خبر نے جہان پہ کیا اثر چھوڑا، یہ اس کی نظر اندازی و خاموشی سے عیاں تھا، یہ ذلت کی ناقدری کی بے مائیگی کی انتہا تھی، اس کے خیال میں، کاش وہ مما کی خاطر بھی اپنی مزید سبکی کروانے نہ آئی ہوتی، اس نے تنفر سے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا تھا، اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی اگر اس کا دل جہان کے حوالے سے کوئی اچھی امید پالتا تھا تو پھر نفرین ہی تھی اس پہ۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی گئی، وہ یونہی رخ پھیرے خودترسی خوداذیتی کا شکار آنسو بہاتی رہی، چونکی اس وقت جب بہت سلیقے سے بکی گول گپوں کی ٹرے اس کے سامنے کردی گئی تھی، اس نے چونک کر ٹھٹک کر غیر یقینی میں مبتلا ہو کر ٹرے کو دیکھا تھا، متحیر نگاہ ٹرے سے ہٹ کر اس ہاتھ کی جانب اٹھی جو اس ٹرے کو تھامے ہوئے تھا، سرخ وسفید مضبوط آہنی مردانہ ہاتھ جس پہ پھیلا سیاہ رواں بے حد بھلا محسوس ہوتا تھا، اس کی ساکن منجمد غیر یقینی کی مظہر نگاہ کا سفر ہاتھ سے کلائی کلائی سے کاندھے کاندھے سے سینے تک جارکا، اس کے بعد اس نے ایک جھٹکے سے سر اونچا کر کے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا، پتانہیں کیا تھا اس کے چہرے پہ کہ زینب کا ذہن ایکدم سے بہک گیا تھا، ایک پرانی یاد کا احساس اسے جکڑ چکا تھا، بہت مضبوطی سے، یہ گرفت بہت سخت تھی، بہت تکلیف دہ بھی، جب اس نے محض سال ڈیڑھ سال قبل عین اس مقام پہ چلتی گاڑی رکوادی تھی۔

''جے......! مجھے گول گپے لے کر دیں۔'' اپنی ہی آواز کی بازگشت اس کی سماعتوں میں سرسرا رہی تھی، اس کا وجود اس کا دل آنسوؤں کے سمندروں میں تنکا بن کر ڈولتا چلا گیا۔

اگر وہ اس کی معمولی خواہش کو نہیں بھول سکا تھا، تو اپنی محبت کیوں فراموش کر گیا؟ سوال اٹھا تھا اور ہر سو تباہیاں پھیلا گیا، رنج سا رنج تھا، دکھ کا عالم ہی انوکھا تھا، اذیت کو کوئی کنارہ نہیں ملتا تھا، نقصان کا تخمینہ کیسے لگایا جاسکتا تھا۔

وہ غم کی شدتوں سے پاگل ہو اٹھی، جہان اگر اس کے معاملے میں اتنا حساس تھا تو اس کی طلب کو کیوں فراموش کر گیا؟ جس نے زینب جیسی ضدی دیوانی خبطی لڑکی کو بے آب وگیاہ صحراؤں میں وحشت زدہ بھٹکائے رکھا تھا، اس کے اندر غضب کا احتجاج امڈتے بپھرتے دریا کی مانند سر پٹختے باہر آنے تباہی مچانے کو مچلنے لگا۔

''مجھے پتا ہے، تمہیں پسند ہیں۔''

اس کی ہزار سوال اٹھاتے وحشتیں چھلکاتی آنکھوں کے سوالوں کو بس ایک معمولی سا جواب وہ بھی کتنے سکون سے، اتنے آرام سے، نہ کوئی ملامت نہ وضاحت اس کے اندر سرسراتی وحشت اور ہیجان بے انت ہوا تھا، اگلے لمحے اس نے غیض سے بپھرتے ہوئے ہاتھ مار کر ٹرے الٹادی تھی، جہان ہڑبڑا سا گیا، صد شکر وہ بچ گیا تھا۔

''کس نے کہا، اس احسان کی ضرورت ہے؟ میں تو اپنی بہت بڑی بڑی پسندوں سے خواہشوں سے دستبردار ہوچکی جہانگیر حسن صاحب، یہ معمولی خواہش میرے لئے ہرگز اہمیت نہیں رکھتیں، بہتر ہوگا آئندہ ایسی زحمت نہ کریں۔''

غیض وغضب سے کانپتی وہ لال بھبوکا چہرے کے ساتھ سلگتی نظروں سے پھنکاری، ذلت و سبکی اور کم مائیگی کے احساس نے اسے نیم دیوانہ سا کردیا تھا، مگر جہان خائف ہونے کی بجائے کاندھے اچکا کر مسکرایا پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے گویا اسے مزید طیش دلانا چاہا۔

''کس پسند اور خواہش سے دستبردار ہوئی ہو، بتانا پسند کروگی؟'' سوال ایسا تھا جو زینب کو دہکا کر رکھ گیا، جہان کی مسکان اور اطمینان بھرے انداز نے گویا صاف جتلایا تھا کہ وہ اس کی دلی کیفیت اس کی شکست سے ہرگز بے خبر نہیں ہے، ہاں وہ بے خبر نہیں تھا، یہ آگاہی بھی خود زینب نے

اپنی حرکتوں کے باعث اسے بخشی تھی، کتنی احمق تھی وہ، کس قدر پاگل اسے پالیا تھا تو سمجھی تھی اب اس کی محبت بھی حاصل کرلے گی، خام خیالی تھی، سراسر خیام خیالی، بے وقوفی تھی محض حماقت، کوئی تھا اس سے بھی بڑھ کر نادان؟ اس کا دل رو رو اٹھا اور اندر سرسراتی وحشت کا احساس دو چند ہوتا چلا گیا، کچھ دیر وہ یونہی ساکن کینہ توز نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی، پھر جیسے طیش سے بپھرتے ہوئے مشتعل انداز میں ایک دم جھپٹ کر دونوں ہاتھوں میں اس کا گریبان دبوچ لیا۔

''کیا سن کر اپنی مردانگی کو تسکین دینا چاہتے ہو، کہ..... کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں؟ اب سے نہیں، ہمیشہ..... ہمیشہ سے اور..... اور میں تمہاری منتظر رہی ہوں، بکواس تھا وہ سب، جھوٹ جھوٹ بولا تھا میں نے بھی، سنا تم نے، میں بکواس کرتی رہی تھی، میں جھوٹ بولتی رہی تھی، مجھے..... مجھے تم سے محبت نہیں، شدید نفرت ہے تم سے، تم سے بھی کہیں زیادہ، تمہاری بزدلی سے۔'' اس نے بلک کر کہا۔

''تمہاری سعادت مندی سے۔'' اس نے سسکی بھری اور اس کا گریبان جھنجوڑا۔

''تمہاری فرمانبرداری سے بھی۔'' اس نے تڑپتے ہوئے اسے پے در پے مکے مارے۔

''ان سب نے مل کر مجھے لوٹ لیا، برباد کر دیا، تمہاری منافقت نے بھی۔'' وہ ایک بار پھر حواسوں میں نہیں رہی تھی، پھوٹ پھوٹ کر بلند آواز سے روتی ہوئی زینب جیسے فریاد کر رہی تھی، تڑپ رہی تھی، بلک اور سسک رہی تھی، جہان کے لئے یہ صورتحال نے حد پریشانی اور بوکھلاہٹ کا باعث تو تھی ہی، اس کے ساتھ ساتھ اضطراب بے کلی اور وحشت میں بھی مبتلا کر رہی تھی، اس نے گھبرا کر سٹپٹا کر بپھری ہوئی موج کی مانند بے قابو زینب کو سنبھالنا چاہا، گاڑی ہنوز سڑک کے کنارے رکی ہوئی تھی، کچھ فاصلے پہ اسٹال پہ لوگ موجود تھے اور اس جانب بھی متوجہ تھے جہان کو شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

''زینی..... زینی ریلیکس، پلیز میری بات تو سنو۔'' جہان نے اسے بازوؤں میں لینا چاہا مگر وہ بے آب مچھلی کی مانند مچل کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔

''نہیں سننی، مجھے کوئی بات نہیں سننی تمہاری، تم نے سنا، مجھے تم سے شدید نفرت ہے، تم نے مجھے خود میری نظروں سے نہیں گرایا، سب کی نظروں سے گرا دیا۔'' وہ یونہی سسکتی ہوئی بلکتی ہوئی بولی تھی، جہان کے کشیدہ اعصاب مزید بے تحاشا کشیدگی سمیٹ لائے۔

(جاری ہے)

☆☆☆

ام اقصیٰ

موسم معمول سے ہٹ کے تھا، سرد برفیلی ہوائیں چہار سو چکراتی پھرتی تھی، سرما کا اختتام تو اس طرف کبھی نہ ہوا تھا مگر ان دنوں موسم اچھا ہو جاتا، نرم گلابی دھوپ دن بھر اپنی چھب دکھلاتی تو رات چاند کی کرنیں علاقے کو اپنی آغوش میں بھر لیتیں، آج دن بھر سورج کی بادلوں سے اٹھکیلیاں جاری رہی تھیں شام کے آغاز کے ساتھ ٹھنڈی ہوا نے ڈیرہ جما لیا تھا لوگوں کو آتش دان کی ضرورت پھر سے محسوس ہونے لگتی لیکن نوریہ کے لئے یادیں ہی آتش دان بن جاتیں، یادوں کے تھپیڑے اسے کسی برزخ میں لا پٹختے تھے، ابھی بھی وہ جھلسی بے چین روح بنی پورے گھر میں چکراتی پھر رہی تھی، یخ ٹھنڈے فرش پہ ننگے پاؤں لئے گھومتی پھرتی تھی، اس کے دونوں بچے ملحقہ کمرے میں پرسکون نیند سو رہے تھے۔

آہ بچپن اور بچپن کی نیند، نوریہ کا شوہر پچھلے انیس دنوں سے بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا، چلتے چلتے وہ لاؤنج کی دیوار گیر کھڑکی کے سامنے آ کھڑی ہوئی، ٹھنڈے شیشے سے سر ٹکاتے وہ یک ٹک سامنے دیکھے جا رہی تھی، دھیمے سروں میں بجتی بانسری کی آواز تھی جو اسے بے چین کر گئی، ننگے پاؤں سیڑھیاں چڑھتی نوریہ تقریباً بھاگتے ہوئے اوپر آئی تھی، ان کا گھر علاقے کے باقی تمام گھروں سے تقریباً ہٹ کے تھا سو یہاں عموماً جھینگروں کی آوازیں گونجا کرتی تھیں، تھوڑے فاصلے پہ ایک خوبصورت ارغوانی پہاڑ تھا اکثر وہ اپنے لوگوں کے ہمراہ یہاں کھدائی اور خوبصورت پتھروں کے لئے آیا کرتی تھی۔

پہاڑ کے دامن میں وہ کوئی نوجوان لڑکا تھا جو بانسری سے سر بکھیر رہا تھا، نجانے کس کی یاد میں؟ بچھڑنے والے نجانے اپنی یادیں لے جانا کیوں بھول جاتے ہیں؟ اک الاؤ تھا یادوں کا جو نوریہ کو دہکائے ہوئے تھا، آج چودھویں کی شب تھی، اگر جو چاند نکلا ہوتا تو پورا علاقہ کرنوں سے نہاتے جگمگا رہا ہوتا، ہر سو روشنی...... نوریہ گھٹائیں بھرے آسمان کو دیکھتی سوچ رہی تھی، تبھی سرسراتی ہوا نے چاند پر سے بدلی کا پردہ سرکایا، بدر مسکرایا اور چار سو جگمگاہٹیں بکھر گئیں اور اگر جو ''بدر'' اس کی زندگی میں ہوتا تو...... تو...... نوریہ بے دم ہوتی نیچے بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆

وہ آج اکیڈمی سے ذرا جلد واپس آ گئی تھی، وجہ کنیز خالہ کی ناسازی طبع تھی اگرچہ صدو تھا خالہ کی دیکھ بھال کو مگر وہ مطمئن نہ ہو پاتی تھی، اونچی نیچی پگڈنڈی پہ وہ ذرا جلد پاؤں اٹھا رہی تھی مگر فاصلہ طویل تر ہوتا نظر آ رہا تھا، کچھ وہ خود بھی بہت تھکن محسوس کر رہی تھی سو ذرا جلد گھر پہنچنا چاہ رہی تھی، تبھی بیرونی احاطے میں کچنار کے درخت تلے بینچ پہ بیٹھا وجود اس کی نظروں کی گرفت میں آیا، وہ علاقہ دیس میں تھا مگر مانند پردیس لگتا تھا، یہاں مقامی لوگ کم تھے زیادہ تر بھولے بھٹکے ملکوں ملکوں کی خاک چھانتے سیاح ہی نظر آتے تھے اور پھر ان کا گھر بھی تو آبادی سے قدرے ہٹ کے تھا، کنیز خالہ کے شوہر فاروق صاحب کو یہ علاقہ اس قدر پسند آیا کہ دو ایک بار گھومنے کے بعد رہائش بھی یہیں اختیار کر لی، گھر کا اوپری پورشن وہ یہاں سیر کے لئے آنے والے سیاحوں کو کرائے پر دے دیتے تھے اس طرح اچھا گزر بسر ہو جاتا، ویسے بھی بچہ تو ان کا کوئی تھا نہیں، چار سال قبل فاروق صاحب کی اچانک موت کے بعد کنیز خالہ نوریہ کو کراچی سے اپنے پاس لے آئی تھیں، نوریہ کی والدہ اس کی پیدائش کے بعد انتقال کر گئی تھیں جبکہ والد کی دوسری شادی کے بعد وہ اپنی سوتیلی ماں کے ستم کا مستقل نشانہ بنی

ہوئی تھی، میٹرک تو کر چکی تھی، یہاں دور ونزدیک
کوئی سکول کالج نہ تھا اور ہاسٹل کی خالہ نے
اجازت نہ دی، اگر اسے ہاسٹل ہی بھجوانا تھا تو
لانے کا فائدہ؟ ہاں البتہ انہوں نے اس کو اکیڈمی
جانے کی اجازت دے رکھی تھی جو اتنی دور تو نہ تھی
مگر خاص نزدیک بھی نہ تھی، اکثر تو صدو چھوڑ آتا
یا اکیلی چلی جاتی، ایف اے امتیازی نمبروں سے
پاس کر لیا تھا اب بی اے فائنل کی تیاری کر رہی
تھی، کچھ تو ماحول کا اثر تھا اور کچھ وہ طبیعتاً بھی کم
گو تھی مگر بولنے والے لوگ اسے اٹریکٹ کرتے،
بولتی نہ تھی مگر زیادہ لوگوں کی موجودگی پسند کرتی
تھی، سامنے پہاڑ سے پتھر کھودنے لوگ آتے تو
وہ بالکونی سے گھنٹوں دیکھتی رہتی، ابھی سامنے
نوجوان کو بینچ پہ بیٹھا دیکھ کر اسے بہت اچھا محسوس
ہوا، شاید وہ بھی پتھر کھودنے آیا ہوگا، مگر اس وقت
بینچ پہ خاموش کسی سوچ میں گم بیٹھا تھا، نوریہ نے
گزرتے ہوئے دیکھا، وہ بگڑے حلیے کا
خوبصورت نوجوان تھا، اندر آ کر کتابیں ایک
طرف رکھ کے وہ لیٹ گئی کل ٹیسٹ تھا اس کا، اور
وہ ہمیشہ رات کو تیاری کیا کرتی تھی سو فی الحال وہ
کچھ دیر سونا چاہتی تھی۔

☆☆☆

رات کا درمیانی پہر تھا جب نوریہ کو چائے
کی طلب ہوئی، کتابیں ایک طرف رکھتی وہ کچن
میں چلی آئی، دروازے سے اندر داخل ہوتی وہ
بے ساختہ ٹھٹک کے رک گئی، کچن کے چولہے کے
آگے کوئی کھڑا تھا تبھی کھٹکے پہ وہ پیچھے مڑا اور نوریہ
کو دیکھ کر ایک بے ساختہ سانس خارج کی۔

''سوری میں چائے بنانے آیا تھا بہت
طلب محسوس ہو رہی تھی۔'' معذرت خواہانہ انداز
سے کہتا وہ سائیڈ سے نکلتا سیڑھیاں چڑھ گیا،
نوریہ نے بغور دیکھا وہ وہی دوپہر والا نوجوان
تھا، پختونوں سا خوبصورت مگر روانی سے اردو
بولتا وہ شاید نہیں یقیناً کنیز خالہ کا نیا کرائے دار
سیاح تھا، نوریہ چائے بنا کر کمرے میں لے آئی،
ہلکے ہلکے سیپ لیتی وہ مطلوبہ کتاب نکال کر پڑھنے
کی تیاریوں میں تھی جب دھیمے سروں میوزک بجنا
شروع ہوا، نوریہ مکمل خاموشی کی عادی تھی، سو یہ
دھیمے سروں بجتا میوزک اسے خاصا ڈسٹرب کر رہا
تھا، کچھ دیر برداشت کے بعد کتابیں پٹختی وہ باہر
لان میں نکل آئی، بے حد سرد رات تھی آسمان
برفیلے بادلوں سے سجا تھا کسی بھی لمحے برفباری ہوا
چاہتی تھی مگر نوریہ اب اس موسم کی عادی ہو چکی
تھی سو شال لپیٹ کر واک کرتی رہی تبھی اس کی
نگاہ اوپر اٹھی، پشتون خوبصورتی کا شاہکار وہ
نوجوان گٹار بجا رہا تھا، سرد بے حد تاریک رات
میں اس نوجوان کی کھڑکی سے روشنی اور سر چھن
چھن کر آ رہے تھے اور نوریہ کے چہرے سے ٹکرا
رہے تھے، وہ مبہوت سی یہ سب منظر دیکھے گئی،
پہلی دفعہ اسے احساس ہوا مبہوت کر دینے والے
مناظر میں عورت پانی یا سبزے کا وجود ضروری
نہیں ہوتا۔

مدھ بھری سرد صبح میں نوریہ کتابیں لئے گھر
کے پچھواڑے سرد پتھر پہ بیٹھی ٹیسٹ تیار کر رہی
تھی، ٹیسٹ کی فکر سردی، صبح، اکیلے پن غرض کہ
ہر چیز پر حاوی تھی۔

''پڑھائی ہو رہی ہے۔'' آواز پر نوریہ نے
سر اٹھا کر دیکھا، پشتون نقوش کا حامل برسوں کی
شناسائی لئے پوچھ رہا تھا، اس نے نگاہ جھکا لی۔

''میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' وہی
دوستانہ انداز، نوریہ کتاب میں منہمک رہی۔

''یعنی کہ کیا ہے ڈسٹرب؟'' پشتون نقوش
میں یقین ابھرا، نوریہ ہنوز مصروف رہی۔

''چلو کیا ہے تو کر ہی لیں۔'' وہ وہیں سرد

پتھر پہ بیٹھ گیا، نوریہ کی نگاہیں کتاب پہ جھکی رہیں۔

''سرد صبح کامیابی کی بنیاد ہوتی ہے، مجھے بھی جس کام میں کامیابی چاہیے ہو وہ میں صبح صبح اٹھ کر کرتا ہوں۔'' پختون لہجے روانی سے اردو بول رہا تھا تبھی نوریہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اس کے ہاتھ میں گٹار تھا، کچھ لمحے دونوں میں خاموشی چھائی رہی پھر نوریہ نے اس کے اوورکوٹ کی سرسراہٹ سنی وہ شاید اٹھا تھا اور اب جا بھی رہا تھا اس نے سر اٹھا کے دیکھا وہ واپسی کے لئے قدم بڑھا رہا تھا یکدم سے مڑا، نوریہ نے فوراً سے پیشتر نگاہیں جھکائیں۔

''اے......تمہارا نام کیا ہے؟''

''کنیز تھرور نے کچھ بتایا تھا ذہن میں نہیں رہا۔'' پختون وضاحت دیتا لہجہ۔

''نوریہ۔'' کوئی کوئل سرد علاقے میں کوکی تھی۔

''ستا نوم خوخیلی دے۔'' وہ انجان زبان میں کہتا چل دیا، سردی اکیلے پن اور ویرانی کا احساس یکدم بڑھا تھا نوریہ کتابیں سمیٹتی گھر چلی آئی۔

☆☆☆

گزرتے وقت میں پختون نوجوان بدر مغیرہ نے گھر کے فرد کی سی حیثیت اختیار کرلی تھی، خالہ ہر کام کے لئے بدر سے مشورہ کرتی اکثر سودا سلف کے سلسلے میں وہ مدد کر دیتا، ایک دو بار تو نوریہ کو اکیڈمی بھی چھوڑنے گیا ایک بار نوریہ نے خالہ کی توجہ اس طرف دلائی تو انہوں نے ایک بات میں ہی چپ کروا دیا کہ پختون قابل اعتبار ہوتے ہیں اور گزرتے وقت کے ساتھ نوریہ کی اس سے دوستی بھی ہو چلی تھی، ایک اچھی بات تھی اس کی کہ وہ حد میں رہتا تھا، ٹھکانہ بے شک اوپری پورشن میں تھا مگر اکثر نیچے پایا جاتا کچن میں صدو کی ہیلپ کرواتا خالہ کو اپنی روایتی پختون پکوان بنا کر کھلاتا باہر گھومنے نکل جاتا اور ایک جو اس کا والہانہ شوق تھا گٹار بجانے کا دن رات مست جواری کی طرح لگا رہتا، شوق سے بجاتا، جذبے سے بجاتا، جنون سے بجاتا اور بس بجاتا ہی رہتا تھکتا بھی نہ تھا اور گٹار بجاتے ہوئے ہی کبھی کبھار وہ نگاہ اٹھا کے نوریہ کی جانب دیکھتا تو اس میں وہی والہانہ پن اور شدت ہوتی کہ نوریہ اکثر ڈر کے کھسک لیتی۔

☆☆☆

وہ اکیڈمی سے واپس آ رہی تھی آج موسم میں تھوڑی شدت تھی، صبح برفباری ہوئی تھی، اس سب کے باوجود نوریہ اکیڈمی گئی تھی، آج اس کی طبیعت بھی تھوڑی ڈھیلی تھی شاید سردی کی شدت کا اثر تھا، سو واپسی پہ وہ خاصی تھکن محسوس کر رہی تھی، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ بے دھیانی سے چلی آ رہی تھی، گھر کے قریب کچنار کے درخت کی نرم کونپلوں پہ برف لدی تھی، اسی برف لدی کچنار کے درخت تلے پتھر کے بینچ پہ بدر بیٹھا حسب معمول گٹار کے ساتھ چھیڑ خانی میں مصروف تھا، نوریہ سست قدموں سے اس کے پاس سے گزر رہی تھی تبھی اس کی گمبھیر آواز آئی۔

''سنو۔'' نوریہ کے قدم اٹھنے سے انکاری ہو گئے نگاہیں ہنوز پیروں تلے جمی برف پہ تھیں۔

اک آرزو ہے
میں کھو جاؤں کہیں
اور پھر دیوانوں کی طرح
تجھ کو مجھے ڈھونڈتا دیکھوں

گٹار کے ہلکے سر اور بدر کی مدھ بھری گھنگھور گھٹاؤں سی سرگوشیوں جیسی گنگناہٹیں پاؤں جامد سہی پر نوریہ نے نگاہیں گھما کر پیچھے

دیکھنے کی ہمت کر ہی ڈالی، پختون آنکھوں میں جذبوں کی شدتیں لو دے رہی تھیں بالکل ایسے جیسے بارش کے سورج کی شفاف کرنیں پانی پہ پڑ کر دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ کر دیں یا جیسے سمندر کے سرسراتے پانی پہ ہزاروں دیے جگمگاتے کسی میٹھی سی منزل کی جانب رواں ہوں، نوریہ کا پورا وجود جل اٹھا، مڑنے والے پتھر کے ہوتے ہیں مگر اس پہ اور طرح کا ری ایکشن ہوا تھا دیوں کی لو سے اس کا پورا وجود بھڑ بھڑ جل اٹھا تھا، فاصلہ ہونے کے باوجود اس کے وجود سے دیوں کی لو سے آگ پکڑ لی تھی، نگاہیں جھکاتی بمشکل پاؤں اٹھاتی وہ گھر کی جانب رواں ہو گئی پر دل اور دھیان بدر کے اردگرد بھٹکتا چھوڑ گئی۔

☆☆☆

محبت موسم کی طرح ہوتی ہے، مزاج بدلتی ہوئی نرم سبک رو، رواں، کبھی شدت لئے کبھی تندی لئے مگر ہمیشہ مہربان سی، ثمر آور سی، جدت لئے ہوئے، ہاں مگر ایک فرق ہوتا ہے موسم پلٹ آتے ہیں، محبت پلٹتی نہیں، یہ پنجرے کے طوطے جیسی ہوتی ہے جتنے چاہو لاڈ اٹھاؤ ہنسو کھیلو پر ایک دفعہ اڑنے پہ واپسی ناممکن، امید لاحاصل، سعی، لایعنی۔

محبت بدر پہ اتری تھی، محبت نوریہ کے آنگن میں آ ٹھہری تھی خرام خرام مست ہوا جیسی، بہار کی کھلتی کلیوں سی، سرد راتوں میں تلخ کافی سی، نوریہ پور پور بھیگتی، انگ انگ مست تھی، ایسی خوبصورت کیفیت، ایسا سچا جذبہ ایسی خوشگوار مصروفیت۔

''محبت کیا ہوتی ہے؟'' اس نے اکیڈمی میں قندھاری اناروں سی سرخی پھوٹتے رخساروں والی پلوشہ سے پوچھا تھا۔

''اچھی بات تو سبھی کو اچھی لگتی ہے جس کی بری بات بھی اچھی لگتی ہو وہ محبت ہے وہاں محبت ہے اس سے محبت ہے۔'' پل کی پل سوچ کے بتا کر وہ پھر سے کتابوں میں کھو گئی۔

بدر نوریہ کے سامنے سگریٹ کے کش لے رہا تھا کس قدر چڑ تھی نوریہ کو سگریٹ سے مگر سامنے بیٹھا پختون سگریٹ کا دھواں ہوا میں اڑاتا کس قدر اچھا لگ رہا تھا، دل میں کھب رہا تھا نوریہ کا دل چاہا وقت ٹھہر جائے اور وہ پہروں یونہی بیٹھی سگریٹ کا دھواں اڑاتے پختون کو دیکھتی رہے، دیکھتی رہے اور بس دیکھتی رہے۔

کوئی گھوڑا قریب سے ہنہنایا تھا نوریہ بے ساختہ چونکی، بدر کے ہاتھ اپنی جیب کی جانب بڑھے۔

''چائے پلیز۔'' نوریہ سے درخواست کرتا موبائل کان سے لگاتا وہ آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

''ابا نے مجھ پہ ہاتھ اٹھایا تھا اس نے، کوئی جوان اولاد پہ بھی ہاتھ اٹھاتا ہے کیا؟'' چائے کے مگ پکڑے آتی نوریہ بدر کی آواز پہ بے ساختہ چونکی تھی، وہ پہاڑ کے دامن میں پتھر اچھالتا فون پر کسی سے اپنے دکھ سکھ شیئر کر رہا تھا با آواز بلند۔

''اب واپس بلاتا ہے مجھے کہتا ہے باپ ہوں ارے باپ ہے تو ہوا کرے۔'' پختون کا یہ روپ نوریہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

''ہر بات مانی میں نے یہاں تک سہانے سے شادی پہ بھی مان گیا مگر......'' تبھی اس کی نگاہ نوریہ پہ پڑی تو ٹھٹک کے رک گیا اور قدرے جھجکتا اسے پاس آنے کا اشارہ کرتا وہیں پہاڑ کی آغوش میں بیٹھ گیا، نوریہ قریب چلی آئی اور ایک مگ اسے تھما دیا۔

''ان پہاڑوں میں بھی عجیب سوز ہوتا ہے ناں مرہ، یہ صرف ماحول نہیں فراہم کرتے بلکہ اکساتے ہیں کہ سب دکھ درد ان سے کہہ دیئے

جائیں، جانے دکھ سننے کی کیسی ہوس ہوتی ہے ان کے اندر، مجبور کر دیتے ہیں انسان کو کہ ان کو سب کو بتلایا جائے اور پھر کسی مہربان کی طرح سب اپنے اندر دفن کر لیتے ہیں، ان سے اچھا راز دار بھی کوئی ہوتا ہوگا بھلا؟'' پختون دکھ بھرے لہجے میں ہمکلام تھا۔

''سہانے کون تھی؟'' نوریہ کا دل اسی ایک بات میں اٹکا تھا۔

''میری سوتیلی ماں کی سگی بہن۔''

''تم اس سے شادی کرنے والے تھے؟''

پختون آنکھیں کشمیری بھیگے لہجے پہ لحظہ بھر کو جھکی تھیں۔

''مجبوری تھی۔'' وہ سر جھکا کے بولا۔

''میری ماں میرے بچپن میں ہی وفات پا گئی تھی باپ نے دوسری شادی کر لی میری تین جوان ہوتی سوتیلی بہنیں ہیں، سوتیلی ماں کا رویہ روایتی سوتیلا نہیں ہے چونکہ میں اکلوتا وارث ہوں سو سب جائیداد گھر ایک دن ہڑپ کر جاؤں گا سو انہوں نے اپنی بہن کا رشتہ میرے لئے دیا وہ مجھ سے پانچ سال بڑی ہے میں نے شرط رکھی کہ جائیداد میرے نام کر دو تو شادی کر لوں گا پہلے تو نہیں مانے پھر مان گئے مگر ماں کا رویہ میرے ساتھ وہی رہا۔''

''محبت بہار کا موسم ہوتا ہے۔'' بدر رانجھے کی ملن گھڑیوں سا مست پھرتا گٹار بجاتا اور ہلکے سروں پشتو گیت گاتا اور نوریہ تو ناچتی مورنی تھی جس کی نظر اپنے پاؤں کی جانب جاتی ہی نہ تھی اور پختون آنکھیں یک ٹک دیکھتی جیسے پہلی بار مورنی کو ناچتے دیکھا ہو اور جیسے آئندہ کبھی نہ دیکھنے کی امید ہو اور ڈھیر سا دیکھ لینا چاہتا ہو، ایک پل کو جو وہ نظروں سے اوجھل ہوتی تو سفید چاندی سی زمین پہ، کچنار کی برف لدی نازک کونپلوں پہ اور پتھر کے بنے بینچ اور اونچے لمبے پہاڑوں پہ اے مرہ، او مرہ، اے مرہ کی آوازیں سرسراتیں۔

☆☆☆

اک نئی کہانی نے جنم لے لیا تھا نوریہ اور بدر کی کہانی، پختون اور کشمیری حسن کی کہانی نے۔

اور پھر محبت کی کہانی میں خزاں کا موسم آیا، نہ صرف آیا بلکہ آ کے ٹھہر گیا، ناچتی مورنی کی نظر اپنے پاؤں پہ جا پڑی، پختون لہجہ خاموش ہو گیا اور کشمیری حسن ماند پڑ گیا، بدر کے ابو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا انہوں نے اسے واپس بلایا تھا، تین جوان ہوتی بہنوں کا واسطہ دے کر، وہ نوریہ کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر وہ کنیز خالہ کو اکیلی کیسے چھوڑتی؟ دونوں کی اپنی مجبوریاں تھیں، پختون جس کا باپ اسے مارتا تھا ابھی جوان ہونے پر بھی، ماں سوتیلا سلوک کرتی بہنوں کو کوئی پرواہ نہ تھی مگر وہ اب ان سب کے لئے چلا گیا اور کنیز خالہ جس نے بڑھ کر سہارا دیا نوریہ کو بھی کوئی کمی نہ آنے دی وہ انہی کے پاس رہ گئی، محبت کی کہانی میں جدائی کا باب آ گیا۔

خالہ کہتی تھی پختون قابل اعتبار ہوتے ہیں ان کی موجودگی میں چیزیں چھپانے کی ضرورت نہیں، وہ چراتے نہیں کتنا سچ کہا تھا بدر نے اس کا چرایا ہی کیا تھا؟ سب کچھ دھڑکے سے ڈنکے کی چوٹ پہ تو لے گیا تھا اور جاتے سمے آس، انتظار، امید کی ڈوری کے سرے تک پکڑا کے نہیں گیا۔

آنے والے برس کے اختتام پر کنیز خالہ نے اپنی گرتی صحت کا واسطہ دے کر اس کی شادی اپنے دور پار کے بھانجے سے کر دی خالہ کا بھانجا داعیان تیس سالہ مردانہ وجاہت کا شاہکار اور کامیاب بزنس مین تھا، اپنے کسی بزنس ٹور کے سلسلے میں ہی خالہ کے گھر آیا تھا ماں باپ رہے

نہیں تھے، بہن بھائی اپنی زندگیوں میں مگن، رضا مندی سے خالہ نے اس کی شادی نوریہ کے ساتھ کردی یہ علاقہ اسے بھی پسند آیا تھا سو اسی گھر میں اپنی پسند کی تبدیلیاں کروا کر رہائش اختیار کرلی، اس کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا، سو بیرون ملک اس کے ٹورز بھی چلتے رہتے تھے، شادی کے بعد داعیان نے نوریہ کو سب کچھ دیا وہ سب کچھ جو ایک خوشحال زندگی کے ضروری لوازمات ہیں، آنے والے برسوں میں خالہ داغ مفارقت دے گئیں اور اللہ نے انہیں دو خوبصورت بیٹوں سے نوازا، سب کچھ تھا نوریہ کے پاس بس نہیں تھا تو ایک بدر نہیں تھا اور نہ اس کی محبت، داعیان شروع میں اس کی حالت سے بہت پریشان ہوا، اگرچہ نوریہ خود کو کمپوزڈ رکھتی، نارمل رہتی، مگر ایک دن بے حد اصرار کر کے وہ اسے ڈاکٹر کے پاس بھی لے گیا۔

ڈاکٹر یہ کہتا ہے
نارمل حرارت ہے
ایوریج سی شوگر ہے
ہارٹ بیٹس پورے ہیں
ہارمون اچھے ہیں
نارمل ہے ای سی جی
نارمل ہیں بی پی پلس
روز واک کرتی ہو
دیکھنے میں اچھی ہو
بات بات ہنستی ہو
خوش مزاج بندی ہو
مسئلہ کہاں پر ہے؟
کس بناء پر گرتی ہو؟
کس وجہ سے چکر ہیں؟
ڈاکٹر کو کیا معلوم
عشق کی مسافت میں
جوڑ جوڑ دکھتے ہیں
سانس تک اکھڑتی ہے
سب رگیں پھڑکتی ہیں
ڈاکٹر کو کیا معلوم؟
اک مرض محبت ہے
جس مرض کے ہونے سے
خون کی جگہ تن میں
زہر بھرنے لگتا ہے
سر سے لے کر پاؤں تک
ایک ٹیس چلتی ہے
ایسے کاٹ دیتی ہے
جیسے آرا لکڑی کے درمیان چلتا ہے

پھر سب کچھ نارمل دیکھ کر داعیان اسے نوریہ کی فطرت سمجھ کے چپ ہو رہا، جس مگر دل کی ہے ایک ضد۔

وہی چاہیے
وہی چاہیے
بس ایک وہی چاہیے

☆☆☆

دسمبر موسم گل ہو
حیا بخاری

''محبت کیا ہے؟ جانتی ہو؟'' بھاری مردانہ آواز نے مخمور لہجے میں پوچھا۔

آسمان کالی گھٹاؤں سے اٹا تھا، دن کی شروعات تھی مگر شام کا سا سماں معلوم ہو رہا تھا، کبھی کبھی ننھی ننھی بوندیں بوچھاڑ کی صورت میں برستیں اور پھر ایک دم سے رک جاتیں، چرند پرند مسلسل چہچہا رہے تھے۔

بڑے سے صحن کے دائیں دیوار سے ذرا دور لگے بیری کے مضبوط درخت پہ لگے جھولے پہ بیٹھی لمبے سنہرے بال کھولے امرحہ نے ایک نظر مڑ کر خود کو جھولا جھلاتے سیف علی وزیر پہ ڈالی تھی اور نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''محبت ایک ماہر مصنف ہے، جو ایک ہی رنگ ایک ہی قلم سے اور ایک ہی ورق پہ بار بار ہجر وصال کی داستان رقم کرتی ہے، صرف مقام اور کردار تبدیل کرتی ہے، واقعات اور حادثات بدل دیتی ہے، مگر کہانیاں تقریباً وہی ہوتیں ہیں، مگر پھر بھی ہمیشہ کامیاب رہی ہے، محبت کا ہی بول بالا ہے ساری دنیا میں، ہر کوئی اس کے پیچھے پاگل ہے، سب کے لبوں پہ بس اس کا نام ہے، محبت، محبت، محبت رلا دیتی ہے، ہنسا دیتی ہے، رول دیتی ہے، نام ونشاں تک مٹا دیتی ہے، ہستی کو خاک کر دیتی ہے، روح اور بدن کو تھکن سے چور چور کر دیتی ہے، نہ نیند چھوڑتی ہے آنکھوں میں نہ چین، سکون غارت کر کے دکھ دیتی ہے، عجیب سی لذت بھری جلن اور درد بھی بخشتی ہے، زخم زخم کر دیتی ہے، مگر پھر...... پھر بھی لوگ دیوانے ہیں کہ جو بھی ہو، محبت جاوداں ہوتی ہے انمول، جس کا کوئی متبادل نہیں ہو سکتا۔'' وہ سحر انگیز لہجے میں بولتا چلا گیا۔

ننھی ننھی بوندیں برسنے لگیں تھیں، سیف نے جھولے کو زور سے دھکیلا تھا اور امرحہ کا وجود

مکمل ناول

بھیگتا چلا گیا تھا، ایک سحر کے زیر اثر اس نے آنکھیں موندی تھیں۔

''محبت بہت مضبوط ہوتی ہے، کالے جادو کی طرح سحر طاری کر دیتی ہے انسان پر اور انسان بے بس ولاچار ہو کر رہ جاتا ہے، تڑپتا ہے، مچلتا ہے، پھر بھی مسکراتا ہے، کیونکہ محبت جو ہوتی ہے اس کی روح، اس کے جسم اس کے دل پہ قابض۔'' کالی آنکھوں میں دیئے سے جگمگاتے تھے، امرحہ ابھی تک آنکھیں بند کیے جھولا جھولتے جیسے اپنا کوئی من پسند راگ سن رہی تھی۔

''تو بتاؤ امرحہ، کیا تمہیں بھی ہے کسی سے محبت۔'' سبز جھلملاتی آنکھیں ایک دم سے کھلی تھیں، سوال بے حد اچانک تھا، سیف نے جھولے کی رسی کو ذرا سا دھکیلا تھا، جھولا مدہم ہوا۔

''بولو امرحہ۔'' وہ بالکل اس کے سامنے آ ٹھہرا، اتنے فاصلے پہ کہ وہ بالکل اس کے قریب آتی اور اسے چھوئے بنا ہی واپس پلٹ جاتی، اس کی سانسیں رکنے لگیں، دھڑکنوں میں اتھل پتھل ہونے لگی۔

''امرحہ میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔'' وہ سینے پہ ہاتھ باندھتے ہوئے یک ٹک اسے گھورتے ہوئے بولا، امرحہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا، بے حد سیاہ کالی آنکھوں میں جذبات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، اس کا دل کیا کہ کاش وہ اس کی آنکھوں میں ڈوب جاتی اور اس خود غرض دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی، مگر وہ ایک حقیقت پسند لڑکی تھی۔

''تم کیوں ہر روز مجھ پہ یہ جادو ٹونے آزماتے ہو، میں نے کہہ دیا تو کہ بابا زندہ تھے تو ٹھیک تھا مگر اب میں صرف اپنی اماں کی بات مانوں گی۔'' وہ پوری طرح خود کو سنبھال چکی تھی۔

''ایک تو تمہارے بابا بھی نہ، اب میری شادی تک زندہ رہ جاتے تو قیامت نہ جاتی۔'' وہ تڑپا۔

''شرم کرو، تمہارے مرحوم تایا ہیں۔'' امرحہ نے اسے شرم دلائی۔

''جی جانتا ہوں اور میں نے بھی بس ایک بات کی ہے، کوئی گالی نہیں دی اوکے۔'' وہ الٹا خفا ہو گیا۔

''خیر جو بھی ہے، بات تو میں نے اپنی ماں کی ہی ماننی ہے، چاہیے تم اپنی محبت کے کتنے ہی تیر چلا لو مجھ پہ۔'' امرحہ نے صاف جواب دیا، سیف نے ایک تیز نظر بے فکری سے ہلکے ہلکے جھولا لیتی امرحہ پہ ڈالی تھی اور آگے بڑھ کر یوں اسی کو ہلکا سا جھٹکا دیا کہ امرحہ دھڑام سے نیچے آ پڑی۔

''اوئی ماں، یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' وہ چلا اٹھی۔

''میں تو بس اپنے مرحوم تایا کا بھتیجا ہوں سو اپنی زندہ جاوید امی سے کہو کہ تمہیں جھولا دیں اوکے۔'' شہادت کی انگلی دکھاتا اسے وارن کرتا وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اندر کی طرف بڑھ گیا، امرحہ وہیں اپنی ٹانگیں سہلاتی اسے کوستی رہی۔

☆☆☆

''تم پھر گئیں اپنے چاچا کے ہاں۔'' وہ لاؤنج میں داخل ہی ہوئی تھی کہ سامنے صوفے پر بیٹھیں سویرا خاتون اسے دیکھتے ہی تیز لہجے میں بولیں تھیں، وہ سر جھکائے چپ چاپ چل کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں امرحہ۔'' انہیں مزید غصہ آیا اسے خاموش دیکھ کر۔

''تو کیا ہوا امی، چاچو کا گھر ہے میرا۔'' بالآخر وہ بول پائی تھی۔

''جی، میں اچھی طرح جانتی ہوں مگر تم شاید

یہ بات بھول رہی ہو کہ میں نے تمہیں وہاں جانے سے منع کیا ہے اور وہ بھی ایک بار نہیں کئی بار۔'' وہ درشت لہجے میں بولیں۔

''لیکن امی اس میں کیا برائی ہے؟'' وہ احتجاجاً بولی۔

''یہی سب سے بڑی برائی ہے کہ وہ تمہارے چاچا کا گھر ہے، پھر تم خود دیکھو ہمارا ایک نام ہے، تمہارے بابا نے بڑی مشکل سے ایک مقام بنایا، تمہیں مجھے عزت دی اس سوسائٹی، جبکہ تمہارے چاچو، ساری عمر بس بھائی کے ٹکڑوں پہ پلتے رہے اور اب، اب وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں پھنسا کر اس دولت سے وہ ساری عمر مزے لوٹتے رہیں۔'' سویرا خاتون نے نخوت سے کہا۔

''لیکن میرے رشتے کے لئے حامی تو بابا نے بھری تھی امی۔'' وہ بھی جیسے آج بحث کے موڈ میں تھی، سویرا ذرا سا چونکیں۔

''ادھر دیکھو میری طرف۔'' انہوں نے حکم دیا، امرحہ ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

''تم اس رشتے کو برقرار رکھنا چاہتی ہو۔'' ان کے لہجے کے ساتھ ان کی آنکھیں بھی سوالیہ تھیں، وہ بغور امرحہ کو جانچ رہی تھیں۔

''ہرگز نہیں، جب تک ابو زندہ تھے، میرے لئے یہ رشتہ اہمیت رکھتا تھا، مگر ابو کے بعد میرے لئے آپ اہم ہیں امی، آپ جو بھی فیصلہ کریں گی مجھے منظور ہوگا۔'' وہ قطعی لہجے میں بولی، سویرا کو کچھ اطمینان ہوا۔

''مگر پلیز مجھے وہاں جانے سے مت روکا کریں، بابا سے جڑا ہر تعلق میرے لئے اہم ہے، میں چاہ کر بھی خود کو ان سے جدا نہیں کر سکتی۔'' وہ ان کے قریب ہو کے منت بھرے لہجے میں بولی، سویرا اس کے ریشم جیسے نرم و ملائم بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''لیکن میری جان، مجھے ڈر لگتا ہے، جس طرح انہوں نے جادو ٹونے کر کے تمہارے بابا کو اپنے بس میں کر لیا تھا کہیں تمہیں بھی اپنے بس میں نہ کر لیں۔'' وہ متفکر لہجے میں بولیں۔

''میں بھی تمہیں کھونے نہیں دوں گا، کچھ ایسا جادو کر دوں گا کہ تمہاری ہر راہ گھوم پھر کر میری طرف ہی آ نکلے، کوئی اور منزل تلاشتے تلاشتے تھک کے چور ہو جاؤ اور میری بانہوں میں آ کے پناہ لے لو کہ میں ہی تمہاری آخری منزل ہوں امرحہ شہزادی۔'' جادوگر نے منتر پھونکا تھا، شہزادی پتھر کی ہوگئی۔

''امرحہ...... امرحہ۔'' سویرا نے اس کا کاندھا ہلایا، وہ بری طرح چونکی۔

''تم ٹھیک ہو بیٹا۔'' اب کی بار ان کے لہجے میں محبت تھی۔

''آپ فکر نہ کریں امی، میں نے کہا نہ کہ وہی ہوگا جو آپ چاہیں گی، آپ کی بیٹی اتنی کمزور نہیں کہ اس پہ کسی کا جادو اثر کر سکے۔'' وہ اداسی سے مسکرائی تھی، تو سویرا بھی اطمینان سے مسکرا دیں۔

☆☆☆

کمرے میں مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی، صرف ایک کونے میں ٹیبل لیمپ روشن تھا، مگر وہ اس قدر جھکا ہوا تھا کہ اس کی روشنی باقی کمرے کے اندھیرے کو ختم کرنے میں یکسر ناکام تھی۔

سیف علی وزیر بھی کسی فائل پہ جھکا کچھ سوچ چلے جا رہا تھا، کبھی کبھی اس کا بایاں ہاتھ حرکت میں آتا اور تیزی سے فائل پہ کچھ رقم کر جاتا۔

یونہی جھکے بیٹھے اسے کتنا وقت گزر گیا، اس کا اندازہ بھی نہیں تھا، تبھی قریبی مسجد سے اللہ اکبر کی صدا سنائی دی تھی، وہ چونکا تھا۔

''صبح ہو گئی۔'' وہ واقعی حیران تھا اور یہ ہمیشہ ہی ہوتا تھا، وہ یونہی سر جھکائے ساری رات کام کرتا اور اسی طرح فجر کی اذان سن ہی حیران ہوتا کہ وہ ساری رات جاگتا رہا ہے۔

اس نے ہاتھوں کو اٹھا کر ایک بھرپور جمائی لی تھی، ٹیبل پر پڑے تھرمس کو ہلایا، خالی تھا۔

''پہلے وضو کر لوں، نماز کے بعد ہی جا کر چائے بناؤں گا۔'' اس نے جیسے خود کو اطلاع دی، تبھی دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی اور شمیم اختر اندر آئیں، ان کے ہاتھ میں پکڑے چائے کے کپ سے بھاپ نکل رہی تھی، وہ مسکرا دیا۔

''پھر ساری رات جاگتے رہے ہو ناں۔'' وہ اس کے پاس آتے ہوئے بولیں، سیف نے ان کے ہاتھ سے کپ لے لیا، اس کی بے صبری پہ وہ مسکرا دیں۔

''میں تو ہولتی رہتی ہوں تمہاری نوکری کا سوچ سوچ کر، یہ بھلا کیسی نوکری ہے، کبھی تو رات رات بھر گھر سے غائب رہتے ہو اور کبھی گھر رک بھی جاؤ تو ساری رات جاگنے کی ذمہ داری، یہ کون سا کام ہے جو دن کو نہیں ہو سکتا۔'' وہ واقعی پریشان تھیں۔

''امی! آپ ایسے ہی وہم کرتی رہتی ہیں، دن کو بھی تو جاتا ہوں نہ کام پر۔'' وہ یوں چائے پی رہا تھا جیسے آگ کی بجائے چائے فریج میں رکھ کر بنائی گئی ہو۔

''ہاں اور تب بھی غائب ہی ہو جاتے ہو، اوپر سے تمہارا فون بھی بند رہتا ہے۔'' انہوں نے سیف کے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''میں نے کہا نہ امی، آپ بالکل پریشان نہ ہوا کریں، کیا آپ کو اپنے بیٹے پہ اعتماد نہیں ہے۔'' وہ اٹھ کر ان کے سامنے آ ٹھہرا۔

''یہ میں نے کب کہا، مجھے میرے سیف پہ پورا بھروسہ ہے، وہ کبھی کوئی غلط کام کر ہی نہیں سکتا۔'' انہوں نے پورے یقین سے کہا تو سیف کی کالی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''بس تو آپ پریشان بھی نہ ہوا کریں، اللہ کی مدد اور آپ کی دعا ساتھ رہی ناں تو مجھے کچھ بھی نہیں ہو گا، نہ ہی کوئی مجھے راہ راست سے ہٹا پائے گا۔'' اس نے جلدی سے چائے ختم کی اور کپ ماں کے حوالے کرتا نماز کی تیاری کرنے لگا، شمیم اختر نے دل ہی دل میں اس کے لئے دعا کی تھی اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

''بھائی! آج آپ فری ہیں، تو پلیز کالج چھوڑ دیں۔'' وہ ناشتے کی ٹیبل پر اخبار میں گم تھا جب انعم دوڑتی ہوئی وہاں آئی تھی، ہمیشہ کی طرح وہ ضرور دیر سے جاگی تھی اور آج پھر وین اسے چھوڑ گئی تھی۔

''کیوں میں کیوں چھوڑ دوں، مجھے تو آج خود بہت سارے کام ہیں۔'' وہ مکمل طور پہ انجان بن بیٹھا۔

''بھائی پلیز۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کا مضبوط بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولی۔

''اوں ہوں، وین کا کرایہ میں کس لئے دیتا ہوں، تم آخر کب سدھرو گی، اس بار تو قطعی نہیں۔'' اس نے چہرہ مکمل طور پہ اخبار میں چھپا لیا۔

''بھائی نہیں ہیں، میرے کیوٹ سے، ڈیشنگ سے۔'' وہ خوشامد پہ اتر آئی۔

''کہا نہ قطعی نہیں، تو مطلب بالکل نہیں۔'' اس بار اس نے بھی دل پکا کر لیا تھا۔

''ٹھیک ہے بھائی، جو دل چاہے سلوک کر لو، ہم تو ہیں پردیسی، آج یہاں تو کل کسی

دوسرے کے گھر۔'' وہ آنسو بہاتے ہوئے بولی۔
''بھائی بہنوں کا مان ہوتے ہیں، ساری عمر بہنوں کی خواہشوں کو پورا کرتے ہیں اور بہنیں تو پرائے گھر کا مال، لیکن پھر بھی سدا نظریں بھائیوں کی چوکھٹ پہ ہی جمی رہتی ہیں کہ ابھی سدا دیں گے اور ویر دوڑا چلا آئے گا۔'' سارا ماحول اداس ہونے لگا تھا، سیف نے بوجھل دل کے ساتھ اخبار سائیڈ پہ رکھا۔
''تم کیسے ویر ہو، جو اب میری بات نہیں سنتے، شادی کے بعد میں کس چوکھٹ کو تاکوں (دیکھوں) گی۔'' وہ منہ بسورتے ہوئے بولی، سیف کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا، دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے اس نے سر بھائی کے نزدیک کیا تھا تا کہ وہ آرام سے اس کے سر پہ اپنا پیار نچھاور کر سکیں، مگر اگلے ہی لمحے اس کی چیخ نکل گئی، سیف نے زور سے اس کا کان پکڑا تھا۔
''کل رات کون سی فلم دیکھ کر یہ ڈائیلاگ رٹے گئے میرے لئے۔'' اس کا کان کھینچتے ہوئے وہ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولا۔
''بھیا پلیز، درد ہو رہا ہے۔'' وہ بلبلائی۔
''میرے سوال کا جواب دو۔'' وہ رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔
''میرے اپنے دل کی آواز ہیں بھیا، جب اس گھر سے جاؤں گی نہ، تو میری یاد میں دیواروں سے لپٹ لپٹ کر رونا تم۔'' پھر ڈرامہ شروع ہوا۔
''تم ایسے نہیں مانو گی۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
''امی!'' انعم چلائی۔
''سیف نہ تنگ کرو بہن کو۔'' سیف نے ماں کی پہلی ہی آواز پہ بہن کا کان چھوڑا، وہ اسے زبان دکھا گئی۔
''امی! دیکھیں نہ آپ اس کے ڈرامے روز اس کی وین چھوٹ جاتی ہے، میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہوتا۔'' اسے تیز نظروں سے گھورتا وہ ماں کو بتانے لگا۔
''اس کے ڈرامے کبھی ختم نہیں ہونے والے، چاہے تم کچھ بھی کر لو۔'' امی نے کچن سے آواز دی۔
''سو بہتر یہی کہ چپ چاپ جا کر چھوڑ آؤ، کیونکہ پھر تم نے ہی پریشان ہونا ہے اس بات کو سوچ سوچ کر۔'' ان کے لہجے میں مسکراہٹ تھی، سیف بھی مسکرا دیا۔
''چل چڑیل، امی نے کہہ دیا ورنہ کبھی لے کر نہ جاتا۔'' اس نے بائیک کی چابی اٹھاتے ہوئے کہا، انعم مسکراتے ہوئے بھائی کے ساتھ چل دی۔
''خدا حافظ امی۔'' وہ وہیں سے چلائی۔
''خدا حافظ اور سیف اگر ادھر سے ہی کام پہ چلے گے تو خدا کے لئے فون بند نہ رکھنا۔'' امی کچن کے دروازے میں آ کر بولیں۔
''جی امی، آپ فکر مت کریں، سیل آن رہے گا میرا۔'' اس نے ماں کو اطمینان دلایا اور بہن کو لے کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

وہ بیڈ پہ آڑھی ترچھی لیٹی ٹی وی دیکھنے میں مشغول تھی جب سویرا اندر آئیں، انہیں آتا دیکھ کر وہ فوراً سیدھی ہو بیٹھی۔
''کیا کر رہی ہو؟'' وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے محبت پاش لہجے میں بولیں۔
''کچھ نہیں امی ایسے ہی ٹی وی سے دل بہلانے کی کوشش کر رہی ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
''میرے ساتھ آفس چلا کرو نہ سارا دن گھر بیٹھے بور ہوتی رہتی ہو۔'' انہوں نے ریموٹ اس

کے ہاتھ سے لے کر ٹی وی آف کر دیا۔
''نہ امی مجھ سے نہیں ہوتے یہ کام، ویسے کاش امی، میرا بھی کوئی بہن یا بھائی ہوتا، سچ لڑتے جھگڑتے ہی سارا وقت گزر جاتا، انعم اور سیفی کے گھر کتنا مزہ آتا ہے، ہر وقت ہنسی مذاق کرتے رہتے ہیں، میں تو وہاں جاتی ہوں تو ٹائم کا پتہ ہی نہیں چلتا۔'' سیف اور انعم کا ذکر کرتے ہوئے وہ کھوسی گئی، سویرا خاتون کی آنکھوں میں سوچ کی لہریں پیدا ہوئیں۔
''سیف اور انعم سے یاد آیا، کل تم چاچو کے گھر مت جانا او کے، تیار رہنا، ہمارے کچھ معزز مہمان آرہے ہیں دوپہر کے کھانے پہ۔'' انہیں فوراً خیال آیا تھا۔
''میرا کیا کام امی آپ کے بورنگ مہمانوں سے۔'' وہ کافی بدمزہ ہوئی۔
''میں نے کب کہا کہ تم کوئی کام کرنا۔'' سویرا نے اسے گھورا تھا۔
''میں نے تمہیں صرف گھر پہ رہنے کا کہا ہے۔'' خود بخود ان کے لہجے میں سختی اتر آئی۔
''مگر امی آپ جانتی ہیں کہ ہفتہ کے دن میں لازمی چاچو کے گھر جاتی ہوں ورنہ مجھے چین نہیں آتا۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔
''وہ ہمارے بزنس پارٹنر ہیں ان کے ساتھ ملنا تمہارے چاچو کے گھر جانے سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔'' ان کا لہجہ کسی قسم کی رعایت سے عاری تھا، امرحہ کو دکھ سا محسوس ہوا، وہ جس قدر ماں کو یقین دلانے کی کوشش کر لیتی کہ وہ ان کی مرضی کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھائے گی، وہ اسی قدر ان سے بدگمان رہتی تھیں۔
''امی! آپ کو کب میرا یقین آئے گا، میرا وہاں جانا صرف اور صرف میری چاچو سے محبت ہے، میں نے آپ کو کہا ناں کہ آپ کی مرضی کے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔'' اس نے ماں کے ہاتھ پکڑتے ہوئے ایک بار پھر ان کو یقین دلانے کی کوشش کی۔
''مجھے تم پہ پورا یقین ہے میری جان۔'' انہیں دل ہی دل میں اپنی سختی کا احساس ہوا تو محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہنے لگیں۔
''لیکن مجھے تمہارے چاچو لوگوں پہ اعتبار نہیں، تم بہت سادہ ہو اور وہ بہت، میں نہیں چاہتی کہ وہ تمہیں پھنسا لیں۔'' ان کے لہجے میں فکر تھی۔
''یہ صرف آپ کا وہم ہے میں ایسی بے وقوف بھی نہیں ہوں، پھر وہ مجھے ایسا کچھ بھی نہیں کہتے۔'' وہ آخر میں جھوٹ بولتے ہوئے نظریں جھکا گئی، جادوگر کے سحر بھرے جملے کانوں میں پھر گونجنے لگے، مسکراتا پروقار چہرہ دل میں سمانے لگا، اس کی دھڑکنیں منتشر ہونے لگیں۔
''نہیں، میں بے حد مضبوط ہوں، سیف تمہارا جادو مجھ پہ نہیں چلے گا۔'' اس نے جیسے خود کو یقین دلانا چاہا تھا۔
''امرحہ میری جان، میں پھر بھی تمہیں منع نہیں کر رہی، مگر کل رک جاؤ پلیز، اصل میں وہ لوگ تمہیں ہی تو دیکھنے آرہے ہیں، اکلوتا بیٹا ہے شاہ زین ان کا، وہ چاہتے کسی اچھے گھر کی لڑکی ہی ان کی بہو بنے اور سچ پوچھو تو مجھے بھی یہ رشتہ بہت اچھا لگا، ایک تو شاہ زین سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی، دوسرا مسز داؤد نے ہمارے ساتھ کئی نئی ڈیلز سائن کیں ہیں، اس رشتے کے بعد ہماری پارٹنر شپ اور بھی زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔'' بات کے آخر میں ماں کی جگہ ایک بزنس وومین نے لے لی تھی، امرحہ کے دل سے ٹیس سی اٹھی۔
''پتہ ہے، شیش محل جیسا گھر ہے ان کا اور

پھر بے تحاشہ دولت عیش و عشرت، ساری عمر عیش کرو گی۔" انہوں نے محبت سے اس کے گال چھوئے۔

"امی! اچھی زندگی کے لئے صرف دولت کافی نہیں ہوتی۔" وہ بمشکل بولی۔

"میں جانتی ہوں بیٹا لیکن خود سوچو، ان کا سب کچھ ان کے اکلوتے لڑکے کا ہی ہے، تو ان کی بہو سے زیادہ بھلا کون ان کو عزیز ہوگا۔" وہ اسے سمجھانے لگی، مگر دل نے صاف انکار کیا تھا سمجھنے سے۔

"ٹھیک ہے امی۔" بوجھل سے اس نے بات ختم کرنا چاہی تھی۔

"تھینک یو بیٹا اور ہاں اچھے سے تیار رہنا ہاں۔" امرحہ نے دیکھا ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا، اسے دل ہی دل میں اچھا محسوس ہوا، کہ اس نے ماں کو خوشی دی تھی، سویرا اسے پیار کر کے باہر نکل گئیں، وہ بستر پہ ڈھے گئی، دل پہ بوجھ سا آ گرا۔

"مجھے بھولنے کی جرأت اور کوشش کبھی مت کرنا امرحہ ڈیئر، ورنہ سانسیں بند ہونے لگیں گیں۔" ساحر کا منتر کانوں میں خود بخود پھر کھنکنے بجنے لگا، دھڑکن بے طرح بے قرار ہوئی۔

"تم کیا ہو سیف وزیر، کاش کہ میں تمہیں سمجھ پاتی۔" وہ کبھی کبھی واقعی بے بس ہونے لگتی تھی۔

مجھ میں کبھی آہٹ کی طرح سے کوئی آئے
ایک بند گلی کی طرح سنسان بہت ہوں
الجھیں گے کئی بار اک لفظ سے مفہوم
سادہ ہے بہت وہ نہ میں آسان بہت ہوں

کوئی جادو سا لہجہ دھیمے سے اس کے کانوں میں گنگنایا تھا، اسے لگا واقعی اس کی دھڑکنیں رکنے لگیں تھیں، امرحہ ابرار واقعی بے بس ہونے لگی تھی، اس نے بھیگا چہرہ تکیے میں چھپا لیا تھا۔

☆☆☆

مسز داؤد بے حد پر وقار نفیس سی خاتون، خود پہ پڑنے والی ان کی پہلی ہی نظر میں امرحہ نے اپنے لئے جو پسندیدگی تیرتی دیکھی تھی، اسے سو فیصد یقین ہو گیا تھا کہ اب اس سیف نامی شخص سے جس سے وہ بچپن سے منسوب چلی آئی تھی، دور ہونے کا وقت آ گیا تھا، اس نے کبھی پیمان وفا نہ باندھے تھے نہ ہی کبھی اقرار و اظہار کی منزلیں طے ہوئیں تھیں، لیکن یہ سچ تھا کہ آنکھوں کے کانچ کے جیسے خوبصورت جھلملاتے پردوں پر اگر کوئی عکس جھلملایا تھا تو وہ سیف ہی کا تھا۔

پھر مشرقی لڑکیاں تو ہوتی ہی ایسی ہیں، سوندھی خوشبو دیتی گیلی مٹی کی طرح، جو بھی نقش بنا دو تب ہی مٹ پاتے ہیں جب مٹی سوکھنے کے بعد ریزہ ریزہ بکھیر دی جائے، وہ صورت جو اس کے دل و دماغ پہ بچپن سے بابا، چاچو اور چاچی نے بنائے نقش گہرے ہو چکے تھے ان مٹ تھے۔

لیکن قسمت کی ستم ظریفی یہ تھی کہ اب یہی نقش اس ہستی کو ناگوار تھے جو اسے بے حد عزیز تھیں، اس کی ماں سویرا خاتون، جس کے لئے وہ کسی بھی حد سے گزر سکتی تھی۔

سو ان نقوش کو مٹانے کے لئے اسے ریزہ ریزہ کرنا تھا اپنی ذات کو، ٹوٹ کر بکھرنا تھا اور اسے اپنی ماں کے لئے یہ سب منظور تھا۔

مسز داؤد اسے جس قدر اچھی لگیں تھیں، شاہ زین سے مل کر اسے اتنی ہی کوفت محسوس ہوئی، اس کی تیز چمکدار آنکھیں مسلسل خود کے آر پار ہوتی محسوس ہوئی اس کو، وہ شاید اندرونی طور پہ اس سب سے دستبردار ہونے کے لئے خود کو تیار نہ کر پائی تھی۔

"امرحہ بیٹا جاؤ شاہ زین کو اپنا روم دکھاؤ۔" سویرا کے اس حکم پہ اس کا دل دھڑک اٹھا، وہ تو

بھی سیف کو اپنے کمرے میں نہیں گھسنے دیتی تھی، جس کے ساتھ دل کے بندھن کے علاوہ خونی رشتہ بھی تھا، پھر ایسے کسی انجان مرد کو۔

''ہاں شیور، چلو امرحہ، آپ سے کچھ باتیں بھی ہو جائیں گی اور آپ کی پسند ناپسند کے بارے میں بھی کچھ اندازہ ہو جائے گا۔'' سویرا کی بات پہ جہاں وہ دم سادھے کھڑی رہ گئی تھی وہیں شاہ زین کو جیسے پر لگ گئے تھے، بے تابی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی، امرحہ اندر تک گھبرا گئی۔

''امرحہ!'' سویرا نے چہرے پہ مسکراہٹ سجائے جتاتی نظروں سے امرحہ کو گھورا تو وہ بمشکل سر ہلا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، شاہ زین اس کے ساتھ تھا۔

''واؤ، سکائی بلیو، سکائی بلیو، امیزنگ۔'' کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ فوراً سراہتے ہوئے بولا، کمرے میں سکائی بلیو کلر ہر چیز میں نمایاں تھا، کمرے کی دیواروں کے پینٹ سے لے کر بیڈ پہ بچھی چادروں، کھڑکیوں کے پردوں میں بھی اس رنگ کی آمیزش تھی، گلاس وال کے قریب پڑے پلاسٹک کے گملے، ٹیبل پہ پڑا گلاس کور والا نفیس سا ٹیبل لیمپ اور بیڈ کے قریب رکھا بڑا سا فش باؤل، سبھی بلیو جھلک دے رہے تھے۔

امرحہ کے دل سے ہوک سی اٹھی، جب جب وہ سیف کے نام سے جان بچاتی، وہ ہر قدم پہ ابھر کر سامنے آ جاتا، جب پاپا زندہ تھے تو اس نے کتنی ضد کر کے سیف کے کمرے کی طرح اس کمرے کی سجاوٹ کی تھی اور پاپا کی اس سارے کام میں مدد بھی تو سیف نے کی تھی، اب اس کے اور سیف کے کمرے میں اگر فرق تھا تو بس چیزوں کی قیمت کا یا پھر اس ایک فش باؤل کا جو سیف نے اسے گفٹ کیا تھا، اس کے برتھ ڈے پہ، اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

''چلو یہ بات تو ثابت ہوئی کہ تمہاری پسند بھی تمہاری طرح بے حد خوب صورت ہے۔'' وہ اپنے خیالوں میں یوں کھوئی کہ اسے محسوس بھی نہ ہوا، کب شاہ زین اس کے اس قدر قریب آیا اور اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

امرحہ دل و جان سے کانپ گئی، اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ سے چھڑانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

''میں نے یہ ہاتھ ساری عمر کے لئے تھامنے کا فیصلہ کر لیا ہے، خود پہ ناز کرنا شروع کر دو۔'' وہ اس کے اور قریب ہوا، امرحہ کی جان نکلنے لگی۔

''اف ایک تو تمہارا یہ شرمانا، بس یہی سب سے بڑی شرط رکھی تھی میں نے امی سے کہ مجھے سو فیصد مشرقی لڑکی چاہیے باحیا، باشرم، پاکیزہ کسی جھرنے کی طرح صاف شفاف۔'' امرحہ کو اس سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی، اس نے جیسے پوری قوت جمع کی تھی اور اس بار پورے زور سے اس کو خود سے پرے دھکیل دیا تھا، وہ اس کے اس انداز پہ ششدر کھڑا اسے گھورتا رہا، پھر ایک دم مسکرانے لگا۔

''یہی ادا تو تم مشرقی لڑکیوں کو سب سے منفرد بناتی ہیں، تب تک کسی کو پاس بھی نہیں بھٹکنے دیتیں جب تک پورے حقوق اس کے نام نہ کروا لو۔'' وہ آہستہ سے دوبارہ اس کے قریب آ کر ٹھہرا، وہ بے اختیار ہی دو قدم پیچھے ہٹی۔

''لیکن سچ کہوں تو ایسا اجلا اور نکھرا روپ بھی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا، سو اب مشکل ہی ہے کہ دل کو قرار آئے، سو تیاری پکڑو، بہت جلدی تم میری پناہوں میں ہو گی، بہت خوش قسمت ہو امرحہ۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے ایک

غرور سے بولا۔

''بے حد خوش قسمت ہو، کہ تم پہ، شاہ زین داؤد کی نظر کرم ٹھہری ہے۔'' کتنا اکھڑا تھا وہ کتنا مغرور، وہ دل ہی دل میں کڑھ کے رہ گئی۔

اور پھر واقعی اگلے ہی ہفتے وہ پورے اہتمام سے نہ صرف اسے منگنی کی انگوٹھی پہنا گئے تھے، بلکہ ٹھیک تین ماہ بعد شادی پہ بھی اصرار کر گئے تھے، سویرا جس قدر خوش تھیں، امرحہ اسی قدر بجھ سی گئی تھی، ماں کی خواہش اسے اندر تک جلا کر راکھ کر گئی تھی۔

☆☆☆

آج ہفتہ تھا، وہ حسب معمول گھر پہ تھا، لیکن نہ جانے کیوں آج دل کو وہ سکون نہیں تھا، جو اس کی طبیعت کا خاصہ تھا، وہ بے طرح بے کل تھا، دوپہر تک بار بار وہ لاؤنج کی کھڑکی سے باہر جھانکتا، کبھی باہر گلی میں نکل کر، شمیم اس کی بے چینی اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔

''اتنا ہی بے صبری سے انتظار ہو رہا ہے تو فون کر لو۔'' انہوں نے بیٹے کو چھیڑا۔

''ہاں ہاں فون نہیں تو میسج ہی کر دو سیفی بھیا، اب تو میری بھی دھڑکنیں رکنے لگی ہیں۔'' انعم نے ایک ہاتھ سے سینڈوچ کھاتے اور دوسرے ہاتھ سے چینل سرچ کرتے ہوئے کہا تو وہ سچ میں چڑ گیا۔

''میں نہیں کرنے والا کوئی کال کوئی میسج او کے اور نہ ہی مجھے کسی کا انتظار ہے۔'' برا منہ بناتے ہوئے اس نے بہن کے ہاتھ سے ریموٹ جھپٹا۔

''اور تم کیا ہر دوسرے روز چھٹی منا لیتی ہو کالج سے، امی میرے خیال میں اس کے ہاتھ پیلے کر دیں، پڑھائی اس کے بس کی بات نہیں۔'' اس نے انعم کو آنکھیں دکھانے کے ساتھ ماں کو بھی مشورہ دیا، وہ مسکرا دیں۔

''اب اتنا غصہ دکھاؤ گے تو وہ مزید چڑ جائے گی تمہیں، ویسے تم بھی توانا کے پتلے ہو، ہار بار وہ ہی آتی ہے، اس بار تم اور انعم چلے جاؤ ناں۔'' امی نے سبزی کی ٹرے گود میں رکھتے ہوئے اس سے کہا۔

''جی، جس طرح تائی نے میری اس دن اپنے سارے کولیگز کے درمیان انسلٹ کی نہ، آپ بھی سن لیتیں تو مجھے یہ نہ کہتیں، مجھ میں انا نہیں بلکہ عزت نفس ہے امی، ٹھیک ہے وہ لوگ امیر ہیں ان کے مالی حالات ہم سے اچھے ہیں، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمیں وہ صرف تایا ابو کی وجہ سے ہی عزیز ہیں، نہ کہ ان کی اس عظیم الشان سٹیٹس کی وجہ سے۔'' وہ آج دل کی ساری بھڑاس نکال دینے پہ آمادہ تھا، شمیم اختر اس بار خاموش رہیں تھیں۔

''پھر بھی بھائی، امرحہ تو ایسی نہیں ہے ناں، آپ میسج کر کے ذرا پوچھیں تو سہی ناں۔'' انعم اس بار پریشانی سے بولی۔

''او کے، ایک تو تم بھی نہ بھیجا کھا جاتی ہو۔'' وہ جس کا دل خود مچلا جا رہا تھا، بہن کے سامنے ہنستے ہوئے بولا۔

''جی جی، وہ بھی بنا فرائی کیے۔'' انعم نے زبان دکھائی۔

سیف نے اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے پیغام لکھا اور سینڈ کر دیا، جب کافی دیر تک جواب نہ آیا تو اس نے کال ملائی، امی اور انعم کی مسکراتی نظریں اس کے چہرے پہ جمی تھیں، جس پہ انتظار کی جگہ رفتہ رفتہ بے چینی اور غصے نے لے لی تھی۔

''کہا تھا نہ کہ اسے ہم سب سے زیادہ اپنی ماں کی عزت اور جھوٹا وقار عزیز ہے اور اس کے لئے وہ ہم سب کو بھی پاؤں کی ٹھوکر رسید کرنے

سے باز نہیں آئے گی، دیکھ لینا آپ دونوں۔"
غصے سے کہتے ہوئے اس نے سیل فون صوفے پہ پھینکا تھا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

"بھائی شاید سچ کہتے ہیں، ہمیں اس طرح اب امرحہ کے حوالے سے ان کو تنگ نہیں کرنا چاہیے تھا امی۔" انعم اب پشیمان تھی۔

"ہاں تم سچ کہہ رہی ہو۔" امی بھی اب پریشان ہو چکی تھیں۔

"تم دونوں ہی غلط سوچ رہی ہو۔" سردار صاحب وہیل چیئر گھسیٹتے وہاں آئے تھے، انعم فوراً ان کی طرف بڑھی تھی۔

"وہ کیسے سردار صاحب؟" شمیم اختر نے حیرت سے پوچھا۔

"تم لوگ سیفی بابا کو تنگ نہ بھی کرو، تو بھی یہ بات اسے پریشان کیے رکھے گی، بھائی صاحب نے جب سیفی اور امرحہ کی بات پکی کی تھی، تب امرحہ بچی تھی، مگر سیفی چودہ سال کا سمجھ دار بچہ تھا اور پھر اس کی رگوں میں پٹھان خون ہے، پٹھان اس معاملے میں بہت انتہا پسند ہوتے ہیں، ان کے لئے زبان ہی سب سے اہم چیز ہوتی ہے اور یہاں زبان نہ صرف میری، سیفی کی ہے، بلکہ مرحوم بھائی صاحب کی بھی ہے، ایک طرح ان کی وصیت ہے یہ، سو سویرا بھابھی کے لئے نہ سہی کم از کم میرے اور سیف کے لئے یہ بات ہمیشہ دکھ اور کرب کا ہی باعث بنے گی۔" انہوں نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"دکھ تو ہمیں بھی ہے، سچ کہوں تو امرحہ مجھے بھی بے حد عزیز ہے، مگر سویرا بھابھی کا رویہ ہم سب کے سامنے ہے، اس کے بعد ہم کچھ کرنے کے قابل ہی کہاں رہتے ہیں۔" شمیم اختر نے ان کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"مسئلہ صرف تائی امی کا نہیں ہے۔" تبھی سیف علی وزیر باہر آیا تھا۔

"مسئلہ سارا امرحہ کا ہے امی، وہ اب عاقل بالغ ہے، اپنا فیصلہ خود کر سکتی ہے، مگر اس کے لئے اب مرحوم باپ کا فیصلہ کوئی معنی نہیں رکھتا اور اس نے صاف کہا ہے کہ اگر اس کی ماں نے یہ رشتہ توڑا تو وہ ماں کی بات رد نہیں کرے گی اور تائی جان کے رویے سے تو سب کو یہ اچھی طرح پتہ چل ہی چکا ہے کہ وہ یہ رشتہ ختم نہیں کریں گی بلکہ کر چکی ہیں کب کا ختم۔" ضبط سے اس کی سفید رنگت سرخ پڑتی جا رہی تھی، وہ اس وقت بے حد غصے میں تھا۔

"یہی تو ساری بات ہے سیفی بابا۔" سردار صاحب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ملائمت سے کہا۔

"امرحہ سمجھدار ہے سو اب ہم بالکل مجبور ہو کر رہ گئے ہیں، اب ہم سوائے صبر کے اور کچھ بھی نہیں کر سکتے۔" سردار صاحب نے بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"کر تو خیر بہت کچھ سکتے ہیں بابا، بس اللہ ساتھ دے دے اور آپ دعا کریں۔" سیف کی آنکھوں اور چہرے پہ مسکراہٹ ابھری تھی، امید بھری مسکراہٹ، سردار صاحب خوش ہو گئے۔

"یہ ہوئی نہ شیروں والی بات۔" انہوں نے زور سے قریب بیٹھے بیٹے کی پیٹھ تھپتھپائی تھی، سیف کھل کے مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

صرف ایک ہفتہ وہ چاچو کے گھر نہ جا پائی تھی، مگر یوں لگ رہا تھا جیسے کئی صدیاں بیت گئیں تھیں، وہ بہت اداس تھی، اس پر بار بار نظر دائیں ہاتھ میں پہنی ڈائمنڈ رنگ پر پڑتی تو جیسے دل کرچی کرچی ہو جاتا۔

اور ادھر شاہ زین کا بے دھڑک سا انداز، وہ ہر دوسرے تیسرے روز اسے گھمانے کے لئے لے جانے آ جاتا اور وہ بہت مشکلوں سے اس کو ٹالتی اور اس بات پہ کئی بار وہ مما سے بھی ڈانٹ کھا چکی تھی، مگر اس نے اس بار ان کو کلیئر کر دیا تھا کہ اس نے شادی کے لئے تو ہاں کر دی ہے مگر شادی سے پہلے اسے مزید کسی چیز کے لئے دباؤ نہ ڈالا جائے اور سویرا نے اس کی بات مانتے ہوئے طریقے سے شاہ زین کو بھی سمجھا دیا تھا، تب کہیں جا کر اس کی جان چھوٹی تھی۔

آج ہفتہ تھا اور وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اب اسے وہاں جانا چاہیے کہ نہیں، اس میں اس گھر کے کسی بھی فرد کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی، منگنی والے دن بھی چاہتے ہوئے بھی وہ سیف کی نہ تو کال پک کر سکی اور نہ ہی اس کے میسج کا جواب دے سکی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ سیف کس قدر ناراض ہوگا، وہ چاہے کتنا ہی خود کو لاپرواہ بناتی مگر سیف نے اسے ہر قدم پر ہر موڑ پر باور کرایا تھا کہ وہ اس کی امانت ہے اور وہ اسے حاصل کرنے کے لئے کسی بھی حد تک جانے سے نہیں رکے گا اور امرحہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ واقعی ایسا تھا، اپنے قول و فعل کا سچا، وہ جو کہتا تھا وہی کرتا تھا۔

یہ بات بھی اسے اندر تک ہولائے دے رہی تھی کہ ضرور کچھ نہ کچھ تو سیف بھی سوچے گا، جب اسے اس کی منگنی اور اس قدر جلد شادی کی خبر ملے گی اور اسی لئے اس نے ماں کو منع بھی کیا تھا کہ کسی طرح بھی اس بات کی بھنک بھی ان لوگوں کو نہیں ہونی چاہیے، وہ اس بات سے انجان تھی کہ ہمیشہ اپنی امارت کا ڈھول پیٹنے والی سویرا خاتون اس مرتبہ بھی ڈھیر سارے لوازمات کے ساتھ دیور بھابھی کے گھر منگنی کی خبر پہنچا چکی ہیں، امرحہ بے خبر تھی کہ سیف کی خاموشی بلاوجہ یا نہیں بلکہ کسی بہت بڑے طوفان کی پیش خیمہ تھی۔

بالآخر اس نے خود کو وہاں جانے کے لئے تیار کیا تھا اور وہاں سب سے پہلے سیف کا سامنا نہ ہونے پہ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر بھی ادا کیا تھا۔

''میری بیٹی آئی ہے۔'' سردار چاچا صحن میں ہی چارپائی پہ بیٹھے حقہ پی رہے تھے، اسے دیکھ کر ان کا چہرہ کھل اٹھا، وہ بھی تیزی سے جا کر ان سے لپٹ کر بیٹھ گئی۔

''یہ اب آپ کی بیٹی نہیں رہی بابا، پرائی ہو گئی ہے۔'' انعم اداسی سے کہتی اس کے قریب آئی، امرحہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

''تو کیا امی ان کو سب بتا چکی ہیں۔'' اس کا دل لرزنے لگا۔

''انعم، بری بات بیٹا، بہن کو تنگ نہیں کرتے۔'' شمیم اختر بھی وہیں چلی آئیں۔

''کیسی ہو امرحہ بیٹا، امی کیسی ہیں؟'' شمیم اختر نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہیں چاچی۔'' وہ مختصر جواب ہی دے سکی۔

''چاچا، آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟'' اس نے چاچا کے کندھے دباتے ہوئے پوچھا، وہ شفقت سے اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرنے لگے۔

''تم آ جاتی ہو نہ تو بس اچھا ہو جاتا ہوں۔''

''آج تو بابا نے چند قدم واک بھی کی۔'' انعم نے خوش ہوتے ہوئے بتایا، تبھی اس کی نظر برآمدے میں ایک سائیڈ پہ کھڑی گاڑی پہ پڑی تھی، اس کی آنکھوں میں حیرت امڈ آئی تھی۔

''یہ گاڑی؟'' بے ساختہ ہی اس کے لبوں سے پھسلا تھا۔

"یہ سیف کو ملی ہے اس کی کمپنی کی جانب سے۔" قسیم کی آنکھوں میں بیٹے کے لئے فخر چھلکا۔

"پتہ ہے بھائی کو جلدی ایک اچھی جگہ پہ فرنشڈ گھر بھی مل جائے گا۔" انعم چہکی۔

"اچھا، ویسے ایسی کون سی نوکری مل گئی ہے خان صاحب کو کہ اتنی شاندار گاڑی بھی مل گئی اور گھر بھی ملنے والا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی، نظریں سامنے ہی کھڑی بلیک کرولا پہ جمی تھیں۔

"تم نے کب سے اپنی امی کی زبان بولنا شروع کر دی۔" بھاری مردانہ لہجے پہ وہ بری طرح چونکی تھی، نہ جانے کب وہ اس کے پیچھے آ کے کھڑا ہوا۔

"نن...... نن...... نہیں...... وہ...... مم...... میں تو......" وہ ہکلا کے رہ گئی۔

"مذاق کر رہا ہے امرحہ بیٹا، تم بھی نہ کس کی باتوں میں الجھ جاتی ہو۔" شمیم چاچی نے سیف کو آنکھیں دکھائیں، وہ آ کر بالکل امرحہ کے سامنے دوسری چارپائی پہ ماں کے ساتھ آ بیٹھا، گہری سیاہ آنکھیں البتہ امرحہ کے صبیح چہرے پہ جمی رہیں۔

سفید دودھیا رنگت گلابی رنگ کے سوٹ کے سادہ سوٹ میں کچھ اور نکھری سی گئی تھی، لمبے بال جو بے حد سیاہ تھے، پونی میں قید کر کے حسب عادت اس نے ایک طرف آگے کو کاندھے پہ ڈال رکھے تھے، نہ جانے کیوں آج اس کی سبز جھلملاتی آنکھیں اس کی طرف نہیں دیکھ پا رہیں تھیں، جبکہ وہ چاہتا تھا کہ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکے اور ایک مرتبہ پھر وہ کوئی طلسم پھونکے، شاید کہ اس بار اس کا جادو اثر کر جائے۔

تبھی اس کی نظر بے خیالی میں اپنے سفید دودھیا ہاتھوں میں پڑی ڈائمنڈ رنگ پر پڑی اور نظریں یہیں جم سی گئیں۔

"بہت خوبصورت دن ہے آج ہے ناں امی۔" وہ بے تکی بات کر گیا تھا، یا کم از کم امرحہ کو تو ایسا ہی لگا تھا، سردار صاحب اندر جا چکے تھے، شمیم اختر نے بیٹے کی بات پہ صرف سر ہلایا تھا اور انعم کو امرحہ کے لئے کچھ بنانے کا کہہ کر خود بھی اندر چلی گئیں۔

"میں بھی ابھی آتی ہوں امرحہ؟" انعم اسے کہہ کر تیزی سے اندر بھاگ گئی وہ اسے آوازیں دیتی رہ گئی۔

"بے حد خوبصورت رنگ ہے نہ۔" اس نے ہاتھ سے امرحہ کے ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، امرحہ کا سانس رکنے لگا۔

"لیکن میرے نام کی نہیں، تمہیں کچھ تو تکلیف ہوئی ہوگی امرحہ؟" وہ شاید تسلی چاہتا تھا جو وہ اسے دینا نہیں چاہتی تھی۔

"تکلیف کیسی؟ اس موقع پر تو ہر لڑکی کو خوشی ہوتی ہے۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"اوہ اگر اس موقع پہ تو ہر لڑکی کو بے حد کرب اور اذیت برداشت بھی کرنی پڑتی ہے؟" اس کی نظریں امرحہ کی سبز آنکھوں میں جھانکنے لگیں۔

"کس موقع پہ؟" وہ بھی حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

سیف نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے باندھے اور ذرا سا پیچھے کو ٹیک لگا لی۔

"جب اس کی پہلی منگنی ٹوٹتی ہے۔" وہ کافی دیر بعد بولا تھا، بالکل اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور امرحہ کو لگا کہ جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر زور سے مسل دیا تھا، اس کی پلکیں نم ہونے لگیں۔

''بولو امرحہ!'' امرحہ پھر نظریں جھکانے لگی تھی اور وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ امرحہ اس کی آنکھوں میں دیکھے، اس کے اندر کو جانچ لے اس کی آنکھوں کو پڑھ لے، مگر امرحہ پلکیں جھکا گئی تھی، تبھی انعم وہاں آئی تھی، اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی امرحہ کی من پسند کھانے کی چیزوں سے بجی، اس نے امرحہ کے قریب ہی چارپائی پہ رکھ دی۔

''میں چائے بھی لے کر آتی ہوں۔''
خاموشی محسوس کر کے وہ اسی طرح واپس پلٹ گئی تھی، سیف امرحہ کی طرف دیکھتا رہا، جواب کا منتظر رہا، مگر امرحہ خاموش رہی، بالکل کسی پرسکون ندیا کی طرح، کہ کسی وادی کی ساری دلکشی اسی خاموش ندی کی اداسی میں سمٹ جاتی ہے، ویسے ہی ان دونوں کے رشتے کی ساری خوبصورتی اس وقت اس خاموشی میں سمٹ آئی تھی۔

اور پھر ایک تھکا دینے والی خاموشی کے بعد جیسے کسی پرسکون جھیل میں پتھر گرا تھا، سیف علی وزیر نے ایک لمبی سانس کھینچی تھی۔

زمین پر ہے مگر آسمان جیسی ہے
وہ نرم نرم سی لڑکی چٹان جیسی ہے
میرے حروف بھی جھوٹے ہیں میرے جذبے بھی
میری کہانی بھی سارے جہان جیسی ہے
یہ شام مل کے بچھڑنے کا استعارہ ہے
یہ رات ہجر کے کالے نشان جیسی ہے
ہوائیں روز بجھاتی ہیں خواہشوں کے دیے
یہ زندگی بھی اندھیرے مکان جیسی ہے
میں اپنے ساتھ ہوں یا کوئی دوسرا ہے
یقین کی یہ گھڑی بھی گمان جیسی ہے

مدھم لہجے میں کہتا وہ اس کی روح کو منوں بوجھ تلے دبا چھوڑتا وہاں سے اٹھ گیا تھا، اسی خاموشی کے ساتھ، جس خاموشی سے اس کے دل کی خوشیاں اٹھیں تھیں۔

زندگی میں شاید پہلی بار وہ چاچا کے گھر سے لوٹتے وقت بے حد خوش تھی نہ بے حد پرسکون، وہ بے طرح اداس تھی، بے چین تھی اور اس کے ہاتھ بالکل خالی رہ گئے تھے، جادوگر کا جادو چل چکا تھا، اس نے دل سے مان لیا تھا، مگر اب اس کا کوئی فائدہ نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

جوں جوں اس کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے، ویسے ویسے وہ بجھتی چلی جا رہی تھی، سیف آفس کے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر تھا، دو ماہ کے لئے، وہ اس کے نہ ہونے سے جس قدر پریشان تھی اس قدر مطمئن بھی تھی کہ کم از کم اس کی غیر موجودگی میں وہ اس عرصے کے دوران آرام سے چاچا کے گھر جا سکتی تھی۔

نہ جانے کیوں اب اسے سیف کا سامنا کرنا سے ڈر لگتا تھا، یوں جیسے وہ ہار جائے گی اور سیف اس سے اپنی محبت منوا لے گا۔

آج پھر وہ انعم سے ملنے کے بہانے وہاں چلی آئی تھی، حالانکہ سچ ہی تھا کہ اس گھر کے فرد تو کیا اس گھر کا کونہ کونہ اسے عزیز تھا اور یہ بھی وہ جانتی تھی کہ شادی کے بعد شاید ہی وہ اس گھر سے رشتہ جوڑ پاتی، کیونکہ سیف کی بہت کچھ جتلاتی آنکھیں، اس کے مرحوم باپ کے خواب اور خواہش اور پھر مجبور چاچا کی بجھتی آنکھوں کی لو، یہ سب اسے اندر تک تڑپا دیتیں تھیں۔

سو اس نے یہی فیصلہ کیا تھا، کہ شادی کے بعد ان کے ہاں آنا وہ بالکل ترک کر دے گی۔

''امرحہ تم نے کچھ بتایا ہی نہیں اپنے ہونے والے سسرال کے بارے میں، کیسے ہیں وہ لوگ۔'' انعم نے مزے سے جوس کا گلاس ختم کر کے اس سے پوچھا، جو ابھی تک اپنا گلاس

ویسے ہی پکڑے خیالوں میں گم تھی۔
''بہت امیر ہیں، پتہ ہے انعم امی کہتی ہیں کہ ان کا اتنا بڑا گھر ہے کہ اگر میں پورا دن بھی چلتی رہوں تو ان کے خوبصورت لان کی حد ختم نہ ہو اور اس لان میں دنیا کے خوبصورت ترین پودے لگائے گئے ہیں، تین تین گاڑیاں ہیں ان کے پاس اور...... اور...... اور۔'' وہ کسی روبوٹ کی طرح بولتی گئی، انعم کو اس کے انداز پہ حیرانی ہوئی۔
''تم ٹھیک ہو امرحہ۔'' وہ پریشان ہوئی، امرحہ اداسی سے مسکرا دی۔
''تمہیں کیا لگتا ہے انعم۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔
''مجھے لگتا ہے تم خوش نہیں ہو امرحہ۔'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔
''تم نے چاچی کی باتوں میں آ کر اپنی خوشیاں قربان کر دیں ہیں، مجھے ایسے لگتا ہے امرحہ جیسے بچپن سے سیفی بھیا کے نام سے منسوب رہ کر اب تم کبھی بھی شاید کسی کو دل سے نہ اپنا سکو۔'' انعم نے دل کی بات کہہ دی تھی۔
''مگر میں تب بھی خوش نہ رہتی انعم، جب میری اتنی بڑی خوشی میں، میں میری ماں خوش نہ ہوتی۔'' وہ اداس تھی، نظریں دور آسمان پر اڑتے پرندوں پر جمی تھی۔
''اور پتہ ہے مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ اس سب معاملے میں معیار صرف دولت اور امارت کو رکھا گیا ہے، امی کو آج بھی لگتا ہے کہ سیف مجھ سے شادی صرف زندگی کی آسائش پانے کے لئے کرنا چاہتا ہے، امی کے لئے خونی رشتوں، زبان کی کوئی اہمیت نہیں مگر حد تو یہ ہے کہ وہ سب کو اس نظر سے دیکھنے لگیں ہیں۔'' وہ تاسف سے بولے گئی، انعم اس کا درد سمجھ سکتی تھی، تبھی خاموشی سے سر ہلا گئی۔
''تم بھی کسی حد تک ٹھیک کہتی امرحہ، مگر تمہاری نیت صاف ہے، تم نے اپنی ماں کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کیا ہے، دیکھنا خدا بھی تمہاری مدد کرے گا۔'' اس نے امرحہ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اسے تسلی دی۔
''خیر چھوڑو ہم بھی کیا بات لے کر بیٹھ گئے، ایک بات پوچھوں سچ بتاؤ گی؟'' اچانک ہی اسے کچھ یاد آیا تھا، تو اس نے انعم سے کہا۔
''ہاں ہاں پوچھو۔'' وہ فوراً سر ہلا گئی۔
''سیف کو کہاں جاب ملی ہے؟ آئی مین ابھی اسے جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے، کہا تنی شاندار گاڑی اور بہترین سیلری۔'' اس کے لہجے میں تشویش تھی۔
''اس بات کو لے کر امی بھی پریشان ہیں، مگر تم جانتی ہو کہ امی اور بابا بھیا پہ کتنا ٹرسٹ کرتے ہیں، سو کوئی بھی ان سے یہ سوال نہیں کرتا۔'' انعم نے سادہ لہجے میں جواب دیا۔
''پھر بھی، آج کل حالات کتنے خراب ہیں، نوجوانوں کو پیسوں کا لالچ دے کر ساری عمر کے لئے اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنا لیتے ہیں دشمن عناصر اور پھر ساری عمر ان سے کھلونا بنا کے کھیلتے رہتے ہیں۔'' وہ خوفزدہ تھی۔
''اللہ نہ کرے امرحہ۔'' انعم کا بھی دل دھڑکا۔
''اللہ نہ کرے، مگر یہ سچ ہے، پھر تم خود سوچو حالات بھی اس نہج پہ جا رہے ہیں، میرا اور سیف کا رشتہ صرف اسی امارت کے فرق کی وجہ سے ہی یوں بکھر کے رہ گیا ہے کہ ہم دونوں کزن ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے کترانے لگے ہیں، ایسے حالات میں وہ آسانی سے کسی کا آلہ کار بن سکتا ہے۔'' وہ واقعی پریشان تھی، انعم نے محبت

سے اسے دیکھا تھا۔

''اللہ سیدھی راہ دکھانے والا ہے یار، تم پریشان نہ ہو، وہی ہمارے بھائی کی بھی رکھوالی کرے گا اور اسے برے راستے سے بچائے گا۔'' انعم نے امرحہ کی پریشانی دور کرنے کے لئے کہا۔

''ہاں، یہ بات تو سچ ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے، بے شک۔'' امرحہ نے بھی تائید اً سر ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

''سیفی بھائی، میں ان دونوں عورتوں کو لے آیا ہوں، مگر وہ دونوں کچھ بھی نہیں بتا رہیں۔'' وہ لیپ ٹاپ پہ کام کرتے ہوئے مسلسل سگریٹ پھونکے جا رہا تھا، جب اس کے موٹے سیاہ رنگت والے ساتھی نے آکر اطلاع دی۔

''ہوں۔'' اس نے ہنکارا ابھرا اور ہاتھ میں جلتی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی۔

''کہاں رکھا ہے ان دونوں کو۔'' اس نے لیپ ٹاپ پہ ہی نظریں جمائے ہوئے پوچھا۔

''ان دونوں کو نیچے تہہ خانے میں پہنچا دیا ہے۔'' وہ مودب انداز میں بولا۔

''پوری عزت کے ساتھ۔'' مختصر سوال۔

''آپ کا حکم تھا بھائی، کوئی چوک کیسے ہو سکتی تھی بھلا۔'' وہ آدمی شاید اس کا کچھ زیادہ ہی وفادار تھا۔

''گڈ...... اچھا، دوسرا کام جو دیا تھا تمہیں وہ ہو گیا۔'' وہ ابھی تک لیپ ٹاپ پر مصروف تھا، مگر آنے والے سے سوال بھی جاری تھے۔

''جی بھائی اس کا بھی پتہ کیا ہے، اگلے مہینے کی پانچ تاریخ کو رخصتی ہے۔'' کی پیڈ پہ چلتے ہاتھ ایک دم سے رکے تھے۔

''مطلب آج سے صرف دس دن بعد۔'' ایک اور سگریٹ جلایا۔

''جی بھائی۔'' وہ آدمی یونہی مودب کھڑا رہا۔

''اوکے ٹھیک ہے، تم ایڈوکیٹ احمد سے میری میٹنگ کا انتظام کرو، بے حد اہم ہے میٹنگ، کوئی کوتاہی نہیں اوکے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''جی بھائی۔'' اس نے فوراً یقین دلایا۔

''اور ہاں ہفتے کے دن ٹھیک دس بجے دلہن گھر سے نکلے گی، کسی بھی نظر میں آئے بغیر اسے اس جگہ لانا ہے اور ایک بات کا خیال رہے۔'' وہ اٹھ کر اس کے سامنے آٹھہرا تھا۔

''جی بھائی۔'' وہ فوراً نظریں جھکا گیا۔

''جانتے ہو نہ وہ کون ہے؟ اور اسے کس حیثیت سے یہاں لانا ہے۔'' وہ اس کے چہرے پہ نظریں گاڑتے ہوئے بولا تھا۔

''آپ فکر نہ کریں سیفی بھائی، آپ پہ جان قربان کر دیں گے، مگر آپ کی وفاداری میں کمی نہ آنے دیں گے۔'' وہ ایک عزم سے بولا تھا، سیف علی وزیر مسکرایا تھا۔

''خوش رہو بلال، جاؤ ان دو عورتوں سے میں خود بات کر لوں گا۔'' وہ آدمی سر ہلا کے واپسی کے لئے مڑ گیا، سیف علی وزیر نے ایک لمبی سانس کھینچی اور مسکرا دیا تھا، جو بھی وہ کرنے جا رہا تھا اس میں بے حد رسک تھا، مگر عشق میں رسک نہ ہو تو اکثر ناکام ہو جاتا ہے، خطرہ لے لینے سے انسان کو ورنہ یہ خوش تو رہتی ہے کہ اس نے عشق کے لئے کچھ تو کیا تھا، ہار نہ مانی تھی، یہی فیصلہ سیف علی وزیر کا تھا۔

☆☆☆

''کہاں جا رہی ہو امرحہ۔'' وہ گلابی شال اوڑھے کمرے سے باہر نکلی تو سویرا کی تیز آواز پہ ٹھٹھک کے رک گئی۔

''آج ہفتہ ہے امی، کم از کم یہ سوال تو آپ کو نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔'' خود بخود اس کے لہجے میں طنز ابھرا۔

''صرف تین دن بعد تمہاری شادی ہے اور تم......'' وہ خفا لہجے میں بولی۔

''تو تین دن پہلے ہی کیا چادر لے کر ایک کونے میں بیٹھ جاؤں، کیا ہے امی، اب جب کہ آپ کی ہر بات مان لی میں نے، سیف بھی خاموش ہو گیا، پھر بھی آپ کو پرابلم ہے میرے وہاں جانے سے۔'' وہ ناراض ہوئی۔

''پرابلم مجھے نہیں، پرابلم تم کری ایٹ کر رہی ہو، شادی کے بعد بھی کیا تم یوں روز روز منہ اٹھائے وہاں چل پڑو گی، تو سوچو ذرا تمہارے گھر والوں پہ ہمارا کیا تاثر ابھرے گا۔'' وہ تلخی سے بولیں۔

''وہ ہمارے خونی رشتے ہیں امی، کوئی گرے پڑے لوگ نہیں، مگر پھر بھی بے فکر رہیں، شادی کے بعد میں خود بھی وہاں نہیں جانا چاہتی۔'' اس نے رخ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، مگر بعد میں اس بات سے مکر مت جانا او کے۔'' اسے تنبیہ کرتی وہ آگے بڑھ گئیں، امرحہ بوجھل دل لئے مرے مرے قدموں سے گاڑی کی طرف آئی، جہاں ڈرائیور اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''آپ جائیں کاکا، آج میں خود چلی جاؤں گی۔'' اس نے گاڑی کے فرنٹ ڈور سے ٹیک لگائے ڈرائیور سے کہا، اس نے فوراً چابیاں آگے کر دیں اور گیٹ کھولنے لگا، وہ گاڑی باہر لے آئی۔

آج صبح سے ہلکی ہلکی بونداباندی نے اس کے اندر کے موسم کو بھی جل تھل کر دیا تھا، گھر سے کچھ دور مین روڈ پہ آتے ہی اس کی آنکھوں سے پانی بہنا شروع ہو گیا، اس نے گاڑی کی رفتار بے حد مدہم کر دی، سامنے کے منظر دھندلانے لگے تھے، لیکن پھر بھی اس نے ڈرائیونگ جاری رکھی تھی۔

''صرف ایک ماں کی خواہش، جو میں جانتی ہوں کہ سراسر زیادتی پہ مشتمل ہے، کی تکمیل کے لئے میں کتنے لوگوں کا دل توڑ رہی ہوں۔'' اس نے اپنے آپ کو ڈانٹا تھا، وہ اس بھیگے موسم میں اس قدر اکیلی ہو گئی تھی کہ اسے اپنے اندر کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

''لیکن میں ماں کی نافرمانی بھی نہیں کر سکتی، صرف ان کا دل دکھا کر میں ساری عمر خوش نہیں رہ پاؤں گی۔'' اس نے خود کو جواب دیا تھا۔

تبھی ایک تیز رفتار گاڑی نے اسے کراس کیا تھا، اس کے ہاتھ ذرا سے کپکپائے تھے اور گاڑی اس کے کنٹرول سے باہر ہو گئی، بڑی مشکل سے اس نے تیزی سے بریک لگائی، ٹائر چلائے تھے، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

''ہاں، اچھا ہے میرا ایکسیڈنٹ ہو جائے اور میں مر جاؤں۔'' اس نے جیسے ایک دم ہی فیصلہ کیا تھا، سختی سے ہاتھوں کی پشت سے گیلے گالوں کو رگڑ کے صاف کیا اور دوبارہ سے گاڑی سٹارٹ کر دی اور اس سے پہلے کہ وہ گاڑی آگے بڑھاتی، ایک بلیک لینڈ کروزر نے اس کا راستہ روک دیا، امرحہ کا دل دھڑک اٹھا تھا، اس وقت روڈ سنسان تھا، کچھ بھی ہو سکتا تھا، اس نے تیزی سے دل میں دعا کی تھی، گاڑی سے دو آدمی باہر آئے تھے، اس نے تیزی سے دروازہ چیک کیا دروازہ لاک نہیں تھا، اس نے نازک سے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور اس سے پہلے کہ وہ لاک کر پاتی وہ اس کے پاس پہنچ چکے تھے، وہ سیاہ پکی رنگت والا آدمی اس کے قریب ہوا تھا، وہ ہذیانی

انداز میں اسے دھکیلتے ہوئے چلائی تھی، مگر وہ اس کی سوچ سے زیادہ طاقت ور تھا، اس نے ایک ہی ہاتھ سے اسے بے بس کر دیا تھا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا رومال اس کے چہرے پہ رکھ دیا، صرف چند سیکنڈز لگے تھے، امرحہ کے وجود کو بے حس و حرکت ہونے میں، وہ مکمل طور پہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

☆☆☆

ان دونوں عورتوں کی عمر میں کافی فرق تھا، اس کے اندازے کے مطابق اگر ایک چالیس سال کی تھی تو دوسری پچیس سال کی، تہہ خانے کے نیم تاریک ماحول میں بھی ان دونوں کی رنگت دمک رہی تھی، وہ دونوں واقعی ہی بے تحاشہ حسین تھیں۔

اسے تہہ خانے کی سیڑھیاں اترتے دیکھ کر بڑی عورت ایسے مسکرائی تھی، جیسے کوئی دکاندار کافی عرصے بعد کسی گاہک کو دیکھ کر یا شکاری شکار پھنستا دیکھ کر مسکرا اٹھے، جبکہ دوسری لڑکی نے بس ایک نگاہ اس کے خوبرو سراپے پہ ڈالی تھی اور نظریں جھکا گئی تھی، سیف علی وزیر اس حیاء پہ ازحد حیران ہوا تھا، وہ آہستہ آہستہ چلتا ان کے قریب ہی رکھی کرسی سنبھال گیا، یوں کہ کرسی کی پشت پہ اس کے دونوں ہاتھ ٹک گئے، عورت مسلسل اسے گھورے گئی اور مسکراتی رہی۔

''جی کہیے۔'' سیف بھی براہ راست اسی سے مخاطب ہوا۔

''ہم کیا کہیں، ہماری کیا مجال، آپ فرمائیں، کوئی خدمت ہو ہمارے لائق تو۔'' وہ پورے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بولی۔

''ہمیں خدمت کی کوئی ضرورت نہیں بے فکر رہیں۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ قطعی لہجے میں بولا، اس نے سامنے والی کی آنکھوں میں صاف مایوسی تیرتی دیکھی تھی۔

''تو فیر یوں ہمیں یہاں لانے کا مقصد۔''

وہ بیڈ سے اتر کر اس کے بالکل قریب آ ٹھہری، تیز خوشبو کے جھونکے سے سیف کے سر میں درد سا ہونے لگا، اس نے دیکھا کہ بیڈ پہ سمٹی بیٹھی لڑکی ایک نظر اس پہ ڈالتی اور پھر فوراً جھکا لیتی۔

''یہ کون ہے؟'' سیف نے اس لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''مال ہے۔'' عورت پھر مسکرائی، سیف کو اس کی مسکراہٹ زہر لگی۔

''میں اِدھر اُدھر جاتی نہیں، یہ تو تیرے آدمیوں نے آفرایسی کر دی کہ میں آ ہی گئی، ورنہ چندا بائی کوئی عام عورت نہیں، جو یوں ہرایرے غیرے کے گھر مال سپلائی کرتی پھرے۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑے تیز گلابی رنگ کے پرس میں سے سگریٹ نکال سلگاتے ہوئے کہا۔

''ویسے ہے تو بڑا دلربا سا۔'' وہ اچانک ہی سیف کے قریب آئی تھی اور اس کے بالوں کو چھو گئی، سیف جھٹکے سے اٹھا اور دور ہٹا تھا، اسے خود سے گھن آنے لگی۔

''کبھی کبھی ادھر بھی چکر لگا لیا کر، میری تیرے آگے کیا اوقات، مگر خیر مجھے تو تیرے درشن ہو جائیں گے ناں۔'' وہ خباثت سے بولی۔

''کام کی بات کریں۔'' سیف نے لہجے کو سخت کیا۔

''بلال!'' وہ دھاڑا تھا، اس کے لہجے میں اچانک سے در آنے والی سختی سے وہ عورت بھی بوکھلا گئی تھی، بلال فوراً اندر آیا تھا۔

''ان کو مہمان خانے میں لے جاؤ اور مجھے یہاں کوئی ڈسٹرب نہ کرے، کوئی مطلب، کوئی بھی۔'' اس نے سختی سے بلال کو تاکید کی تھی، اس کی بات پہ جہاں اس عورت کے لبوں پہ پھر

مسکراہٹ کھیلی تھی، بیڈ پہ بیٹھی لڑکی خود میں سمٹ گئی تھی، بلال اس عورت کو لے کر اوپر کی طرف بڑھ گیا، سیف علی وزیر نے ایک طائرانہ نگاہ کمسن سی لڑکی پہ ڈالی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆

''بھائی! لڑکی کو آپ کے روم میں پہنچا دیا ہے، آگے کیا حکم ہے؟'' وہ شاور لے کر باہر نکلا تو بلال چائے لئے اس کا منتظر تھا فوراً بول اٹھا۔

''کوشش کرو کہ زیادہ تر سوئی ہی رہے اور ڈاکٹر کی ضرورت نہ پڑے خیال رہے۔'' اس نے تولیہ سے سر خشک ہوئے اسے ہدایات دیں، وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

''اور دوسری دو عورتیں بھائی۔'' سر جھکائے سوال کیا گیا۔

''بڑی بی کو تو یہیں رہنے دو، چھوٹی کو جا کر گاڑی میں بٹھاؤ، میں آ رہا ہوں۔'' اس نے چائے کا کپ تھامتے ہوئے ایک اور حکم صادر کیا اور بلال کو کمرے میں چھوڑ کر اوپر اپنے کمرے میں آ گیا، بیڈ پہ پڑا سکون سے آنکھیں بند کیے، وجود اس کی تمام تر توجہ لے گیا، وہ چائے کا کپ تھامے بیڈ کے قریب رکھی کرسی پہ آ بیٹھا اور دھیرے دھیرے اپنی چائے ختم کرنے لگا، نظریں بدستور پرسکون سرخ و سفید چہرے پہ جمی تھیں، جس کی بند آنکھوں پہ گری لمبی کالی پلکیں ہلکے ہلکے لرز رہی تھیں، اتنی گہری بے ہوشی میں بھی شاید وہ ذہنی طور پہ بیدار تھی، خوف ابھی تک جاگ رہا تھا اس کے ذہن کے پردے پہ، سیف کو ایک لمحے کے لئے اس کے لئے بے حد برا محسوس ہوا، اس نے چائے کا خالی کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور نرمی سے اس کا نرم مرمریں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا، کچھ تو اثر تھا اس کے مضبوط ہاتھوں میں کہ جسے بیڈ پہ لیٹے ساکت وجود نے فوراً محسوس

کیا تھا، پلکوں کی لرزش مکمل طور پہ بند ہو چکی تھی، کسی اپنے کے ساتھ ہونے کو شاید اس نے محسوس کیا تھا، تبھی اب اس کا ذہن مکمل طور پہ مطمئن ہو کر سو چکا تھا۔

''آئم سوری امرحہ! مگر یقین مانو اس سے تکلیف دہ وہ تھا جو انجانے میں تم کرنے جا رہی تھیں، میں نے جان بوجھ کر جو بھی کیا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس سب کا کفارہ ادا کروں گا، تمہیں یقین ہو گا کہ میں صحیح تھا اور یہ یقین تمہیں میں دلاؤں گا، میرا وعدہ ہے تم سے۔'' اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ واپس بیڈ پر رکھتے ہوئے کہا اور تیزی سے وہاں سے باہر نکل آیا۔

وہ باہر آیا تو بلال اس لڑکی کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔

''بھائی آپ کہتے تو میں چھوڑ آتا اس کو واپس۔'' اس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی بلال کھڑکی میں جھک کر بولا تھا۔

''اسے واپس ہی تو نہیں چھوڑنا بلال علی۔'' وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔

''بس دیکھنا اس عورت کی طرف سے کوئی بھی کوتاہی میں برداشت نہیں کروں گا، ابھی اس سے کافی حساب لینا ہے مجھے۔'' سیف نے اسے پکی عمر کی عورت کے متعلق ہدایات دیں اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

''میں تمہیں بحفاظت تمہارے گھر پہنچا دوں گا، چونکہ تم کل شام ہی گھر سے نکلی ہو تو بات اتنی پھیلی نہ ہو گی اور اگر ایسا کچھ ہوا بھی تو میں سنبھال لوں گا۔'' اس نے سامنے دیکھتے ہوئے لڑکی کو مخاطب کیا۔

''نہیں میں نے گھر چھوڑنے سے پہلے امی ابو سے جھوٹ بولا تھا کہ میں تین دن کے لئے کمپنی کے کام سے باہر جا رہی ہوں، میں

چاہتی تھی کہ امی ابو یا میڈم کسی کے بھی علم میں آنے سے پہلے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔" وہ بکھرے لہجے میں بولی تھی۔

"میرے خیال میں وقت نے تمہیں بہت اچھے طریقے سے سمجھا دیا ہے، مگر پھر بھی ایک بات کہنا چاہوں گا، ماں باپ چاہے کتنے ہی تلخ کیوں نہ ہو جائیں، ان سے بڑھ کر ہمارا خیر خواہ کوئی نہیں ہو سکتا، یہ امیر زادے ایسے ہی اپنی میٹھی باتوں کے جال میں پھنسا کر معصوم لڑکیوں کی زندگی برباد کر دیتے ہیں، مگر اصل بات یہ ہے کہ لڑکیاں آخر اتنی بے وقوف بنیں کیوں؟ اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے جائیں نہ تو کبھی یہ نوبت نہ آئے، مگر مسئلہ یہ ہے کہ تم لڑکیاں ہمیشہ اپنی حیثیت سے اونچے خواب دیکھتی ہو اور کہیں بھی تمہیں ان تک پہنچنے کی سیڑھی نظر آ جائے تو بس چڑھنا شروع کر دیتی ہو، یہ دیکھے بنا ہی کہ سیڑھی کے آخر یہ کوئی منزل نہیں بلکہ ایک گہری اندھی کھائی ہے، گناہ کے دلدل سے بھرپور، جس سے پھر ساری عمر تو لڑکیاں باہر نہیں نکل پاتیں۔" وہ بولتا چلا گیا، لڑکی چپ چاپ اس کے بیچ چہرے کو دیکھے گئی۔

"تمہارے کام پتہ نہیں کون سی نیکی آ گئی کہ تم بلال کے ہاتھ لگ گئیں، ورنہ...... ورنہ ہمارا مقصد تجربہ کار عورتوں کو یہاں لانا تھا جس سے ہمیں کچھ اہم معلومات حاصل ہو سکیں، مگر خیر جو معلومات تم نے دیں، وہ میرے لئے زیادہ اہم ہیں اور یقین مانو تو تمہارا ملنا میرے لئے بھی ایک معجزہ ہی ہے، تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ تم نے میری کتنی بڑی پرابلم حل کی ہے۔" وہ گاڑی ایک نسبتاً تنگ گلی میں موڑنے لگا۔

"اب گھر والوں سے یہی کہنا کہ تم جلدی واپس آ گئی ہو ٹور سے، زندگی میں ہر بات کا اعتراف کر لینا ضروری نہیں ہوتا، بس آئندہ محتاط رہنا اور ہاں اگر پھر ان کی طرف سے کوئی بھی مسئلہ ہو تو میرے دیئے گئے نمبر پہ فون کر لینا اوکے، جاؤ اللہ تمہارا مددگار ہو۔" گاڑی رک چکی تھی، لڑکی نے اچھی طرح خود کو دوپٹے میں لپیٹا تھا اور اس کا شکریہ ادا کر کے باہر نکل گئی، سیف علی وزیر نے گنگناتے ہوئے گاڑی واپس موڑی تھی۔

☆☆☆

شام کے سائے گہرے ہونے لگے، اب سویرا خاتون کو تشویش ہونے لگی تھی، امرحہ نے ایسا کبھی نہیں کیا تھا، سہ پہر تک تو لازمی وہ گھر لوٹ آتی تھی، نہ جانے کیوں بار بار ان کا دل کچھ ہونے کا عندیہ دے رہا تھا۔

"بیگم صاحبہ! آپ کہیں تو میں گاڑی لے کر امرحہ بی بی کو لینے چلا جاؤں۔" ڈرائیور کاکا نے ان کی پریشانی کے خیال سے کہا۔

"ہو سکتا ہے ان کی گاڑی خراب ہو گئی ہو۔" وہ اندازہ لگاتے ہوئے بولا۔

"یہ بات نہیں ہے خان کاکا، گاڑی خراب ہوتی تب بھی وہ مجھے کال کر کے بتا سکتی تھی، مگر ادھر تو اس کا سیل ہی آف جا رہا ہے۔" وہ پریشان ہوتے ہوئے بولیں۔

"ہو سکتا ہے ان کے سیل کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی ہو۔" وہ خود بھی پریشان تھا۔

"غلطی میری ہے، میں نے گڑیا کو اکیلے نہیں جانے دینا تھا، مگر وہ اکثر ایسا کرتی ہے، تبھی میں نے......" وہ شرمندہ لہجے میں بولا۔

"نہیں خان کاکا، یہ تو معمول کی بات ہے، کچھ دیر دیکھیں پھر آپ جا کر پتہ کر آئیں، میں اتنے تک کچھ کام نبٹا لوں۔" انہوں نے دل ہی دل میں خود کو تسلی دیتے ہوئے اپنے سامنے پڑا

لیپ ٹاپ کھول لیا، خان کاکا سر ہلا کر باہر نکل گئے۔

تبھی اچانک ان کے سیل پہ رنگ ٹون بجی، امرحہ کا نمبر تھا، انہوں نے فوراً کال پک کی تھی۔

''امی! آج رات میں یہیں چاچو کے پاس رکوں گی، کل شام تک واپس آجاؤں گی۔'' اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا، سویرا خاتون لب بھینچ گئیں۔

''اوکے، ایز یو وش۔'' وہ شاید بحث کر کے خود کو دیور بھابھی کے آگے کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتی تھیں، تبھی سرد لہجے میں مختصر جواب دیا۔

''ٹیک کیئر۔'' امرحہ نے بھی فوراً کال ختم کر دی تھی، جیسے وہ اس کے لئے کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی تھیں، سویرا بیگم لب کچل گئیں۔

ادھر دوسری طرف امرحہ کا سیل فون ہاتھ میں تھامے سیف علی وزیر نے مسکراتے ہوئے کال ختم کی تھی، امرحہ کے لہجے کی اس نے کیا خوب نقل کی تھی، وہ خود کو داد دیئے بنا نہ رہ سکا تھا۔

☆☆☆

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو سیفی؟'' شمیم اختر تو دل تھام کر رہ گئیں، سردار صاحب بھی ششدر رہ گئے۔

''میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے امی اور یقین کریں کہ میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں، تبھی میں آپ کو اور ابو کو یہ بات بتا رہا ہوں۔'' وہ پورے اعتماد سے بولا تھا۔

''ایسا کوئی بھی فیصلہ جذباتی ہو سکتا ہے سیفی، مگر صحیح نہیں ہو سکتا۔'' شمیم اختر ناراض لہجے میں بولیں۔

''اس بات کے بارے میں تم نے سویرا بھابھی کو کیا بتایا ہے؟'' سردار صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

''انہیں میں نے امرحہ کی طرف سے فون کر کے کل شام تک تو مطمئن کر دیا ہے اور مجھے امید ہے کہ کل شام تک میں امرحہ کو بحفاظت گھر چھوڑ دوں گا۔'' وہ ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے، اس قدر مختصر وقت میں امرحہ تم سے نکاح کرنے کے لئے راضی ہو جائے گی، وہ بھی تمہاری اس حرکت کے بعد۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے، جہاں یقین چمک رہا تھا۔

''میں امرحہ سے واقف ہوں ابو اور پھر یقین کریں کہ جب میری اس حرکت کی اصل اور ٹھوس وجہ سب کے سامنے آئے گی نہ تو آپ سب تو کیا خود تائی امی بھی میرے صدقے واری جائیں گی۔'' وہ کہہ کر مسکرایا تھا، شمیم اختر چونکی تھیں۔

''کیا مطلب، کیا اس حرکت کے پیچھے تمہاری امرحہ سے بے پناہ محبت اور لگاؤ کے علاوہ بھی کوئی ٹھوس وجہ ہے۔'' انہوں نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے امی، صرف اپنی محبت کے لئے آپ کا سیف علی وزیر اپنی ہی کزن کو اغواء کر کے اس سے زبردستی نکاح پڑھوائے گا۔'' اس کی خوبصورت کالی آنکھوں میں ہمیشہ سے دل موہ لینے والی چمک ذرا بجھی تھی، اسے افسوس ہوا تھا، کہ شاید اس کی ماں اسے نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

''میں گرا ہوا شخص نہیں ہوں امی، بلکہ یہ سارا اقدام مجھے اس قدر اچانک ہی کچھ حقائق معلوم ہونے کے بعد اٹھانا پڑا، ورنہ میں امرحہ کی خوشی میں خوش تھا، مطمئن تھا، جو بھی ہو امرحہ کی مرضی کل بھی میرے لئے اہم تھی، آج بھی اہم

ہے، مگر صرف چند ناگزیر وجوہات کی بنا پہ یہ فیصلہ لینا پڑا، ورنہ خدا گواہ ہے کہ اس فیصلے میں میری ذاتی کوئی خواہش یا کوئی غرض نہیں ہے۔''
اس کا لہجہ اٹل تھا، ہمیشہ کی طرح سچا، وہ دونوں جانتے تھے کہ ان کا بیٹا قول و فعل کا کھرا ہے، تبھی وہ دونوں خاموشی سے اسے دیکھتے گئے تھے۔
''پھر بھی سیفی۔'' کافی دیر تک کی خاموشی کے بعد شمیم اختر ہی نے یہ سکوت توڑا۔
''اگر کچھ بھی غلط ہوا، خاص کر امرحہ کے معاملے میں، تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ بھی دوٹوک لہجے میں بولیں، سیف علی وزیر اثبات میں دھیرے سے سر ہلا گیا، اسے اپنے خدا پہ بھروسہ تھا، وہ ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا، تبھی وہ مطمئن تھا، کیونکہ جو اللہ پہ بھروسہ رکھتے ہیں، وہ ہی دلوں کا اطمینان پاتے ہیں۔

☆☆☆

''وہ لڑکی کہاں ہے؟'' سیف کے سوال کے جواب میں جہاں آراء نامی عورت نے الٹا سوال کیا، وہ لب کچل کر غصہ دبا گیا۔
''میں نے تم سے جو سوال کیا اس کا جواب دو۔'' وہ ضبط سے بولا تھا۔
''نہ دوں جواب تو کیا کرو گے صاحب؟'' وہ خباثت سے مسکرائی۔
''کچھ بھی، ایسا کچھ بھی جو تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔'' سیف نے حتی الامکان اپنا لہجہ نرم رکھنے کی کوشش کی تھی، ورنہ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔
''کچھ بھی......؟'' عورت کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔
''ایسا کیا کرلو گے صاحب۔'' اس کی آواز میں طنز بھی شامل ہوگیا۔

''یاد رکھنا صاحب، عورت کے پاس عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا، اسے بس اگر دنیا میں کسی چیز کا خوف ہوتا ہے تو وہ یہی چیز ہے عزت، اپنے باپ کی عزت، اپنے بھائی کی عزت، اپنے شوہر کی عزت اور پھر اپنے بیٹے کی عزت اور اس سب سے بھی بڑھ کر اپنا نسوانی غرور اور جب یہ موتی عورت گنوا بیٹھے نہ تو اسے کوئی خوف نہیں رہتا پھر، سو جاؤ مجھے نہ ڈراؤ۔'' جہاں آراء نے نم لہجے میں کہتے کہتے اچانک ہی لہجہ بدلا تھا، وہ تلخ ہوئی تھی۔
''تو خود جو موتی گنوا بیٹھی ہو اور جس کی قدر بھی معلوم ہے تمہیں اس موتی کو اوروں سے کیوں چھین لینے کے در پہ ہو تم۔'' وہ اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے بولا، جہاں درد ہی درد تھا، سیف کو چاہ کر بھی اس کی آنکھوں میں وہ پچھتاوا، وہ افسوس نظر نہ آیا جو اس سے کم عمر لڑکی کی آنکھوں میں تھا۔
''میں...... میں چھین لیتی ہوں موتی، بھول ہے تمہاری صاحب، جو مٹی میں رل جائیں وہ بھلا سمندر کی گود میں چھپے سیپ اور ان کے اندر موجود موتیوں تک کیسے پہنچ سکتے ہیں، میں تو صرف ان کو سزا دیتی ہوں جو خود اپنے پیاروں کی عزت مٹی میں رول کے اس راہ کی مسافر بنتے ہیں۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔
اس کے اس قدر نڈر اور بے باک انداز پہ سیف علی وزیر بھی شاکڈ رہ گیا تھا، یہ عورت اس کی امید کے بالکل برعکس نکلی تھی، نہ تو وہ خائف تھی، نہ ہی اسے کوئی پچھتاوا تھا، بلکہ اس کے لہجے میں غصہ تھا، درد تھا اور نفرت تھی، جو سیف کو کافی کچھ سمجھا رہی تھی، اسے اس نے دلی ہمدردی ہونے لگی تھی، مگر وہ اس وقت اس سے کچھ بھی کہنا نہیں چاہتا تھا، تبھی واپس مڑنے لگا، کہ جہاں

آراء نے پکارا۔

''صاحب......!'' وہ مڑا۔

''وہ لڑکی کہاں ہے؟ اسے بھی میرے ساتھ رکھو۔'' وہ سادہ سے عام سے لہجے میں بولی تھی، جیسے ان دونوں کے درمیان کافی پرانی جان پہچان تھی۔

''اسے میں گھر چھوڑ آیا ہوں۔'' اس نے مختصر جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

''قسمت نے بھی اس کا ساتھ دیا جو خود گناہ گار تھی، میں بھی تو خدا خدا پکارتی رہی، مدد کے لئے پکارتی رہی، میرا کیا قصور تھا۔'' کتنے ہی برس بعد اس کی آنکھیں نم ہوئیں تھیں، ایک لکیر میں بہتے آنسو اس کے رخساروں سے ہوتے اس کی روح تک بھگونے لگے تھے، جہاں آراء آج برسوں بعد شیبا بنی تھی، احساس اور جذبوں سے گندھی حوا کی بیٹی۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو پہلے پہل بلب کی تیز روشنی سے اسے جھٹکا سا لگا، اس نے تیزی سے اپنا دایاں ہاتھ آنکھوں پہ رکھ دیا، کچھ دیر وہ یونہی ساکت لیٹی رہی، جسم کے ساتھ جیسے ذہن بھی شل ہو رہا تھا، وہ کچھ بھی سوچ نہیں پا رہی تھی، سارے وجود میں جیسے درد سا جاگا تھا، اس نے آہستہ سے ہاتھ ہٹایا تھا اور اگلے ہی پل وہ چونک گئی تھی۔

یہ اس کا کمرہ نہیں تھا، نفاست سے سجے اس کمرے میں دیواروں کے رنگ سے لے کر فرنیچر تک ہر چیز مختلف تھی۔

''میں کہاں ہوں؟'' اس نے دماغ پہ زور دینے کی کوشش کی، سر میں درد کی شدید لہر اٹھی، وہ کنپٹی دباتے ہوئے بستر سے نیچے اتر آئی، اسی وقت دروازہ کھلا تھا اور ایک ادھیڑ عمر عورت اندر آئی تھی۔

''آپ جاگ گئیں بی بی جی۔'' وہ اسے یوں دیکھ کر خوشی سے چہکی تھی۔

''میں ابھی بابا صاحب کو بلا کر لاتی ہوں۔'' تیزی سے کہہ کر وہ واپس مڑ گئی تھی، امرحہ کا اس سے کچھ پوچھنے کے لئے کھلا منہ جوں کا توں رہ گیا تھا۔

''کون صاحب؟ میں کس کے گھر آئی ہوں۔'' اس کا ذہن جیسے بالکل خالی سا تھا، اس نے ذہن پر مزید زور دیا اور اچانک ہی اسے خیال آیا تھا کہ وہ تو گھر سے چاچا کے گھر جانے کے لئے نکلی تھی اور اس کے بعد ہر منظر واضح ہوتا گیا تھا، وہ اغواء ہوئی تھی، صرف اتنا اسے یاد تھا، اس کے بعد کیا ہوا تھا اسے کچھ یاد نہیں تھا، اس نے فوراً اٹھ کر ادھر ادھر کا جائزہ لیا تھا، کمرے میں صرف ایک بڑی کھڑکی اور ایک ہی دروازہ تھا، امرحہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا، مگر دروازہ پیچھے سے لاک تھا، وہ کھڑکی کی طرف آ گئی، مگر اگلے ہی پل اسے مایوس ہونا پڑا، وہ اس وقت دوسری منزل پہ تھی اور کھڑکی میں مضبوط لوہے کی گرل لگی تھی، ورنہ شاید وہ کود کر جان دینے سے بھی گریز نہ کرتی، اس کی آنکھوں سے بے بسی کے مارے آنسو ٹپکنا شروع ہو گئے۔

''یا اللہ اب کیا ہو گا، آخر یہ کون لوگ ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' وہ بے حد خوفزدہ تھی، تبھی کھٹکا سا ہوا تھا باہر، وہ تیزی سے مڑی۔

دروازہ کھلا اور ایک مضبوط جسم کا آدمی اندر آیا، اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔

''بی بی، آپ کھانا کھا لیں، صاحب جیسے ہی آئیں گے، انہیں آپ کے متعلق بتا دیا جائے گا۔'' اس شخص نے ایک نظر اس کی طرف ڈالنا بھی گوارا نہ کیا تھا، خاموشی سے ٹرے رکھ کر واپس پلٹنے لگا۔

''کون صاحب؟ کون لایا ہے مجھے یہاں؟'' وہ چلائی تھی۔

''ان سب سوالوں کے جواب آپ کو بھائی ہی دیں گے، ہمیں جو آرڈر تھا ہم نے پورا کیا، آپ ان کا انتظار کریں۔'' وہ مڑے بغیر بولا تھا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا، دروازہ ایک مرتبہ پھر لاک ہو چکا تھا۔

''یا خدا! یہ کون لوگ ہیں، جو اس قدر ادب اور احترام سے میرا خیال رکھ رہے ہیں اور صاحب کون ہے، یا اللہ میری حفاظت کرنا۔'' وہ ہتھیلیوں پہ منہ رکھے پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔

جس طرح آنے والا شخص اس سے عزت سے پیش آیا تھا اس سے اس کو اتنی تسلی تو ہو گئی تھی کہ وہ ابھی تک محفوظ تھی، لیکن جس شخص کے بارے میں وہ بات کر رہا تھا، اس کے بارے میں وہ اندازہ نہیں لگا سکتی تھی کہ وہ کون تھا، کیسا تھا اور اس کے ساتھ کیا کر سکتا تھا۔

''اللہ کرے آتے وقت اس کا ایکسیڈنٹ ہو جائے تاکہ ساری عمر میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکوں۔'' اس نے پورے دل سے دعا کی تھی، لاک کھلنے کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا، دروازہ آہستہ آہستہ وا ہوا تھا اور اگلے پل ہی اسے لگا جیسے اسے نئی زندگی کی نوید مل گئی ہو، سیف علی وزیر مسکراتا اندر آیا تھا، امرحہ بھاگ کر اس سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی، اس کی یہ حرکت اس قدر اچانک تھی کہ سیف علی وزیر بھی بھونچکا رہ گیا تھا۔

''بابا صاحب! وکیل صاحب آ گئے ہیں۔'' وہی ادھیڑ عمر عورت شاید سیف سے مخاطب ہوئی تھی، مسلسل روتی امرحہ کو ایک دم چپ لگ گئی تھی، وہ جھٹکے سے سیف سے الگ ہوئی تھی۔

''بابا صاحب!'' اس نے بے یقینی سے سیف کو دیکھا تھا، اس کی آنکھوں میں بے یقینی دیکھ کر بھی وہ مسکرایا تھا۔

''تت.....تت......تم۔'' وہ بول ہی نہ پائی۔

''تم اسے بٹھاؤ، میں آتا ہوں خالہ۔'' سیف نے امرحہ کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے اس عورت کو حکم دیا اور اس کے جانے کے بعد دروازہ اندر سے لاک کر دیا، امرحہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''اس کا مطلب یہ سب تم نے؟'' اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں تھیں، سیف بخوبی اس کی حالت کا اندازہ لگا سکتا تھا، مگر وہ جانتا تھا کہ یہ سب وقتی تھا، حقیقت سامنے آنے کے بعد امرحہ کی ساری خفگیاں ختم ہو جانے والی تھیں۔

''میری بات آرام سے سنو امرحہ۔'' وہ اس کے قریب ہوا تھا۔

''جسٹ شٹ اپ سیف۔'' وہ چلائی تھی، سیف رک گیا۔

''اس سب کے بعد میں تمہاری کوئی بات سنوں گی، تم مجھ سے ایسی توقع بھی کیسے کر سکتے ہو۔'' وہ نفرت سے پھنکاری تھی۔

''تم صرف غلط سوچ رہی ہو، میری بات سن لو گی تو مطمئن ہو جاؤ گی۔'' وہ سینے پہ ہاتھ باندھے یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں غلط سوچ نہیں رہی، بلکہ غلط سوچتی تھی، امی نے مجھے کتنا وارن کیا، تمہارے بارے میں کتنا سمجھایا، مگر میں ابو کی محبت میں اندھی تمہاری طرف دوڑتی رہی اور تم، تمہیں اپنے باپ اپنے مرحوم تایا کی عزت کا بھی خیال نہ کیا سیف۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں، سیف کے دل کو کچھ ہوا۔

''تم جانتی ہو امرحہ! میں نے ہر ممکن کوشش کی اور جب میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں رہا تو میں نے......''

''تو تم نے اپنے ہی گھر میں نقب لگائی۔'' امرحہ نے غصے میں اس کی بات کاٹی۔

''اپنے ہی گھر کی عزت کو یوں سرِ راہ اغواء کروالیا، چند غنڈوں کو منہ مانگی قیمت دے کر۔'' امرحہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس وقت سیف کی جان لے لیتی، سیف نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جیسے خود کو نارمل کیا تھا۔

''اگر تمہاری بات ختم ہو گئی ہو تو نیچے چلیں۔'' وہ جان گیا تھا کہ امرحہ کے ساتھ بحث فضول تھی، تبھی اس نے بات بدلی تھی۔

''نیچے کہاں؟'' اس کی توقع کے عین مطابق غصے کی جگہ خوف نے لے لی تھی۔

''میں نے وکیل صاحب کو بلوایا ہے، آج ہمارا نکاح ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے اسے بتایا۔

''تم پاگل ہو گئے ہو۔'' وہ خود جیسے پاگل ہونے لگی تھی۔

''یونہی سمجھ لو اور پاگل بھی آخری حد تک۔'' کالی سیاہ چمکدار آنکھوں نے گہری سبز آنکھوں میں جھانکا تھا، امرحہ نے خود کو بے حد مجبور اور بے بس محسوس کیا تھا۔

''تم پاگل ہو، مگر میں نہیں، میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گی سیف علی وزیر۔'' وہ اس کے مقابل ٹھہری اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے خوفی سے بولی تھی، سیف کو اس وقت وہ بے حد حسین لگی۔

''سوچ لو، ویسے بھی تمہیں پتہ ہے کہ میں تمہاری کتنی عزت کرتا ہوں۔'' وہ مسکرایا تھا، امرحہ کو اس وقت اس کی مسکراہٹ زہر لگی تھی۔

''عزت...... کہتے ہوئے شرم تو نہیں آئی تمہیں۔'' وہ شاید اسے شرم دلانے کی کوشش کر رہی تھی، مگر وہاں پرواہ ہی کسے تھی۔

''میں نے تم سے لیکچر دینے کو نہیں کہا اوکے۔'' سیف نے شہادت کی انگلی دکھاتے ہوئے جیسے اسے وارن کیا۔

''سلیقے سے دوپٹہ اوڑھو اور نیچے چلو، وکیل صاحب اور کچھ دوسرے معزز مہمان ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔'' اب کی بار اس کا لہجہ سخت تھا، امرحہ ایک مرتبہ پھر خوف کے حصار میں آئی۔

''اور اگر میں انکار کر دوں تو؟'' اس نے ایک آخری امید کے تحت نم لہجے میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، شاید کہ اس سے محبت کرنے والا سیف کو اس پہ ترس آ جائے، سیف اس کے قریب ہوا تھا، وہ بدک کر پیچھے ہٹی مگر دیوار سے جا لگی۔

''تو اب تک جو کچھ میں کر چکا ہوں اس سے تم بخوبی اندازہ لگا سکتی ہو کہ میں اور بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں، کون ہے یہاں جو مجھے من مانی کرنے سے روک سکتا ہے، سو اگر میں تمہیں اور خود کو گناہ کی آگ سے بچانا چاہتا ہوں تو تمہیں میرا ساتھ دینا چاہیے۔'' اس کی گرم سانسیں امرحہ کا چہرہ جلانے لگیں۔

''ورنہ اس جگہ جہاں صرف میرا حکم چلتا ہے، مجھے میرے دل کی خواہش پوری کرنے سے بھلا کون روکے گا۔'' سیف نے کافی حد تک لہجہ سرد کرنے کی کوشش کی تھی اور کامیاب بھی رہا تھا، دائیں بائیں دیوار پہ ٹکے اس کے مضبوط بازوؤں کے درمیان کھڑی کمزور سی امرحہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی حد تک بھی گر سکتا ہے، وہ بے بسی سے لب کچل گئی۔

''تمہارے جیسا بدذات کزن خدا دشمن کو

بھی نہ دے سیفی۔" اس نے پورے دل سے دعا کی تھی، سیف کے لبوں پہ دھیرے سے مسکراہٹ در دوڑ گئی۔

"تمہیں تو کزن بھی ملا اور شوہر بھی ملنے والا ہے، سو اب صرف اپنے لئے دعا کرو اوروں کی فکر چھوڑو۔" اس کی آنکھوں میں شرارت مچلی۔

"یہ سراسر زبردستی کا بندھن ہوگا سمجھے، مجھ سے کسی بھی قسم کی نرمی یا سلوک کی توقع نہ کرنا۔" اسے ایک مرتبہ پھر غصہ آنے لگا۔

"وہ بعد کی باتیں ہیں، ابھی تو تم نیچے چلو، آگے کیا کرنا ہے مل کر طے کریں گے۔" اس کے قریب چہرہ لاتے شرارت سے سرگوشی کرتے ہوئے وہ اس کی روح تک سلگا گیا تھا، امرحہ ایک مرتبہ پھر رونے لگی۔

"تمہاری امی کو اس بارے میں کچھ پتہ نہیں کہ تم اغواء ہوئی ہو، ان کو یہی پتہ ہے کہ تم آج شام تک ہمارے گھر ہو، اب سے ٹھیک دو گھنٹے بعد تمہیں گھر پہنچنا ہے، ورنہ یہ بات گھر سے باہر بھی نکل سکتی ہے، سو اچھا ہے کہ آنسو صاف کرو اور چلو میرے ساتھ، ہاں یہ میرا وعدہ ہے تم سے کہ تمہیں پورے حق سے تبھی اپناؤں گا، جب تم خود چل کر میرے پاس آؤ گی۔" وہ اس سے دور ہوا تھا، امرحہ ایک زہر خند نظر اس کے مضبوط چوڑے وجود پہ ڈال کر رہ گئی، اسے پچھتاوا تھا کہ یہ مضبوط شخص کبھی اسے جان سے زیادہ عزیز رہا تھا۔

☆☆☆

کمرے میں مکمل سکوت چھایا ہوا تھا، ایک طرف رکھے بڑے سے صوفے پہ سیف علی وزیر مطمئن سے انداز میں ٹیک لگائے دونوں ہاتھ پھیلائے، پیر پہ پیر جمائے مسلسل دایاں پیر ہلائے جا رہا تھا، سامنے ہی بیٹھی بڑی سی شال میں

کٹی امرحہ کی نظریں زمین پہ گڑی تھیں۔

اور ان سے کچھ فاصلے پہ بیٹھیں سویرا خاتون یوں زرد ہو رہی تھیں جیسے کسی نے ان کا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔

"نکاح نامہ آپ کے سامنے ہے آنٹی، پھر بھی آپ چاہیں تو تحقیق کروا سکتی ہیں، میں نے اور امرحہ نے پوری رضامندی سے ایک دوسرے کو قبول کر لیا ہے، سو اب جس قدر جلدی ممکن ہو سکے آپ شاہ زین کے گھر والوں کو انکار کہلوا دیں۔" سیف نے اس قدر مطمئن لہجے میں سویرا کو بتایا جیسے بہت ہی معمولی بات ہوئی ہو، اس کی بات پہ سویرا بھڑک اٹھیں تھیں، وہ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئیں، ان کو کھڑا ہوتا دیکھ کر سیف بھی کھڑا ہو گیا۔

"یہ...... یہ...... ہے تمہارا دودھیال۔" وہ تیزی سے امرحہ کی طرف بڑھیں اور اسے جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔

"کتنا سمجھایا تھا تمہیں، کہ یہ اپنے مقصد کے لئے کسی بھی حد تک گر سکتے ہیں، تمہاری دولت کو اتنی آسانی سے نہیں جانے دیں گے، لیکن تم، تم ان کی ہی طرف داری کرتی رہیں، بھروسہ کرتی رہیں اب دیکھ لیا اپنے اعتماد کا نتیجہ۔" امرحہ اور بکھرنے لگی، مگر پھر بھی اسے اتنا اطمینان تھا کہ ماں کو اس پہ اعتبار تھا، تبھی اس کی زبردستی نکاح کرنے والی بات وہ مان گئی تھیں۔

"یہ سب باتیں بے کار ہیں اب نانی امی۔" سیف نے بہت مشکل سے خود کو کنٹرول کیا تھا۔

"بہتر یہی ہے کہ آپ خود شاہ زین والوں کو انکار کر دیں، کوئی نہ کوئی مناسب وجہ وقت آنے پہ آپ کو مل ہی جائے گی، ورنہ میرے لئے یہ سب بس دو لمحوں کی بات ہے، امرحہ کے اغواء کی

خبر نکاح نامے کی کاپی کے ساتھ شاہ زین کو دینی ہوگی، پھر کہاں کی منگنی اور کہاں کی رشتہ داری، مگر اس طرح بے عزتی آپ کی ہوگی، اگر آپ رشتہ توڑیں گی تو سبکی ان لوگوں کی ہوگی۔'' وہ یوں بول رہا تھا جیسے اس سے بڑھ کر ان کا خیر خواہ کوئی اور نہیں تھا، سویرا کا بس نہیں چلتا تھا کہ اسے ابھی کے ابھی قتل کروا دیتیں۔

''خیر میں چلتا ہوں، مجھے ویسے بھی کسی ضروری کام کے سلسلے میں ایک ماہ کے لئے شہر سے باہر جانا ہے، تبھی یہ کام میں نے اس قدر جلد بازی میں نمٹایا، امرحہ۔'' اس نے پکارا، نہ جانے کیا تھا اس کے لہجے میں کہ امرحہ فوراً اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''میں تم سے رابطہ رکھوں گا، ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔'' وہی مسکراہٹ، امرحہ بے دلی سے نظریں پھیر گئی۔

''اوکے آنٹی، چلتا ہوں، اللہ حافظ۔'' کہہ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا، سویرا خاتون دونوں ہاتھوں میں سر پھنسائے صوفے پہ ڈھے سی گئیں۔

☆☆☆

''آپ سوچ بھی نہیں سکتیں، آپ کی ذرا سی مدد کتنی بے گناہ عورتوں کی جان ان کی عزت بچا سکتی ہے، کتنے ہی ہوس پرست اور گناہ گار مردوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکتی ہے۔'' وہ اس عورت کے سامنے چاہ کر بھی سخت نہ ہو پاتا تھا، نہ جانے کیوں ایسا کیا درد چھپا تھا اس کی آنکھوں میں کہ سیف علی وزیر جیسا مضبوط شخص بھی نرم پڑ جاتا تھا۔

''مرد ہوس پرست یا گناہ گار نہیں ہوتا، سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں، عورت کے جسم کے کھلاڑی، جب تک دل چاہا کھیل لئے، جب دل چاہا پھینک دیا۔'' وہ نفرت سے پھنکاری تھی۔

''میرے لئے آپ ایک بڑی بہن کی طرح ہیں۔'' وہ چونکی تھی۔

''اور یہی بات میری کمزوری ہے کہ میں عورتوں سے سختی کرنے کا قائل نہیں ہوں۔'' اس نے ضبط کے مارے مٹھی بنائی اور دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر دے ماری۔

''بلال!'' وہ چیخا، بلال فوراً اندر آیا۔

''جی بھائی۔''

''ان کو وہیں چھوڑ آؤ، جہاں سے لائے ہو، میں کوئی اور راہ ڈھونڈ لوں گا۔'' اس نے بلال کو حکم دیا اور وہاں سے اٹھنے لگا۔

''سنو۔'' جہاں آراء کی مدھم آواز پہ اس کے قدم رکے تھے۔

''کیا ایک طوائف بھی کسی رشتے کے قابل ہو سکتی ہے؟'' کرختگی، وحشیانہ پن سب کہیں کھو گیا تھا، یہ لہجہ سراسر ایک ٹوٹی بکھری آدم کی بیٹی کا تھا، سیف کے دل میں ہلکی سی امید جاگی شاید کہ اب وہ سب کچھ بول دے جو اس وقت اسے ضرورت تھا۔

''عورت پیدائشی طوائف نہیں ہوتی، ہر عورت ایک بیٹی ہوتی ہے، سارے معاشرے کی بیٹی، ماحول اور چند لوگوں کا لالچ ان کو طوائف بنا دیتا ہے۔'' وہ سادہ لہجے میں بولا تھا، اس نے دیکھا جہاں آراء کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہونے لگا تھا۔

''میں پنجاب کے ایک چھوٹے سے دیہات میں رہتی تھی، اپنی ماں باپ اور چار بھائیوں کے ساتھ، بابا کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی میں۔'' وہ بولنے لگی تھی، گرہ کھلنے لگی تھی، سیف نے ریکارڈر آن کر کے اس کے سامنے رکھ دیا اور خود بھی کرسی سنبھال گیا۔

''زندگی بے حد مکمل تھی، گاؤں کی تازہ اور صاف ہوا اور امی ابو کی بھرپور توجہ سے میں بارہ سال کی عمر میں ہی جوانی کی حدوں کو چھونے لگی تھی، حیرت انگیز طور پہ اپنے تمام تر رشتہ داروں میں میری رنگت بے حد صاف اور جسم اس قدر پرکشش تھا کہ جو بھی دیکھتا سراہے بنا نہ رہ سکتا، میری ماں خوبصورت بیٹی کی ماں کے نام سے پہچانی جانے لگی، وہ بے طرح خوش ہوتی یہ جانے بنا ہی کہ اس کی خوبصورت بیٹی کی قسمت کالی رات کی طرح تاریک اور سیاہ ہے۔'' وہ خاموش ہوگئی، سیف کے دل پہ بوجھ سا آپڑا۔

''بابا اکثر فصل بیچنے شہر ہی جایا کرتے، کیونکہ وہاں سے اچھے پیسے مل جاتے تھے، ورنہ سودا کروانے والے تو ٹھیک ٹھاک مال کھا جاتے، بابا کچھ فصل کے نمونے لے کر جاتے اور پھر گاہک ساتھ لے آتے جو خود ہی پھر ساری فصل لاد کر شہر لے جاتے، بابا کو اچھا خاصا منافع مل جاتا۔''

''میں چودہ برس کی تھی، لوگ کہتے تھے کہ میں پتھروں کا دل دھڑکا دینے والے حسن کی مالک ہوں، مگر مجھے ان باتوں کی سمجھ کہاں تھی، اس برس بابا ایک گاہک کو لے کر گاؤں آئے، بابا اور وہ آدمی دونوں ہی ایک دوسرے سے مل کر بے حد خوش تھے، میں ان کے لئے کھانا لے کر کھیت میں گئی، تو نہ جانے کیوں مجھے اس اپنے بابا کے عمر کے مرد کی آنکھوں میں ایک خاص چمک بڑھتی محسوس ہوئی، اس نے بابا سے پوچھا۔''

''یہ کون ہے؟'' بابا نے فخر سے مجھے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بتایا کہ یہ میری بیٹی شیبا ہے، جب تک وہ کھانا کھاتے رہے مجھے وہیں رہنا تھا، اس دوران وہ مجھے ہی دیکھتا رہا، اس نے جاتے وقت بابا سے وعدہ کیا کہ اب وہ فصل ان کو ہی بیچے گا، ان دونوں میں دوستی ہوگئی۔

''دن گزرتے گئے، وہ شخص بابا کا دوست بن گیا اور تیسرے ماہ اس کا اب ہمارے گھر بھی چکر لگنے لگا۔'' وہ پھر خاموش ہوگئی، بلال نے سیف کے اشارے پہ پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا مگر وہ نظرانداز کرگئی۔

''اس وقت میں اٹھارہ سال کی تھی، بابا اور اس آدمی کے درمیان پھر سودا طے ہوا تھا، فصل اٹھاتے وہ لوگ کھیتوں پہ تھے اور مجھے ہی کھانا پہنچانا تھا، گاؤں میں کسی کی بھی بہو بیٹی کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا، سو باہر کے کئی کام بھی ہم لڑکیوں کے ذمہ تھے۔''

''میں کھانا لے کر ابھی کیکر کے جنگل تک ہی پہنچی تھی کہ تین توانا مرد جنگل سے نکل کر تیزی سے میری طرف آئے تھے، میں ان کو مسافر سمجھی تھی، تبھی بے خوف وخطر ہی ان کے قریب سے گزرنے لگی، کہ ان میں سے ایک نے مجھے دبوچا تھا اور دوسرے نے اپنا ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا تھا، نہ جانے کیا تھا اس کے ہاتھ میں، میں ہوش و حواس کھو چکی تھی۔'' وہ رونے لگی، سیف لب کچلنے لگا۔

''جب میں ہوش میں آئی، تو کسی محل کا کمرہ تھا، بستر نرم و گداز اور کمرے کی ہر چیز جیسے بادشاہوں کے استعمال کے لئے رکھی گئی تھی وہاں، میں خوف سے زیادہ حیرت میں مبتلا ہوگئی تھی، ایسی چیزیں نہ تو کبھی خواب میں دیکھیں تھیں نہ کبھی تصور کیا تھا۔''

''اور پھر شام تک میرا خوب خیال رکھا گیا، مجھے نہلایا گیا، خوبصورت ریشمی لباس دیئے گئے، آئینے میں اپنا روپ دیکھ کر تو میں خود بھی چونک گئی تھی اور پھر شام ڈھلتے ہی مجھے بادشاہ وقت کی کنیز بنا دیا گیا، میں روندی گئی، نوچی گئی، خواب

بکھر گئے اور بچپن کی نیندوں کے سارے خوف جن، چڑیل، آسیب میری زندگی، زندگی ڈس گئے، میری روح تک کچل دی گئی۔'' وہ چیخنے لگی تھی، سیف اسے سہارا بھی نہ دے سکا، اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، اس نے سر جھکا کر جیسے آنسوؤں کو ضبط کیا تھا۔

''اور پھر میں کھلونا بن گئی، میرے باپ کا دوست ہی میرا قاتل نکلا، وہ مجھ سے کھیلتا رہا، جب جی بھر گیا تو بڑی بڑی ڈیلز سائن کروانے کے لئے میں ہی اس کا سب سے بڑا ہتھیار تھی، ظاہری بناؤ سنگھار اور بیش قیمت لباس وزیورات میری روح کے سارے اندرونی مسخ شدہ داغ چھپا لیتے اور جب اس کام کی بھی نہ رہی تو مجھے جوہری بنا دیا گیا، کس گاہک کو کس طرح مطمئن کرنا ہے، کس سے کسی ڈیلز سائن کروانی ہیں، اس کے لئے موتی مجھے چننے ہوتے اور آنے والے ہوس پرستوں کی گود میں ڈالنے ہوتے، اکثر لڑکیوں کی جو اغواء ہو کر آتی میں مدد بھی کر دیا کرتی تھی، مگر جو لڑکیاں اس خبیث انسان یا اس کے عیش پرست بیٹے کی دولت کی لالچ میں ان کے جال میں پھنس کر آتیں، وہ میری پہلی ترجیح ہوتی، میں ان کو سبق دینا چاہتی تھی، میں مجبور تھی، میرے ساتھ جو بھی کیا قسمت نے کیا مگر انہوں نے دولت کے لئے ماں باپ کی عزت کو خاک میں ملایا تھا، تو بس ایسی لڑکیاں میرے قہر کا نشانہ بنتی۔'' وہ ذرا دیر کو رکی، پھر بولنے لگی۔

''کل جو تم لڑکی کو گھر چھوڑ آئے تھے ناں، یہ بھی شاہ زین کا شکار تھی، شاہ زین، میرے قاتل اور میرے پاپا کے دوست داور علی کا بیٹا، اس کی خوش قسمتی یہ تھی کہ شاہ زین کو بے حد ضروری کام تھا سو اس سے یہ بچ گئی، اور تمہاری ڈبل آفر پہ میں اسے یہاں لے آئی اور قسمت نے اس کا ساتھ دیا، ایک شیبا مجبور تھی، بے بس تھی، بے قصور تھی، مگر قسمت نے اسے رلا دیا اور ایک شیبا اپنی مرضی سے سیدھی راہ چھوڑ بیٹھی مگر خدا نے اسے بچا لیا، کیا یہ بات تم مجھے سمجھا سکتے ہو۔'' اس نے بات مکمل کر دی تھی اور سوالیہ انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

''اللہ اپنے کام بہتر جانتا ہے، پھر بھی میری دعا ہے کہ خدا تمہاری آزمائش ختم کرے، کیا تمہیں اپنا گھر یاد ہے، میرا مطلب ہے اپنا پتہ۔'' وہ دھیرے سے اثبات میں سر ہلا گئی۔

''اگر تم مجھے داور کے بیٹے کے متعلق کچھ ثبوت فراہم کر سکو تو میں تمہارا ممنون ہوں گا۔'' اس نے جیسے بھیک مانگی تھی۔

''مجھے خوشی ہوگی۔'' مختصر جواب۔

''بلال، ان سے ایڈریس معلوم کرو، ہم ان کو ان کے گھر تک پہنچائیں گے۔'' سیف نے اٹھتے ہوئے بلال کو حکم دیا۔

''کیا سچ میں تم مجھے میرے گھر لے جاؤ گے۔'' وہ کھل اٹھی تھی۔

''ہاں، میرا وعدہ ہے، مگر آگے تمہاری قسمت کہ وہ تمہیں قبول کریں نہ کریں۔'' وہ نا امید تھا کہ اس معاشرے سے بخوبی واقف تھا۔

''وہ مجھے قبول کر لیں، مجھے یقین ہے، وہ اپنی شیبا سے بے حد پیار کرتے ہیں۔'' وہ ابھی بھی نا امید نہیں تھی، سیف کو خوشی محسوس ہوئی۔

''میری یہی دعا ہے آپ کے لئے۔'' کہہ کر وہ باہر نکل گیا، جہاں آراء بلال کو پتہ سمجھانے لگی۔

☆☆☆

دسمبر کے آتے ہی دھند پڑنی شروع ہو گئی تھی، صبح دس گیارہ تک تو اتنی گہری دھند چھائی رہتی کہ دن کے وقت بھی کمروں کی تو چھوڑ باہر کی

بتیاں بھی جلائی رہتی، اسے بے حد سردی محسوس ہو رہی تھی، پھر بھی کھڑکی پار چھائی دھند میں جیسے مسلسل کچھ کھوجنے کی کوشش کرتی رہی۔

سیف علی وزیر اس دن کے بعد نہیں لوٹا تھا، اسے روزانہ کال کرتا، مگر وہ ہمیشہ کاٹ دیتی، پیغامات آتے تو پڑھے بنا ہی ڈیلیٹ کر دیتی، اسے اس سے سخت نفرت ہو گئی تھی۔

سویرا خاتون نے مسز داور کو منع کر دیا تھا، ان کے لاکھ پوچھنے پہ بھی وہ کوئی معقول وجہ نہیں بتا پائیں تھیں، شاہ زین کی طرف سے بھی ان کو مسلسل دھمکیاں مل رہیں تھیں، انہوں نے گھر پہ موجود گارڈز کی تعداد بھی بڑھا دی تھی۔

ادھر ہر ملنے جلنے والا اتنی اچانک شادی رکنے کی وجہ پوچھتا تو جیسے وہ مزید بکھر جاتیں، انہوں نے اب گھر سے زیادہ نکلنا ہی بند کر دیا تھا۔

امرحہ اپنی عزیز ماں کو اس قدر پریشان اور غمزدہ دیکھ کر مزید بکھر جاتی، سیف سے اس کی بدگمانی مزید بڑھ جاتی۔

ابھی بھی اس نے گہری دھند میں جیسے سیف علی وزیر کے نقش ابھرے تھے، کس قدر دلکش مسکراہٹ تھی اس کے چہرے پہ، اس کے مغرور ابرو جس قدر اس کی شخصیت کو بارعب بناتے تھے اس کے لبوں پہ ہر وقت مچلتی ہلکی سی مسکراہٹ اسے اتنی ہی نرمی، کیا وہ واقعی اس سے نفرت کرنے لگی ہے؟ اس نے خود سے سوال کیا تھا، دل پوری قوت سے منکر ہوا تھا، کہ دل پہ اس دشمن جاں ہی کی تو صورت نقش تھی۔

''میں تمہیں کبھی معاف کر پاؤں گی سیفی؟...... کبھی نہیں، شاید کبھی نہیں۔'' وہ خود سے بولی تھی، تبھی اس کے موبائل کی ایس ایم ایس ٹون بجی تھی، جو کہ سیفی کی سیٹی کی آواز تھی، یہ ٹون سیفی نے ہی ایڈ کی تھی اور وہ آج تک اسے ہٹا نہ پائی تھی، اس نے پیغام ہمیشہ کی طرح سیفی کا نام دیکھتے ہی ضائع کرنا چاہا، کہ غلطی سے انگوٹھا اوپن پریس کر گیا، امرحہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

کبھی پت جھڑ دسمبر میں
اگر ہم تم جو مل جائیں
دسمبر موسم گل ہو...... مکمل ہو

لفظ تھے یا سیف کے جذبات، اس کا دل دھڑکا گئے تھے، وہ بلش کر گئی تھی، اس بار نہ جانے کیوں دل نے اس کی تمام تر پابندیوں کے باوجود اسی خواہش کو دہرایا تھا۔

☆☆☆

اس نے جہاں آراء کو اپنے آبائی گاؤں اپنے گھر پہنچانے کا وعدہ نبھایا تھا اور اس کی توقع کے برعکس جہاں آراء کی جگہ ہر کسی نے وہاں اپنی کھوئی ہوئی شیبا کو خوش آمدید کہا تھا، ہر آنکھ اشکبار تھی، اس کے ماں باپ اسے ڈھونڈتے ابدی نیند سو چکے تھے، لیکن اس کے بھائیوں نے اپنی لاڈلی بہن کو گلے سے لگایا تھا، وہ خوش تھے کہ شیبا کی آزمائش ختم ہوئی تھی، خود شیبا کی آنکھوں سے آنسو نہیں رک رہے تھے، اس نے اپنا مقصد تقریباً مکمل کر لیا تھا، سب اس کے شکر گزار تھے۔

''بلال! فائل تقریباً مکمل ہے۔'' اس نے گاڑی واپس موڑتے ہوئے بلال سے کہا۔

''بابا کی کال آئی ہے، کوئی ایمرجنسی ہے، تم فائل اوپر پہنچا دینا، باقی کام وہ خود نبٹا لیں گے اوکے۔'' اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا، بلال اثبات میں سر ہلا گیا۔

☆☆☆

''آپ کے بیٹے نے جو کچھ بھی کیا وہ ناقابل معافی ہے، مگر مجھے اس خاندان کی عزت

پیاری ہے، سو میں چاہتی ہوں کہ آپ لوگ سادگی سے فی الحال رخصتی کرا لیں، شاہ زین کی طرف سے ملنے والی دھمکیوں سے میں سخت پریشان ہوں اور سچ کہوں تو اب مجھے امرحہ کی حفاظت کا بہت خطرہ درپیش رہتا ہے، ویسے پہ پھر آپ لوگ بے شک ساری کسر پوری کر لیجئے گا۔'' وہ کس دل سے یہاں سوالی بن کر آئیں تھیں، یہ بس سویرا خاتون کا دل ہی جانتا تھا، انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ قسمت کبھی ان کو یہ دن بھی دکھائے گی، کہ جس غریب دیور کے گھر وہ قدم رکھنا پسند نہ کرتی تھیں، وہاں وہ ان سے خود اپنی بیٹی کی رخصتی کی بھیک مانگنے آئیں گی، لیکن اس بار سوال ان کی ممتا کا تھا، شاہ زین کی دھمکیوں نے ان کو دہلا دیا تھا، انہیں کسی بھی طرح امرحہ کو محفوظ کرنا تھا۔

''مجھے یقین ہے کہ مرحوم بھائی کی اتنی عزت تو آپ لوگ بھی رکھ لو گے۔'' آخر میں وہ پھر بھی جتانا نہیں بھولیں تھیں۔

''اس طرح سادگی سے شادی میں میری بے حد سبکی بھی ہے، مگر مجھے امرحہ بے حد عزیز ہے اور اس کے لئے میں کسی قسم کا کوئی رسک نہیں لے سکتی، میں آپ لوگوں کے جواب کی منتظر رہوں گی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''بھابھی، ہم پرسوں ہی شام انشاء اللہ سادگی سے رخصتی کرائیں گے، میں فوراً سیف سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' سردار خان نے ان کی مشکل آسان کرتے ہوئے جواب دیا، تو وہ سر ہلا کر باہر نکل گئیں، انعم خوشی سے ماں کو لپٹ گئی جو خاموش اور پریشان تھیں۔

☆☆☆

سب کچھ بے حد اچانک ہوا تھا، بابا نے اسے جس طرح ایمرجنسی میں بلایا تھا وہ واقعی بے حد پریشانی میں گھر میں پہنچا تھا اور گھر آ کر بابا اور امی نے اس کی صحیح معنوں میں عدالت لگائی تھی۔

''امی! میں نے آپ سب کو ساری حقیقت پہلے ہی بتا دی تھی۔'' وہ مکمل اعتماد سے بولا تھا، مطلب اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔

''تم نے ہمیں مکمل حقیقت نہیں بتائی برخوردار، جبکہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ وقت آنے پر سب کلیئر کر دو گے۔'' سردار صاحب نے اس بار اسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے قدرے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''آپ پوچھیں، میں جواب دہ ہوں آپ کو۔'' وہ فرمانبرداری سے بولا۔

''پہلے تو مجھے تمہاری جاب کے بارے میں جاننا ہے کہ آخر ایسی کون سی نوکری ملی ہے تمہیں کہ ہر دفعہ تم ایک نئی کار میں آتے ہو اور جس گھر میں تم نے ہمیں شفٹ ہونے کے لئے کہا وہ گھر بھی کسی محل سے کم نہیں، ذرا میں بھی تو سنوں۔'' ان کی آواز میں طنز تھا، سیف مسکرا دیا۔

''میں نے خفیہ پولیس جوائن کر لی ہے بابا، سیکرٹ سروسز کا اہم رکن ہوں میں پچھلے سات ماہ سے۔'' اس نے گویا بم پھوڑا تھا، سردار صاحب اور شمیم اختر دونوں ہی حیرت اور صدمے سے خاموش بیٹھے رہ گئے، کہ لوگوں کی باتوں میں آ کر وہ اپنے ہونہار بیٹے پر شک کرنے لگے تھے۔

''اور یہ جو گاڑی اور بنگلہ مجھے ملے ہیں نہ، یہ ایسے ہی نہیں ملے، دن رات محنت کی ہے، تب کہیں جا کر یہ مراعات ملیں ہیں مجھے اور عنقریب آپ لوگ بھی میری ایک بہت بڑی کامیابی کی داد دیں گے، بس دعا کیجئے کہ میں کامیاب ہو جاؤں۔'' اس نے عقیدت سے بوڑھے باپ کا کمزور ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

''دیکھا میں نے کہا تھا نہ کہ میرا شیر کبھی کوئی

غلط کام نہیں کر سکتا۔'' سردار صاحب نے اٹھ کر اسے شانوں سے تھام کر اٹھاتے ہوئے گلے لگا لیا۔

''لیکن پھر بھی اس نے امرحہ کے ساتھ جو بھی کیا، وہ غلط تھا اور پھر اب جبکہ وہ مصیبت میں پڑ گئی اس کی وجہ سے تو یہ بے خبر بنا بیٹھا ہے اس سے۔'' تسنیم ابھی تک ناراض تھیں اس سے۔

''مصیبت، کیا مطلب امی؟'' سیف چونکا۔

''شاہ زین اچانک انکار کی وجہ سے بے حد طیش میں ہے اور اسی وجہ سے دھمکیاں بھی دے رہا ہے، تمہاری تائی امی سخت پریشان ہیں اور اسی لئے میں نے کل شام تمہاری رخصتی رکھی ہے۔'' سردار صاحب نے اسے اطلاع دی۔

''کل شام۔'' وہ بڑبڑایا۔

''اور وہ بھی میری رخصتی۔'' ایک اور جھٹکا، سردار صاحب کا قہقہہ جاندار تھا۔

''تمہاری بارات یار اور ویسے بھی تمہاری دلہن کی رخصتی ہو یا تمہاری ایک ہی بات ہوئی، شادی کے بعد تم دونوں نے ہم سب کو بھول ہی جانا ہے۔'' وہ شریر ہوئے۔

''بابا جانی، آپ بھی ناں۔'' سیف نے انہیں ساتھ لگایا۔

''ٹھیک ہے، میں آج ہی نئے گھر شفٹ کرنے کا انتظام کرتا ہوں، آپ نے جو بھی مزید انتظام کرانے ہیں مجھے تفصیل بتا دیجئے گا۔'' اس نے سعادت مندی سے کہا تھا۔

اور پھر اچانک سے ہی سب کچھ طے ہوا تھا اور امرحہ اس کے نام کی مہندی لگائے اس کی زندگی میں چلی آئی، وہ آج بے حد خوش تھا بے حد۔

☆☆☆

اپنے کمرے میں آیا تو مہکتے گلابوں کی دلفریب تازہ مہک نے اس کا استقبال کیا تھا، تازہ گلابوں کی مہکتی سیج کے بالکل درمیان میں بجی سنوری امرحہ گم سم سی بیٹھی تھی، وہ اس کے بالکل قریب جا کر بیٹھ گیا، مگر وہ یونہی کھوئی رہی۔

''مجھے تم سے امید نہیں تھی کہ تم میرے لئے یوں سج سنور کے بیٹھی رہو گی۔'' مخمور سا لہجہ امرحہ کا دل دھڑ کا گیا، وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

''کبھی سوچنا بھی مت سیفی، کہ میرا یہ روپ تمہارے لئے ہے۔'' وہ تڑخی۔

''اچھا۔'' اس نے دایاں ہاتھ آگے بڑھا کر اس کا مہندی لگا خوبصورت مرمریں ہاتھ تھام کر جھٹکا دیا، وہ اس کی بانہوں میں آ گری۔

''تو اور کس کے لئے ہے ہاں؟'' گہری سبز آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا گیا۔

''گھر میرا، کمرہ میرا اور سب سے بڑھ کر حق میرا اور بھلا کیا ثبوت چاہیے تمہیں کہ تمہارا یہ روپ میرے لئے نہیں ہے۔'' اس کی گرم سانسیں امرحہ کا چہرہ جلانے لگیں، وہ فوراً پلکیں جھکا گئی۔

''تت...... تم نے وعدہ کیا تھا سیفی، جب تک میں تمہیں قبول نہ کروں تم......'' وہ خوفزدہ ہوئی تھی، سیف مسکرایا اور دھیرے سے سیدھا کرتے ہوئے اسے واپس اسی حالت میں بٹھا دیا۔

''حالات چاہے جو بھی رہے ہوں امرحہ، لیکن مجھے مان تھا کہ تم کم از کم مجھے بے حد اچھی طرح جانتی ہو۔'' بے حد دھیما لہجہ۔

''میں بھی یہی سمجھتی تھی سیفی، مگر تم نے مجھے غلط ثابت کر دیا۔'' وہ اداسی سے بولی تھی۔

''ہو سکتا ہے اب کی بار تم مجھے سمجھنے میں غلطی کر رہی ہو۔'' جادوگر نے منتر پڑھنا شروع کیا تھا

ایک مدت کے بعد، وہ اسے کمزور کرنا چاہتا تھا، مگر وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

''تو میں دعا کروں گی کہ میں غلط ہی ہوں سیفی، لیکن جو کچھ میرے سامنے ہوا اور میں نے برداشت کیا وہ مجھے ایسا ہی سوچنے پہ مجبور کر رہا ہے۔'' وہ قطعی لہجے میں بولی۔

''سو یہ بھی تو ہو سکتا ہے، کہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو تمہیں اس سے بھی کہیں زیادہ برداشت کرنا پڑ جاتا۔'' وہ شاید اسے جیتنا چاہتا تھا۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' وہ رخ پھیر کر بیڈ سے نیچے اترنے لگی، جب سیف نے دوبارہ دھیمے سے اس کا ہاتھ تھام لیا، وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''تمہارے لئے یہ وقت بھلے قیمتی نہ ہو، لیکن میں یہ لمحے کھونا نہیں چاہتا۔'' کہتے ہوئے اس نے ایک خوبصورت قیمتی سونے کا نفیس سا بریسلیٹ اس کے ہاتھ میں پہنا دیا۔

''میری زندگی مکمل کرنے کے لئے شکریہ۔'' اس نے امرحہ کے اسی ہاتھ پہ بوسہ دیا اور پھر کسی معمول کی طرح جا کر صوفے پہ لیٹ گیا، صرف کچھ لمحوں بعد ہی کمرے میں اس کی پرسکون نیند بھرے خراٹے گونج رہے تھے، امرحہ اس کے صبیح چہرے پہ نظریں جمائے دیر تک اپنا تکیہ بھگوتی رہی۔

☆☆☆

''چاچی اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آج امی کے گھر چلی جاؤں۔'' آج اس گھر میں اسے آئے دوسرا دن تھا، خفا خفا ہی سہی، وہ اس کے آس پاس موجود تھی، یہی سیف علی وزیر کے لئے کافی تھا، اس کی مدہم آواز پہ ناشتہ کرتے سیف نے ایک گہری نگاہ اس کے دلکش سراپے پہ ڈالی تھی، وہ کافی کمزور ہو گئی تھی، رنگت میں زردیاں سی گھلی تھیں، شیفون کے زرد اور سبز رنگ کے خوبصورت لباس میں وہ کسی ان چھوئے پھول کی طرح معطر اور پاکیزہ لگ رہی تھی، سیف کو اس پہ جان تک نچھاور کر دینے کا دل کیا، مگر خود کو انجان بنائے وہ چائے کی چسکیاں ہی لیتا رہا۔

''یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے کی بات ہے، تمہارا جب دل چاہے تم سیفی سے کہہ دیا کرو وہ تمہیں چھوڑ آیا کرے گا۔'' شمیم اختر نے فوراً اسے مطمئن کیا تھا۔

''سن رہے ہو ناں سیفی، جب بھی امرحہ کا دل کرے اسے اپنے گھر چھوڑ آیا کرو۔'' شمیم اختر نے بے نیاز سے انداز میں ناشتہ کرتے سیف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''یہی اب اس کا اپنا گھر ہے امی۔'' کالی آنکھوں میں رتجگوں کا خمار تھا، ہلکی ہلکی بڑھی شیو نے اس کی شخصیت کو مزید نکھار بخشا تھا، امرحہ ایک گہری نظر اس پہ ڈال گئی۔

''تو اس نے کب کہا ہے یہ ہمیشہ کے لئے وہاں جانا چاہتی ہے، وہ بھی اس کا اپنا گھر ہے سمجھے۔'' شمیم نے اس کے کان کھینچے۔

''مذاق کر رہا تھا امی، ویسے پہنچا تو میں آؤں گا مگر واپس اسے خود آنا پڑے گا۔'' اس نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا، نظریں امرحہ کے چہرے پہ جمی تھیں۔

''کیا مطلب؟'' انہوں نے فوراً پوچھا، اس کی بات پہ امرحہ نے بھی اس کی طرف دیکھا تھا، وہ اسے خفا خفا سا لگا، امرحہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

''مطلب یہ کہ مجھے ایک ضروری کام سے دو ماہ کے لئے شاید آج شام فلائٹ سے سنگاپور جانا پڑے، تو ظاہر ہے اب اتنی دور سے تو میں ان محترمہ کو پک اینڈ ڈراپ کی سہولت دینے سے

قاصر رہا۔" خفا خفا سی نظروں سے امرحہ کو دیکھتے ہوئے اس نے ماں کو جواب دیا، امرحہ نظریں پھیر چکی تھی۔

"ایسا کیا؟ شادی کو دو دن نہیں ہوئے اور تم نئی نویلی دلہن کو اکیلا چھوڑ کر اتنی دور چلے جاؤ گے ہر گز نہیں۔" انہوں نے صاف منع کر دیا اور کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گئیں، باہر گلی میں ہارن سنائی دیا تھا۔

"انعم وین آ گئی تمہاری۔" سیف نے ناشتہ کرتی انعم کو کہا تو وہ تیزی سے بیگ اٹھائے باہر نکل گئی۔

"اکیلا کون ہے آپ کیا جانے امی۔" وہ شاید اسے سنانے کے لئے مدہم آواز میں بولا تھا۔

"وصل ہوتے ہوئے ہجر کی آگ میں جلنے سے بہتر ہے مکمل ہجر کو ہی اپنا نصیب بنا لیا جائے، ویسے بھی دلہن کو شاید ہمارے بغیر ہی یہ گھر اچھا لگے۔" کہہ کر وہ اٹھ گیا، امرحہ کا دل ڈوب سا گیا تھا، اس نے دل ہی دل میں اپنے دشمن جاں کی لمبی عمر اور سلامتی کی دعا کی تھی۔

☆☆☆

"مسز ابرار، اللہ کا بہت بہت شکر کہ اس نے آپ کی معصوم بچی کو بچا لیا ان ظالم لوگوں سے۔" یہ ان کی کولیگ تھیں مسز شفقت جو امرحہ اور شاہ زین کا رشتہ ٹوٹنے پہ سب سے زیادہ دلگرفتہ ہوئیں تھیں۔

"ہمیں یہ سب پہلے سے معلوم ہو گیا تھا، میرا داماد انٹیلی جنس آفیسر ہے، تو اسی لئے ہم نے فوراً ہی رشتہ ختم کر دیا تھا۔" سویرا خاتون نے ہاتھوں میں پکڑے اخبار پہ بار بار نظریں دوڑاتے انہیں جواب دیا، مگر دل ہی دل میں وہ خود بھی اس وقت اپنے پروردگار کے حضور تشکر میں مصروف تھیں۔

"چلیں جو بھی ہوا اچھا ہوا، اللہ امرحہ بیٹی کو ہزاروں خوشیاں دے۔" دعائیں دیتی مسز شفقت رخصت ہوئیں، تو وہ دوبارہ اخبار پڑھنے لگیں۔

"مشہور بزنس مین شاہ زین داور لڑکیوں کے اغواء اور بیرون ملک اسمگل کرنے کے جرم میں گرفتار۔" نیچے تفصیلات بھی درج تھیں کہ کس طرح اس کے کارندے اور وہ لڑکیوں کو اپنے جال میں پھانس کر یا تو گھر سے بھاگنے پہ مجبور کر دیتے یا پھر زبردستی اغواء کر لیتے اور پھر ساری عمر وہ معصوم لڑکیاں گناہ کی دلدل میں زندگی گزارنے پہ مجبور ہو جاتی، تفصیلات کے مطابق گواہ اور ثبوت بے حد پائیدار تھے، سو شاہ زین کو سخت سزا متوقع تھی۔

"یا اللہ! یہ میں کیا کرنے جا رہی تھی، دولت کے لالچ نے میری آنکھوں پہ پٹی باندھ دی تھی، مگر صد شکر کہ تو نے میری بیٹی کو بچا لیا۔" وہ رونے لگیں۔

"امی!" اندر آتی امرحہ بھاگ کر ماں کے پاس آئی۔

"کیا ہوا؟ امی پلیز۔" وہ انہیں اس طرح روتا دیکھ کر بے طرح پریشان ہو گئی، سویرا اسے یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہو کر آنسو پونچھنے لگیں۔

"تم اتنی صبح، خیریت تو ہے، سیف کہاں ہے، کیا اکیلی آئی ہو؟" ان کا دل کسی خدشے کے تحت لرز اٹھا۔

"میرا دل نہیں لگتا امی وہاں، مجھے سیف کے ساتھ نہیں رہنا، میں اسے معاف نہیں کر سکتی، وہ مجھے چھوڑ کر واپس چلے گئے، انہیں آج ملک سے باہر جانا ہے۔" اس نے مکمل بات صاف صاف بتائی۔

''کیا مطلب امرحہ؟ کیا وہ تم سے خفا ہو کر جارہا ہے؟'' انہوں نے کاندھے سے پکڑ کر اسے جھنجوڑ دیا تھا۔

''مجھے نہیں پرواہ امی، ہوتا رہے خفا۔'' وہ نظریں چراتے ہوئے بولی، دل نے مکمل طور پہ اس کی باتوں کی تردید کی تھی۔

''یہ دیکھو امرحہ گناہ گار وہ نہیں، اس نے تو سب ہماری بھلائی کے لئے کیا، ٹھیک ہے اس کا طریقہ غلط تھا، مگر سوچو میں نے اس کے لئے کوئی راہ بھی تو نہیں چھوڑی تھی۔'' انہوں نے آج کا اخبار اسے کھول کر دکھاتے ہوئے کہا، جو تقریباً شاہ زین اور اس کے گروہ کے کالے دھندوں کے انکشافات سے بھرا پڑا تھا۔

وہ جوں جوں پڑھتی جارہی تھی، دل خوف سے لرزا جارہا تھا، کیسا انسان اس کا جیون ساتھی بننے جارہا تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

کتنی بڑی غلطی کرنے جارہی تھی وہ اسے ہی خفا کر دیا تھا، جو اس کا مسیحا اس کا چارہ گر تھا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''یہ میں نے کیا کیا امی، اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی خوشیاں اجاڑنے لگ گئی۔'' وہ سسکی۔

''نہیں میری جان۔'' سویرا نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے محبت سے اس کے سنہرے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ابھی بھی دیر نہیں ہوئی، جاؤ سیف کو روک لو۔'' انہوں نے اسے تسلی دی۔

''مگر وہ ابھی میرے ساتھ ہی نکلے تھے امی اور انہوں نے چاچی سے کہا تھا کہ ہو سکتا ہے شام تک وہ ڈائریکٹ ہی نکل جائیں۔'' وہ ہچکیاں لیتے ہوئے انہیں بتانے لگی۔

''تم سیف کو فون کرو، میں خود تمہیں وہاں چھوڑ آؤں گی، مجھے بھی تو اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگنی ہے ابرار کے گھر والوں سے۔'' وہ اداس سے لہجے میں اسے ہدایت کرتیں اٹھ گئیں، امرحہ اپنے کمرے میں چلی آئی اور سیدھا کھڑکی کے قریب آ کر پردے ہٹائے اور کھڑکی کھول دی، باہر دھند چھائی تھی، مگر اب چھٹنے کے قریب تھی، سردی جیسے اس کی نس نس میں گھسنے لگی، اس نے کانپتے ہاتھوں سے سوئیٹر کی جیب سے موبائل نکالا اور ڈرتے ڈرتے سیف کا نمبر ملانے لگی، دوسری طرف فون بند ہونے کی اطلاع سن کر اس کے دل کی دھڑکنیں بند ہونے لگیں، تبھی اس کے موبائل پہ میسج ٹون بجی تھی، اس کی کسی دوست کا پیغام تھا، نئے سال کے لئے وش کیا تھا اسے۔

''آج دسمبر کی آخری رات ہے، مطلب نیو ائیر نائٹ ہے۔'' یاد آتے ہی اس کا دل بجھ سا گیا، وہ بار بار کال ملانے لگی، تھک ہار کر اس نے فون واپس رکھ دیا۔

''معاف کر دیں مجھے سیف پلیز لوٹ آئیں۔'' اس نے دل سے دعا کی تھی۔

امرحہ نے بوجھل دل کے ساتھ دور اٹھتی دھند پہ نگاہ ڈالی تھی، دسمبر جارہا تھا، دسمبر کی نشانیاں چہار سو بکھری تھیں، ان کے گھر کے صحن میں، دوسروں کے صحن میں، سامنے گلی میں پکے روڈ پہ ہر جا سوکھے زرد پتوں کی کچلی اوندی ہوئیں لاشیں پڑی تھیں، کہیں دسمبر اس کی جھولی میں بھی یہ زرد موسم نہ چھوڑ جائے ہمیشہ کے لئے، وہ کانپ گئی، دسمبر کی اداسی آج پہلی دفعہ زندگی میں اس نے محسوس کی تھی۔

''اس سے پہلے کیوں نہیں۔'' اسے خیال آیا۔

''کیوں اس کی محبت اس کے ساتھ تھی، سیفی کی توجہ ہی تو اس کے سارے موسم، موسم گل

بنا دیتی تھی۔ اندر سے ہی جواب آیا، امرحہ چونک گئی، بجلی کی سی تیزی سے ایک خیال اس کے ذہن میں چمکا، اس نے دوبارہ سے فون نکالا اور سیف کے پرانے پیغامات نکال کر پڑھنے لگی، صرف چند پیغامات کے بعد ہی اس کا مطلوبہ پیغام اس کے سامنے تھا۔

اس نے اپنے پیا کو خود ناراض کیا تھا، اپنے مجازی خدا کو ناراض کر دیا تھا اور اسے منانے میں، اس سے اپنی محبت اور وفا کا اظہار کرنے میں اسے کوئی لاج نہ تھی، اس نے دھیمے دھیمے پڑھنا شروع کیا۔

کبھی پت جھڑ دسمبر میں
اگر ہم تم جو مل جائیں
دسمبر موسم گل ہو...... مکمل ہو

وہ مسکرائی تھی اور پیغام سیف کو ہی فارورڈ کر دیا تھا، نئے سال کی نئی خوشیوں کو پانے کے لئے شاید اسے انتظار کرنا تھا، مگر وہ ناامید نہ تھی۔

☆☆☆

سارا دن ادھر سے ادھر گاڑی دوڑاتے اب اس کے ہاتھ شل ہونے لگے تھے، اس نے امرحہ سے جو وعدہ کیا تھا، وہ اسے ہر حال میں نبھانا تھا اور امرحہ اس کے آس پاس ہوتی تو اسے خود پہ قابو پانا جاں گسل لگتا، تبھی اس نے امرحہ سے باہر جانے کا جھوٹ بولا تھا، وہ اس شہر میں کہیں بھی رہ سکتا تھا، اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھا، وہ امرحہ سے دور رہنا چاہتا تھا، کم از کم اس وقت تک جب تک امرحہ کے ذہن پہ چھائی گرد ساری حقیقت سامنے آنے پہ چھٹ نہ جائے، شام قریب تھی، دھند اترنے لگی تھی، اس کا دل اداس ہونے لگا، تبھی اسے خیال آیا کہ اس نے صبح سے اپنا سیل فون آف کر رکھا تھا، اس نے گاڑی روکی اور سیل آن کر دیا، یا ور آن ہوتے ہی سیل بجنے لگا

تھا، اس کے اسسٹنٹ کی کال تھی، اس نے فوراً کال پک کی۔

''ہاں بلال بولو۔''

''مبارکاں سر، کامیابی ہمارا مقدر بنی، اخبارات دیکھے آپ نے۔'' بلال کی چہکتی آواز نے اسے اندر تک مسرور کیا تھا، کچھ دیر یونہی بات کر کے اس نے کال بند کر دی۔

کافی مسڈ کالز الرٹ اور پیغامات بھی اس کے منتظر تھے، یونہی لسٹ پہ نظر دوڑاتے ہوئے اسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا، امرحہ کی طرف سے کتنی ہی مسڈ کالز تھیں، اس نے پیغامات کھولے اور امرحہ کے نام پہ پریس کر دیا، امرحہ کی طرف سے موصول ہونے والا اکلوتا پیغام اس کے سامنے تھا، اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھری تھی، اتنا خوبصورت اعتراف اسے اتنے خوبصورت طریقے سے لوٹایا جائے گا وہ امید بھی نہیں کر سکتا تھا۔

یہ میری زندگی جاناں
جو تم آؤ مکمل ہو
دسمبر موسم گل ہو

''گھر کی ٹیرس پہ تمہارا منتظر، صرف تمہارا سیفی۔'' اس نے ٹائپ کر کے سینڈ کا بٹن دبا دیا، سارے دن کی آوارہ گردی کے بعد اب وہ گنگناتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا، جہاں صرف چند گھنٹے باقی تھے زندگی کے ایک نئے خوبصورت اور مکمل سال ہونے میں اور وہ اس مکمل زندگی کا بھرپور استقبال کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

بدلا پھر رنگ قسمت کا

اُم ایمان قاضی

آج اسے بہت دیر ہوگئی تھی یونیورسٹی کے لئے سو تیزی سے سیڑھیاں اترتا وہ گھڑی کو کلائی پر باندھتا اپنے ہی دھیان میں تھا جب تیزی سے اوپر آتی اصبح سے ٹکرایا، ایک تو وہ لڑکی عادات و حلیے کی بنا پر اسے ویسے ہی ناپسند تھی اوپر سے صبح ہی صبح اسے سے ٹکراؤ اسے خاصا بدمزہ کر گیا اس پر اس کا ہمیشہ والا گندا سندا حلیہ اس کا موڈ مزید خراب کر گیا تھا۔

''صبح ہی صبح ایسا کون سا ضروری کام درپیش تھا کہ اپنا دیدار کرانے آ پہنچی ہو۔'' اس نے بڑے کڑے لہجے میں استفسار کیا، آگے بھی اصبح تھی کسی کا بھی لحاظ نہ رکھنے والی۔

''تم سے مطلب، جاؤ اور اپنا راستہ ناپو، مجھے بھی صبح صبح تم جیسے نک چڑھے بندے کے منہ لگنے کا کوئی شوق نہیں ہے، ہونہہ اتنا اچھا موڈ ہی خراب کر دیا۔'' الٹا وہ بھی یہی الفاظ کہتی اس کے پاس سے گزر کر زینہ عبور کر گئی۔

''اوہ شٹ، اس فضول لڑکی کی وجہ سے میں مزید لیٹ ہوگیا۔'' وہ بڑبڑاتا نیچے اتر گیا۔

''چچی جان آپ جتنی پیاری اور اچھی ہیں آپ کا بیٹا اتنا ہی بدتمیز اور جھگڑالو ہے۔'' ادھر وہ چچی کو ڈھونڈتے کچن میں آ گئی جو ناشتہ کرتے ہوئے اخبار بینی کر رہی تھیں۔

''اونہہ اصبح بری بات بیٹا، ایک وہ بڑا ہے آپ سے دوسرے کسی کو پیٹھ پیچھے برا نہیں کہتے اور میں نے کتنی دفعہ آپ کو سمجھایا ہے کہ سب سے پہلے سلام کرتے ہیں۔'' اور انہوں نے ہمیشہ کی طرح نرمی سے اسے ٹوکا۔

''اوہ ہاں، السلام علیکم۔''

''بیٹھو ناشتہ کرو۔'' انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اس کے لئے کرسی کھسکائی۔

''اصل میں چچی جان میں جلدی میں بھی

مکمل ناول

ہوں نیچے تائی کا ایک کام کرنے جا رہی تھی، آپ کی خونخوار اولاد کو دیکھ کر خیال آیا کہ کافی دن سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی یہاں آ کر مزے دار سا ناشتہ دیکھ کر دل کر رہا ہے کہ فی الحال تائی کے کام کو ایک طرف کر کے کیوں نا مزے دار ناشتے کا لطف لے لیا جائے۔"

چچی کے ہاتھ کے پراٹھے اسے ویسے ہی بہت پسند تھے۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، بلال نے آج فرمائش کر کے پراٹھے بنوائے بہت دنوں بعد اب ایک ہی کھا کر اٹھ گیا کہ امی یونیورسٹی کے لئے پوائنٹ نکل جائے گا، دیکھو تمہاری قسمت کا تھا ناشتا۔"

وہ اب اس کے لئے چائے دم کر رہی تھیں، اصبح کو چچی کی عادات، ان کے گھر کا سکون اور ان کی شخصیت بڑی پسند تھی پورے خاندان کی ان سے بے زاری اور نفرت سے قطع نظر وہ ان کے دل سے عزت کرتی تھی شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ تائی اور شاہانہ چچی کے پورشن میں وہ ایک خادمہ، ملازمہ سے زیادہ حیثیت اور اہمیت نہ رکھتی تھی، یہاں جب چچی اسے بڑے پیار سے اصبح کہتی تو اسے خیال آتا کہ اگر اس کی ماں حیات ہوتیں تو شاید ایسا پیار اور ایسی نرمی ان کے لہجے میں بھی در آتی، وہ سارا دن اور ساری رات بھی کام اور گھر کے بکھیڑوں میں الجھی رہتی تب بھی کسی کو کبھی خیال نہیں آتا تھا کہ اس نے کچھ کھایا بھی یا نہیں جبکہ چچی ہر بار بڑے پیار سے کچھ نہ کچھ کھلا کر بھیجتی تھی اسے۔

"جب وہ کہتی مجھے پتہ ہے کافی دیر سے کچھ نہیں کھایا ہوگا تم نے۔" ان کے حتمی انداز میں کہنے پر وہ حیران رہ جاتی کہ ان کو کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ مسلسل گھر کے کام کاج میں کب اسے کچھ کھانے کا ٹائم ملا تھا۔

"پتہ ہے چچی صبح کیا ہوا وہ نکڑ والا حمید ہے ناں، دودھ والا، دودھ کا برتن پکڑتے وقت میرا ہاتھ پکڑ لیا، بس پھر کیا تھا سمجھو اپنی شامت کو آواز دے ڈالی، میں نے بھی کس کے ایک چانٹا رسید کیا اور وہ سنائی، وہ سنائیں کہ سارا محلہ اکٹھا ہو گیا۔" جلدی جلدی نوالے نگلتی اصبح اب چچی کو نئی داستان سنا رہی تھی، کچن کا چھوٹا موٹا بکھیڑا سمیٹتی وہ چونک گئیں، پھر کام ادھورا چھوڑ کر اس کے پاس آ بیٹھیں۔

"آپ صبح صبح کیا کرنے گئی تھیں وہاں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا لہجہ کڑوا ہو گیا۔

"دودھ اور دہی لینے اور کیا کرنے، صبح ناشتے میں چائے بنانے کے لئے فریج کھولا تو دودھ ختم تھا تائی کو بتاتی تو الٹا انہوں نے مجھے ہی ڈانٹا تھا کہ شام کو ہی یاد دلا دیتیں تو لڑکے لے آتے اب کہاں وہ نیند سے اٹھیں گے ویسے بھی دہی لینے بھی کم ہی کوئی جاتا ہے میں ہی جاتی ہوں۔" وہ تفصیل بتاتے بولی۔

"اصبح بڑی بھابھی بیگم کو اس طرح تمہیں باہر نہیں بھیجنا چاہیے بیٹا، جوان جہان بچی ہو پھر اتنی خوبصورت، تم خود ہی منع کر دو کہ گھر کے اندر والے سارے کام کرو گی باہر کسی بچے کو بھیج کر کام کروا لیا کریں۔"

"ارے چچی کیوں فکر کرتی ہیں دنیا میں کوئی مائی کا لال پیدا نہیں ہوا جو اصبح کو ٹیڑھی آنکھ سے بھی دیکھ جائے، ساری مارکیٹ تھر تھر کانپتی ہے، مجھے دیکھ کر، سبزی والے کی بھی پٹائی بھولے تھوڑا ہی ہیں سب۔" اس کی اپنی منطق تھی، چچی طویل سانس لے کر رہ گئیں، اصبح نے ایک دو اور بے سروپا ہانکیں تائی اور چچی شاہانہ کے گھرانوں کے حال احوال مختصر بتا کر جلدی جلدی چائے پی کر یہ

جاوہ جا، پتہ نہیں کیوں ہر بار اصبح سے ملنا اور اسے دیکھنا چچی کے اندر گہرے ملال جگا دیتا تھا۔

☆☆☆

''لگتا ہے وہ صاحب جو آپ کو چھوڑ کر گئے تھے ابھی لینے نہیں آئے، رات بھی گہری ہو گئی ہے، آپ حکم کریں تو میں چھوڑ آؤں حضور۔'' وہ ہاتھ باندھ کر خوشامدی انداز سے بولا تو بے بسی اور ریانت کے شدید احساس سے اس کی آنکھیں بھر آئیں، ہمیشہ یہی ہوتا تھا کوئی بھی محفل کہیں بھی ہوتی سارے گھر والے اسے بھیجنے پر بضد ہو جاتے اس بات سے قطع نظر کہ وہ خود کیا چاہتی ہے بس پروگرام کے بعد ملنے والا سرمایہ انہیں اسے راضی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانے پر مجبور کر دیتا، رافع تو باقاعدہ اسے چھوڑ کر بھی آتا تھا بس واپس لے آنا ہی یاد کسی کو نہ رہتا تھا نہ چچا کو نہ رافع کو نہ چچی کو، پتہ تھا کہ گھر جیسی پناہ گاہ کے لئے ترستی وہ لڑکی ہر حال میں گھر پہنچ ہی جائے گی، سو بے فکر ہو کر سو رہتے، یاد نہیں کہ اس کی زندگی میں یہ گانا بجانا کب سے آیا، اپنے شعور سنبھالتے ہی اس نے والدین کی جگہ اپنے باپ کے چچا زاد کو اور اس کی بیوی بچوں کو دیکھا تھا، چچا کسی زمانے میں موسیقی سکھانے کا کام کرتے تھے اچھے سارنگی نواز تھے، اپنے وقت کی ایک دو اچھی اور مشہور گلوکارائیں ان سے سیکھنے آیا کرتی تھیں جب وہ چھوٹی تھی۔

بچپن سے ہی اس کی آواز کی لے اور سوز نے چچا کے ذہن میں کیا ڈالا کہ آٹھویں کلاس سے ہی اس کی تربیت شروع کر دی، ویسے بھی چچا کی روزی روٹی کا وسیلہ اب کم کم ہی بن پاتا تھا کہ گزرتے وقت کے جدید تقاضوں نے پرانے لوگوں اور فنکاروں کی اہمیت کو ختم کر دیا تھا، تاہم چچا کے روابط ابھی تک ٹی وی اور ریڈیو کے فنکاروں اور گلوکاروں سے تھے، تین سال کی مسلسل محنت اور مشق نے اس کی آواز میں کوئی جادو سا بھر ڈالا تھا، میٹرک کرتے ہی چچا نے اسے نجی محافل میں گانے کے لئے بھیجنا شروع کر دیا، پہلے پہل وہ خود بھی ساتھ ہی جاتے اور سارے معاملات اور لانے لے جانے کا مسئلہ بھی خود ہی نبٹاتے۔

چچا کا بیٹا رافع اس سے پانچ چھ سال بڑا تھا اور اب کالج میں پڑھ رہا تھا، وہ بھی مزید پڑھنا چاہتی تھی مگر چچا کی بات نے اسے گویا آسمانوں پر جا پہنچایا تھا کہ ہم نے کون سا تم سے نوکری کروانی ہے پڑھا لکھا کر پھر بیٹی ہی نہیں، بہو بھی ہو اس گھر کی، حالانکہ نوکری تو گزشتہ تین سال سے کرتی آ رہی تھی اسے مردوں کی میلی اور بھوکی نظروں سے بہت ڈر لگتا اور کوفت بھی ہوتی پر کسی بھی ایسے لمحے میں جب چچا کو بھی ان مردوں کے درمیان محفل کے دوران سر دھنتے دیکھ کر ہر بار دل میں کڑوا دھواں سا بھر جاتا وہ سوچتی کہ وہ ان کی حقیقی بیٹی ہوتی کیا تب بھی وہ اسے اس طرح ساتھ لے کر گانے بجانے کی محفلوں میں جاتے، مگر ہر بار جواب کی جگہ ایک خالی نشان اپنی جگہ چھوڑ جاتا، لیکن جب سے چچا نے اسے بہو بنانے کا ارادہ کیا تھا، اس نے اپنے سارے منفی خیالات پر نفرین بھیجی تھی۔

چچا کا ارادہ اب اسے ٹی وی اور فلم کے میدان میں متعارف کرانے کا تھا جبکہ ایک آدھ بار ان کے بے حد اصرار پر وہ ریڈیو کے لئے بھی گا چکی تھی لیکن فی الحال وہ راضی نہیں ہو پا رہی تھی، پھر چچا کی بہو بننے کا خواب تب چکنا چور ہوا جب رافع نے اس سے شادی سے انکار کر دیا۔

''میرے لئے یہی ایک گانے والی رہ گئی ہے دنیا میں، میں لڑکی پسند کر چکا ہوں آپ نے

میری شادی کرنی ہے تو جہاں میں کہوں گا وہیں رشتہ لے کر جائیں نہیں تو یہ زحمت بھی میں خود ہی کرلوں گا۔" وہ خاصی بدتمیزی سے بولا۔

"بکومت تم یہ مت بھولو کہ کئی برس سے یہ گھر اور تمہارے شاہانہ خرچے اسی گانے والی کی وجہ سے چل رہے ہیں باپ تمہارا تو کب کا فارغ ہو چکا کمانے اور کھلانے کے چکروں سے۔" چچا اور ان کے بیچ ہونے والا مکالمہ، اس نے کس اذیت بھرے احساس کے ساتھ سنا اور بس احساس کے اندر اترنے کے بعد روح کیسی زخمی ہوئی تھی یہ وہ جانتی تھی یا اس کا خدا۔

"تمہیں بھی بچوں کو سمجھانے کو طریقہ نہ آیا کبھی رافع کے ابا، جوان بچہ ہے آرام سے سمجھاؤ، دیکھو بیٹا تم نے تین سال بی اے میں لگا دیئے پر پاس ہو کر نہ دیئے، موٹر سائیکل تمہیں لے کر دی اور کئی خرچے اور ہیں تمہارے، یہ عیش، اچھا کھانا، پینا یہ سب ناز کی کمائی سے ہے ٹھنڈے دل سے سوچو تو اسی سے شادی میں تمہیں فائدہ حاصل ہے اس کو گھر مل جائے گا اور تمہیں کمائی نہیں کرنی پڑے گی، جو باہر سے آئے گی وہ بھوکی نہیں بیٹھی رہے گی، تن کے لئے کپڑے بھی مانگے گی اور پیٹ کے لئے کھانا بھی کہاں سے لاؤ گے اور پھر تم سے مایوس ہو کر اس نے بھی کہیں تو بیاہ کرنا ہے تو نقصان اس کو نہیں ہمیں ہے۔" اب کے چچی میدان میں آئی تھیں اور آئینہ لے کر گویا بیٹے کو اس میں فائدہ اور نقصان دونوں کی واضح تصاویر بھی دکھا دی تھیں، باہر کھڑی ناز کا دل کیا وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

"رافع جہاں چاہتا ہے اس کی شادی کر دیں چچا۔" پتہ نہیں کس دل سے وہ اندر آئی اور نفع ونقصان کے گورکھ دھندے میں ڈوبے وہ تین نفوس اس بات کے ڈر سے پریشان ہو گئے تھے کہ اس نے کہیں سب سن نہ لیا ہو۔

☆☆☆

"بس میں جو پہنچی اندر تو پھر کیا تھا تینوں کے چہرے فق ہو گئے قسم سے تائی، چچی شاہانہ کا بس نہیں چل رہا تھا، میری گردن مروڑ کے وہیں کہیں مجھے دفن کر دیں۔" تائی کے بالوں میں مساج کرتے وہ مزے سے ساری روداد سنا رہی تھی۔

"مزے کی بات تو یہ ہوئی تائی کہ مہمانوں نے مجھے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے، پہلے تو چچی شاہانہ مجھے گھور کے دیکھتی رہیں پھر جیسے کونین کی گولی چبا کر بولیں، ہماری اکلوتی نند کی بیٹی ہے یہ، ماں باپ بچپن میں ایک حادثے میں وفات پا گئے ہیں، بہت چھوٹی سی تھی جب اس کے ماموں اسے لے کر آئے تھے تب سے ہمارے پاس ہی ہے، پتہ ہے وہ خاتون کیا بولیں کہنے لگیں، ارے تو بھانجی ہوئی آپ کی بھی، یہ تو بڑا نیکی کا کام کیا آپ لوگوں نے بس پھر کیا تھا چچی شاہانہ پھول کے کپا ہو گئیں اور تعریف بھی یوں فخر سے وصول کی جیسے مجھے ابھی تک گود میں لے کر وہی پال رہی ہوں۔" ایک بار پھر قل قل ہنسی کا فوارہ اس کے منہ سے پھوٹا گویا چچی شاہانہ کی اس حالت کو ابھی تک یاد کر کے حظ اٹھا رہی ہو۔

"ہونہہ اس کو عادت ہے ہر بات پہ واہ واہ سمیٹنے کی ورنہ کیا دنیا نہیں جانتی کہ جب تمہارے ماں باپ گزر گئے تو یہ تمہارے بڑے ماموں ہی تھے جو اتنی کوسی کو اٹھا کے لے آئے اور میری جھولی میں ڈال دیا، شاہانہ تو فوراً ہی گھبرا کے اپنے کمرے میں جا کے بند ہو گئی کہ کہیں یہ ذمہ داری بانٹنی ہی نہ پڑ جائے گھر جو اکٹھا تھا تو مل بانٹ کے کام کرنا پڑتا تھا، اماں جی بیچاری سدا کی بیمار وہ کہاں اتنی ننھی بچی کی ذمہ داری سنبھال سکتی

تھیں۔"

حالانکہ اصبح کی صحیح ذمہ داری اس کی نانی نے ہی اٹھائی تھی دونوں بہوئیں تو پاس بھی نہ گزرتیں کہ بچی کا کوئی کام وہ ان سے نہ کہہ دیں، جوان بیٹی اور داماد کا اس طرح اچانک دنیا چھوڑ جانا، معصوم بچی کی ذمہ داری، اماں جی کو یہی غم ہی لے ڈوبا تھا، وہ تو بیٹوں کا آسرا تھا جو برداشت کر گئیں ورنہ بہویں تو ان کی کسی کام کی نہیں تھیں، بیٹے بھی صرف روپے پیسے تک ہی مدد کر پاتے دیار غیر میں رہ کر وہ گھریلو معاملات میں دخل اندازی نہیں کر سکتے تھے۔

دوسرے بچوں کی دیکھا دیکھی اصبح بھی اپنی ممانیوں کو تائی، چچی اور ماموؤں کو تایا، چچا کہہ کر بلانے لگی تھی، پانچویں کلاس میں تھی اصبح جب بڑی اماں بھی اس کا ساتھ چھوڑ کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں، اصبح کی سرپرستی تو چچا، تایا کر ہی رہے تھے صرف روپے پیسے کی حد تک، پہلے بڑی اماں تھیں تو کوئی مسئلہ نہیں تھا ان کے بعد ایک بار پھر یہ مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا کہ نہ تو تائی اسے اپنے گھر رکھنے کو تیار تھیں نہ چچی شاہانہ جبکہ تایا اور چچا اپنی والدہ کی وفات کے بعد دوبئی واپس جانا چاہتے تھے، وہ چاہتے تھے جانے سے پہلے اصبح کے رہنے کا مسئلہ مستقل حل کر کے جائیں، دونوں کی بیویوں کی ہٹ دھرمی کے باعث دونوں مرد حضرات نے طے یہ پایا کہ پندرہ دن اصبح تایا کے گھر تو پندرہ دن چچا کے گھر رہے گی، پہلے پندرہ دن تائی کی باری تھی پہلے تین دن تو انہوں نے بے حد بیزاری اور کوفت کے ساتھ گزارے دفعتاً ان کے ذہن میں ایک زرخیز خیال کا آیا تھا کہ ان کی آنکھیں چمک اٹھیں، اصبح جو کہ ویسے ہی ایک صلح جو، خاموش اور صابر بچی تھی اسے گھر کے چھوٹے چھوٹے کام کرانے شروع کر دیئے، ویسے بھی چچی شاہانہ کی تو بیٹیاں تھیں جبکہ ان کے بیٹے سو کام والی دو ملازماؤں کے ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے بھاری بھرکم وجود کے باعث اٹھا رکھتے جیسے معمولی کام کے لئے ہلکان ہوتی رہتیں، اس خیال پر عمل کرنے کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے میاں اور دیور کے سامنے کہا۔

"اصبح اب مستقل ان کے پاس ہی رہے گی ویسے بھی بیٹوں کی موجودگی میں وہ بیٹے کی کمی نہایت شدت سے محسوس کرتی ہیں۔"

دونوں بھائی اگرچہ دل میں اس کایا پلٹ پر حیران رہ گئے کہ کہاں وہ پندرہ دن بھی اصبح کو برداشت کرنے کو تیار نہیں تھیں اور کہاں ساری عمر کے لئے گلے سے لگا کے رکھنے کو تیار ہو گئی تھیں خیر تمام فکرات کو دل میں دبائے اصبح کی طرف سے مطمئن ہوتے ہوئے وہ لوگ دوبئی سدھارے تھے، ہاں ہر ماہ اس کے خرچ کی صورت میں ایک معقول رقم دونوں تائی کو بھجوا دیا کرتے تھے ویسے بھی اصبح کے باپ کی اچھی خاصی جائیداد تھی جو تایا نے بیچ باچ کر ایک بڑی رقم بینک میں اصبح کے نام سے ڈپازٹ کرا دی تھی جہاں سے ہر ماہ منافع کی رقم بھی تائی ہی وصول کرتی تھیں، صرف دو ماہ لگے تھے تائی کو اصبح کے معمولات اپنی مرضی کے مطابق سیٹ کرنے میں اس کے بعد اصبح نے ہر حوالے سے ان کو ایسا سکھ دیا کہ آج اگر وہ اصبح کے بنا رہنے کا سوچتیں بھی تو اس کی طرف سے پہنچنے والے آرام کی غیر موجودگی کے تصور سے اس کا دم گھٹنے لگتا، تائی تو کسی بہانے اس کی پڑھائی بھی چھڑوا دیتیں اگر جو تایا آڑے نہ آتے مارے باندھے ہی اصبح نے ایف اے کیا پھر گھر اور اس کے جھمیلوں میں ایسی الجھی کہ کیسی پڑھائی کہاں کی پڑھائی، تائی کے بیٹوں نے بھی آہستہ آہستہ گھر کے کاموں سے

ہاتھ کھینچ لیا تھا سوائے بل جمع کروانے کے باقی گھر کا سودا سلف لانا ہوتا یا دودھ والے سے بھاؤ تاؤ، دھوبی کا حساب کتاب چکانا ہوتا یا پلمبر سے کوئی کام کروانا ہوتا اصبح تھی ناں، ہر کام کے لئے حاضر، نسوانیت کے وقار اور لباس کی نزاکتوں سے بے بہرہ اصبح کو تائی نے کبھی بھی روایتی لڑکیوں جیسی تربیت دینے کی کوشش نہیں کی تھی، نتیجتاً وہ ویسی ہی پروان چڑھی جیسے ایک خودرو پودا بغیر کانٹ چھانٹ کے بڑھتا ہے، تائی دو گرمیوں کے اور دو سردیوں کے سوٹ اسے دلا کر اس کی باقی ضرورتوں سے بے نیاز بن جاتیں لیکن وہ بھی تائی کی زیر پرورش بڑھنے والی اصبح تھی، گھر کا حساب کتاب چونکہ اس کے ذمہ تھا سو روپے پیسے کی تنگی کا احساس کبھی دامن گیر نہ ہوا، اپنے ظاہری حلیے کی طرف توجہ دیئے بغیر وہ ہفتوں خود سے بے نیاز پھرتی اگر جو کوئی دوسرا احساس نہ دلاتا، کبھی یہ فریضہ چچی شاہانہ کے پورشن میں جانے پر ان کی بیٹیاں دلاتیں، کبھی وہ خود ہی کہہ دیتیں۔

''ارے اصبح! بھابھی بیگم تو ہر جگہ بڑے فخر سے اعلان کرتی پھرتی ہیں کہ اصبح کا ایسے خیال رکھتی ہیں ویسے خیال رکھتی ہیں کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی پر تمہاری حالت سے تو کہیں نہیں لگتا کہ وہ تمہارا خیال رکھتی ہوں گی۔'' اس کے بے حد الجھے اور کئی دن سے بغیر کنگھی کیے بال اور میلے چیکٹ کپڑے دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتیں، کچھ دل میں آج تک یہ افسوس بھی تھا کہ اصبح کو مستقل رکھ لینے کا فیصلہ انہوں نے کیوں نہ کر لیا تھا۔

''ارے واہ چچی! یہ تو میں خود ایسی ہی لاپرواہ سی بندی ہوں ورنہ تائی کے گھر کی تو اصل مالکن میں ہوں، تائی مجھے رانی صرف کہتی نہیں مانتی بھی ہیں۔'' وہ الثاان کو چڑاتی۔

''ہونہہ غلیظوں کی رانی، نگین بڑبڑاتی۔''

شاہین کیوں پیچھے رہتی۔

''اور پلیز جب ایسے حلیے میں یہاں تشریف لاؤ تو خود کو ہماری کزن مت کہلوایا کرو خوامخواہ کی شرمندگی، امی ابھی کل ہی میری فرینڈز آئی ہوئی تھیں، محترمہ تشریف لے آئیں اور بڑے فخر سے کہا آپ نے مجھے نہیں پہچانا میں شاہین کی کزن ہوں، قمیض اور رنگ کی شلوار کا رنگ اور اور دوپٹہ کا تصور بھی نہیں محترمہ کے ہاں۔'' نگین نے کل کی روداد کڑوے لہجے میں سنائی۔

''تبھی چچی! شاہین کی فرینڈز کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا ہاں پھر میں نے خود ہی ان سے کہا باجی منہ بند کر لیں مکھی چلی جائے گی۔'' اصبح کھلکھلائی، شاہین اور چچی بری طرح کلس گئیں تھی۔

وہ اول جلول حلیے میں بھی اپنے باپ کا پرتو تھی بے حد خوبصورت جبکہ تائی اور چچی کے سب بچے عام شکل وصورت کے تھے، یہیں پر آ کر چچی شاہانہ کی بیٹیاں اصبح سے مار کھا جاتیں کہ اپنی تضحیک کے جواب میں وہ اپنی خوبصورتی کا احساس دلا دیتی تھی ان کو۔

پورے گھرانے میں ذاتی طور پر اصبح کو چھوٹی چچی پسند تھیں وہ اوپر والے پورشن میں اپنے انتہائی اکھڑ اور نک چڑھے بیٹے بلال کے ساتھ رہائش پذیر تھیں شروع ہی سے باقی دونوں فیملیز کا ان سے کوئی رابطہ نہیں تھا لیکن اصبح نے بھلا کب کس کی بات ماننا سیکھا تھا، بہت پہلے ایک دن جب وہ بلا ارادہ ان کی سیڑھیاں چڑھ گئی تو چچی شاہانہ اور تائی کے کھینچے گئے نقشے سے قطع نظر بے حد مہربان خاتون سے ملاقات ہوئی

جنہوں نے گھر کی باقی خواتین کی طرح نہ تو ایک دوسرے کی ٹوہ لینے کی غرض سے تابڑ توڑ سوالات کیے نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائیوں کے انبار کھڑے کیے، بلکہ بہت پیار سے گلے لگانے کے بعد اسے بٹھا کر بہت اچھی باتیں کی تھیں، ایسی باتیں جو کبھی اصبح نے نہیں سنی تھیں، لڑکیوں کے رہن سہن طور طریقے، چال چلن کے حوالے سے، صفائی نصف ایمان ہے پر ایسے ہی قطعاً بے ضرر سے موضوعات پر دھیمے دھیمے بولتی چچی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہی اصبح کو کئی سبق سکھا کے بھیجتیں جنہیں وہ دوہرانے اور جن پر عمل کرنے کا عہد لئے جب نیچے آتی تو اگلے ہی دن وہ تمام اسباق اسے بھول گئے ہوتے کہ اس کی شخصیت پر تائی کی تربیت اور ماحول کے گہرے رنگ چڑھے تھے، پندرہ بیس دن یا کئی کئی ماہ بعد ہونے والی وہ ایک خوبصورت ملاقات ان بدنما رنگوں پر اپنا خوشنما رنگ چڑھانے میں ناکام رہتی اس پر تائی کو اس کا اوپر جانا قطعی ناپسند تھا۔

''اے اصبح سنتی بھی ہو، کئی بار تمہیں منع کیا ہے مت جایا کرو اوپر، پتہ نہیں کیسی اور کہاں کی عورت کو تمہارے چچا مرحوم نے لا کے ہمارے سروں پہ بٹھا دیا، نہ تو تمہارے تایا اور چچا نے اس کو منہ لگایا نہ ہی اماں جی مرحومہ نے، وہ تو بھائی مرحوم کے مرنے کے بعد اماں جی کبھی کبھار اس عورت کے بیٹے کو بلوا لیا کرتی تھیں اس عورت سے تو پھر بھی کبھی کلام نہیں کیا انہوں نے، پھر اماں بی کے بعد اس لڑکے کے یہاں آنے کا سلسلہ بھی تمام ہوا، اب تمہارے تایا جی یا چچا کو پتہ چلا کہ تم ان سے ملتی ہو تو میں کہے دے رہی ہوں سخت ناراض ہوں گے وہ لوگ۔'' تائی کا ہر بار کا ڈراوا اصبح ایک کان سے سنتی دوسرے کان سے نکال دیتی کہ تائی کی زندگی اور گھر میں اپنی اہمیت سے واقف تھی۔

''ویسے تائی ایک بات ہے کہ مجھے لگتا ہے اماں جی اور آپ لوگوں نے چچا مرحوم اور چچی سے تعلق توڑ کر سخت غلطی کی تھی آخر کو پسند کی شادی کی تھی چچا نے کوئی جرم تھوڑی کیا تھا جو ایسی سخت سزا دی جاتی، اماں جی زندہ ہوتیں تو میں ضرور ان کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیتی اور آپ کو بتاؤں کہ میں اپنی پوری زندگی میں ایسی خوبصورت اور میٹھا بولنے والی عورت نہیں دیکھی، مجھے لگتا ہے چچا بھی ان کو دیکھ کر ایسے ہی فدا ہوئے ہوں گے جیسے میں ہو جاتی ہوں، قسم سے دل کرتا ہے وہ پیاری صورت دیکھے جاؤ دیکھے جاؤ اور وہ میٹھی بولی سنے جاؤ سنے جاؤ۔'' وہ آنکھیں بند کر کے شروع ہو چکی تھی۔

''اے پرے ہٹو بے شرم، کیسے اس عورت کے قصیدے پڑھنے بیٹھ گئی ہو جس نے اپنے حسن کا جادو چلا کر اماں سے بیٹا جدا کر دیا اے بھائی مرحوم سے تو میری بہن کی بات تقریباً طے ہی تھی پتہ نہیں کہاں سے یہ ڈائن مل گئی ان کو کہ انہوں نے شادی سے انکار ہی کر ڈالا پھر نہ پیار بھری ڈانٹ نے اثر دکھایا نہ جائیداد سے عاق ہونے کی دھمکی کام آئی۔'' تائی کے چچی کی طرف اپنے ہی کھاتے کھلتے تھے۔

''لو چچی نے کہاں بیٹا ماں سے جدا کیا تائی، آپ بھی کمال کرتی ہیں، اماں جی خود ہی بیر باندھ کے بیٹھ گئیں ان سے، اس میں بھلا چچی بیچاری کا کیا قصور۔'' اصبح بھی آخر اصبح تھی جب تک اپنی بات مقابل کے سامنے واضح نہ کر دیتی چپ کہاں رہنا تھا اس نے، تائی جز بز ہو کر رہ جاتیں، ہر بار یہ کھاتا تب کھلتا جب اصبح کا اوپر کے پورشن میں لگایا جانے والا چکر تائی کے علم میں آتا ورنہ تو اصبح ان کو بغیر بتائے چچی کے پاس چکر

لگا آتی اگرچہ ایسے مواقع اس کی مصروف زندگی میں کم ہی آتے تھے۔

☆☆☆

رافع اپنی پسند بیاہ کرلے آیا تھا، پھر ناز کے چچا چچی یہ بھول ہی گئے کہ ایک جوان بیٹی کی ذمہ داری ان کے سر ہے اس کے فرض سے بھی عہدہ برا ہونا ہے، چچا کی کوششوں اور اس کی آواز کے جادو کے سبب ریڈیو کے ایک دو پروگرام اسے مستقل مل گئے تھے اس کے علاوہ نجی محفلوں میں جانا تو تھا ہی، ایسے میں کئی لوگ اس کی ہمسفری کی خواہش لے کر اس کی زندگی میں آئے پر ہر بار ہی چچا چچی سے ملنے کے بعد وہ لوگ اس سے برگشتہ نظر آتے، اب چچا بوڑھے ہو رہے تھے یا اس پر ان کا اعتماد بڑھ گیا تھا کہ اسے اکیلے ہی محفلوں اور پروگرامز میں جانا پڑتا، بعض اوقات رات کے پروگرامز کے سبب رافع اسے چھوڑ تو آتا پر واپس لینا بھول جاتا ایسی ہی ایک نجی محفل میں اس سے وہ ٹکرایا تھا احمد جہانزیب، ذہین آنکھوں اور کشادہ پیشانی والا، وہ سنجیدہ سا شخص جس نے پہلی بار اسے دیکھنے پر ہی اپنا دل ہار دیا تھا وہ اس کے دوست کی شادی کی خوشی میں ہونے والی ایک تقریب تھی جس میں ناز گل کو گانا گانے کے لئے بلوایا گیا تھا، باقی مردوں کی حریص اور بے باک نظروں کے برخلاف احمد جہانزیب نے بے حد محبت اور احترام سے اسے دیکھا تھا اور اسی رات تقریب کے اختتام پر ہی جب سہیل (دوست) نے اسے گھر واپس چھوڑنے کی ذمہ داری اپنے ڈرائیور پر ڈالی تھی تو احمد جہانزیب نے خود سے کہہ کر اس خدمت سے مستفید ہونے کا کہہ کر سہیل سمیت سب دوستوں کو حیران کر دیا تھا، وہ جو دوستوں میں زاہد خشک کے نام سے مشہور تھا اور عورتوں سے کوسوں دور رہنے والا احمد جہانزیب آج ایک گانے والی کو گھر چھوڑنے کا کہہ رہا تھا تو سب دوستوں کا حیران ہونا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔

''میرا نام احمد جہانزیب ہے، میں عام سے اصولوں کے تحت زندگی گزارنے والا ایک عام سا بندہ ہوں، عورت کا ہر روپ میرے لئے بہت احترام کا حامل ہے، آپ کو نہ دیکھتا تو شاید جہاں میری ماں کہتی وہاں شادی بھی کر لیتا لیکن میں زندگی کے ہر معاملے میں فیئر رہنے کا عادی ہوں سو زندگی کا اہم ترین فیصلہ یعنی شادی وہ بھی فیئر ہو کر کرنا چاہتا ہوں، میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے آپ سے کوئی طوفانی محبت ہوئی ہے نہ ہی کوئی لمبے چوڑے دعوے کروں گا ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ کو دیکھ کر دل نے کہا کہ زندگی کا ساتھی دل کی پسند کا ہو تو زندگی سہل گزرے گی، میں آپ سے شادی کا خواہشمند ہوں، کیا کہیں گی؟'' ناز نے جھٹکے سے اپنا سر اٹھا کر اس شخص کو دیکھا جو گاڑی کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے اس کا جواب سننے کا متمنی تھا، اس کی زندگی میں بہت سے مرد آئے تھے اس کے خواہشمند، اس کے طلبگار بن کر، چکنی چپڑی باتیں کرنے والے، بلند بانگ دعوے کرنے والے، محبت کے آسمان کی سیریں کرا کے لانے والے، آنکھوں اور دل میں عورت کی ہوس رکھنے والے، پر عورت کو احترام کی نظر سے دیکھنے والا پہلا مرد ٹکرایا تھا۔

''میرے ماں باپ حیات نہیں ہیں، چچا چچی سرپرست ہیں، آپ کو ان سے ملنا ہوگا۔'' نظروں کو جھکائے، ہاتھوں کو آپس میں مسلتے اس کی سریلی آواز نے احمد جہانزیب کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

''گویا آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' وہ کھل کر مسکرایا، اس روز انہوں نے اپنا آپ ایک

دوسرے کے اوپر کھول کر رکھ دیا۔
''سچ پوچھیں تو مجھے عورت شمع محفل بنی بالکل بھی پسند نہیں ہے، عورت کی اصل جگہ اور مقام اس کا گھر اور چار دیواری ہے، مجھ سے رشتہ جڑنے کی صورت میں آپ کو اپنے فن کی قربانی دینی ہوگی، ہاں اگر شوق ہے تو وہ آپ مجھے بھی گانے سنا کر پورا کر سکتی ہیں۔'' سنجیدہ بات کہتے کہتے وہ آخر میں شوخ ہو گیا، ناز کو بے اختیار رونا آ گیا، اسے لگا اس کی آزمائش اب مختصر ٹھہری تھی اسے کب ایسی زندگی پسند تھی وہ بھی ویسی ہی زندگی چاہتی تھی جیسی احمد جہانزیب چاہ رہا تھا۔
''میں...... میں خود یہ سب پسند نہیں کرتی میں بھی کسی ایسے ہی مسیحا کی نجانے کب سے منتظر تھی جو مجھے اس زندان سے نکال کر لے جائے، آپ نہیں جانتے احمد، ہر وہ پل مجھے بہت زخمی کرتا ہے جب مردوں کی محفل میں صرف میری آواز کو ہی نہیں سراہا جاتا بلکہ بے باک نظریں میرا چہرہ، میرا سراپا کھوج کھوج کر مجھے بے حال کر دیتی ہیں، میں چھپ جانا چاہتی ہوں عزت کی چادر کے اندر، میری زندگی میں بہت مرد آئے کوئی میری آواز کا بیوپار کرنا چاہتا تھا تو کوئی دولت کی اس چڑیا کو اپنے پنجرے میں قید کرنا چاہتا تھا، آپ نے مجھے اس سنہری قید سے رہائی دلا دی تو میں ساری زندگی آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔'' وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بری طرح سے رو دی، احمد جہانزیب گنگ ہی تو رہ گیا تھا اس کی چچی اور چچا کے بے حس رویے کے متعلق جان کر جب ناز کے اسے سب کچھ سچ سچ بتا دیا اور اگلے روز جب وہ اس کے چچا سے ملا تو ناز کی کہی ہوئی ایک ایک بات اسے سچ معلوم ہوئی تھی، لالچ اور غرض کی جس پٹی کو باندھ کر وہ لوگ بیٹھے تھے اس کے سائے میں صرف پیسہ تھا دولت تھی، چچا نے احمد جہانزیب کے سامنے ڈیمانڈز کی اتنی بڑی لسٹ پیش کی کہ شریف آدمی اسے دیکھ کر غصے سے پاگل ہو جائے پھر ان کا مقصد ہی یہی تھا کہ نہ تو کوئی بھی شخص ان ڈیمانڈز کو پورا کر سکے گا نہ ناز کی شادی ہوگی، ہر بار ہر رشتے کو ایسے ہی ٹرخایا تھا انہوں نے پر اس ناز ان کے خلاف کھڑی ہوئی تھی کہ اپنوں کی حریص اور لالچی فطرت کو اچھی طرح جان گئی تھی کہ وہ سونے کی چڑیا کو کسی صورت ہاتھ سے نکلنا نہیں دے رہے تھے۔
''ہوں تو ناز بی بی کو بھی عشق عاشقی کے چکر نے گھیر ہی لیا، یہ بھی لحاظ نہیں ہے برسوں پالا پوسا، کھلایا پلایا جن لوگوں نے آج ان کے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔'' رافع کی بیوی کی زبان نے شعلے اگلے آخر کو سب اسی کی کمائی پر ہی تو پل رہے تھے اب ناز کا مسلسل اصرار کہ احمد جہانزیب کو ہاں کر دی جائے ورنہ وہ چپ نہیں رہے گی ان سب کو اپنے مستقبل میں خرچے کیسے پورے ہوں گے کے خوف میں مبتلا کر گیا، اس محاذ پر احمد جہانزیب کو مسلسل لڑنا پڑ رہا تھا کہ اس نے جب اپنے گھر میں اپنی پسند اور شادی کی بات کی تو گویا بھونچال ہی آ گیا تھا، اس کی بھابیاں اس کی بیوی کے طور پر اپنی اپنی بہنوں کو سوچے بیٹھی تھیں، اس کی ماں بھی ان کی مکمل ہمنوا تھیں اور ایسے میں جب دونوں طرف کے فریقین ضد پر اڑ گئے تھے تب ان دونوں کو جا کر خفیہ طور پر نکاح کرنا پڑا تھا۔

☆☆☆

تائی اور چچی شاہانہ میں ویسے جتنا بھی اختلاف ہوتا خاندان کو کسی بھی تقریب میں شرکت کے لئے خوب گٹھ جوڑ کر لیتیں، آج بھی ایسا ہی دن تھا دونوں خواتین خوب بن سنور کر کسی

تقریب میں شرکت کے لئے گئی تھی، اشعر ان دونوں کو چھوڑ آیا تھا، اس وقت اشعر اور حارث بھی دونوں غائب تھے، اصبح نے کچن کا سارا کام کرلیا تھا اب صرف روٹیاں ڈالنی تھیں جو کہ تینوں وقت کے کھانے پر سب تازہ ہی پسند کرتے تھے سو کچن کو بند کر کے اس نے احتیاطاً سارے دروازے لاک کیے اور خود ہال کی پچھلی گیلری سے ہوتی ہوئی چچی کی سیڑھیوں کی طرف آ گئی، بہت دن ہو گئے تھے ان سے ملے۔

اوپر آنے پر منہ حلق تک کڑوا ہو گیا، دھوپ میں کرسی پر نیم دراز بلال کے پاؤں سامنے پڑی ٹیبل پر تھے اور سر کرسی کی بیک پر تھا جبکہ منہ پر کتاب تھی، جو اوندھی پڑی تھی، ٹیبل پر ٹوکری میں تین چار مالٹے اور پلیٹ میں چھلکے پڑے تھے یقیناً کچھ دیر قبل سرما کی سوغات بھی مالٹوں کا مزہ لیا گیا تھا جبکہ چچی غالباً گھر پر نہیں تھیں ورنہ وہ اسے سامنے ہی کسی نہ کسی کام میں مصروف نظر آ جایا کرتی تھیں، آہٹ پر بلال نے کتاب منہ سے ہٹا کر ادھ کھلی آنکھ سے اسے دیکھا پھر تیزی سے اس کے انداز نشست میں تبدیلی آئی تھی اور ماتھے پر ہمیشہ کی طرح اس کو دیکھ کئی بلوں میں اضافہ ہو گیا۔

''جی فرمایئے۔'' بیزاری سے سوال کیا گیا گویا اس کی آمد سخت ناپسند آئی ہو۔

''تم سے ملنے نہیں آئی جو ایسے اوٹ پٹانگ سے منہ بنا رہے ہو، چچی کہاں ہیں ان سے ملنا تھا۔'' اصبح سے اس کے ماتھے کی سلوٹیں برداشت نہ ہوئیں تو تڑخ کر بولی۔

''لاحول ولا، اللہ نہ کرے جو مجھ پر کبھی ایسا برا وقت آئے کہ مجھے تم سے ملنا پڑے، امی نہیں ہیں کسی ضروری کام سے باہر گئی ہیں۔'' اس نے بھی ادھار چکتا کر دیا اور دوبارہ سے پہلے والے انداز میں چلا گیا گویا اسے صاف صاف جانے کا اشارہ کیا گیا۔

''مجھے تو ہر بار ایک لمبا چوڑا لیکچر پلا دیتے ہو تہذیب اور تمیز کے آداب سے بھرا ہوا پر خود بھی اس سے ناواقف ہو یہ مجھے آج پتہ چلا۔'' اصبح نے اس کا ایسا موڈ دیکھا تو واپس جانے کا ارادہ موخر کرتے ہوئے دوسری کرسی کھینچی اور میز پر پلیٹ میں پڑا مالٹا اٹھا کر چھیلتے ہوئے طنزاً کہا، بلال کو وہ ویسے ہی ناپسند تھی آج تو عام حالات سے بھی سخت بری لگی، وہ ایک بار پھر پاؤں نیچے لٹکا کر سیدھا ہو بیٹھا اور خاصی تنقیدی نظر سے اس کا جائزہ لیا، سرخ کاٹن کی قمیض جس پر جا بجا میل کچیل کے داغ تھے ایسے ہی سفید شلوار جو میل سے اپنا اصل رنگ کھو چکی تھی، قمیض پر بلیک سوئیٹر جس پر آٹے کے ذرات ابھی تک نمایاں ہو کر بدنما لگ رہے تھے، براؤن بال جو کئی دن پہلے چوٹی میں باندھے گئے تھے اب ان میں سے بیشتر احتجاجاً ادھر ادھر کھلے ہوئے تھے، بلال کو ایک بار پھر زور سے غصہ آیا۔

''ویسے تو تم ایک جاہل اور ادب و آداب سے نابلد لڑکی ہو لیکن پھر بھی بھلے کی ایک بات بتا دوں اسے یاد رکھو گی تو تمہارا اپنا ہی فائدہ ہو گا، عورت کی عزت بہت نازک ہوتی ہے اور اسی عزت کو بچا کر رکھنے کے بے شمار تقاضے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی بھی غیر محرم کی موجودگی کسی بھی لڑکی کے لئے بے حد خطرناک ہو سکتی ہے سو عورت عمر کے کسی بھی حصے میں ہو اسے اتنا تو خیال کرنا چاہیے کہ جہاں اکیلا مرد ہو وہاں جانے سے احتراز برتنا چاہیے۔'' غصہ ضبط کرتے کرتے بھی اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا جس کا اصبح پر چنداں اثر نہ ہوا، وہ ویسے ہی اطمینان سے مالٹا کھاتی رہی، بلال اس کا سکون اور اپنی بات کا

رائیگاں جانا دیکھ کر جل ہی گیا۔
''ہاں تو مسٹر ادب و آداب۔'' اصبح نے مالٹے کے جوس سے ستے ہاتھ اپنی قمیض سے صاف کر کے کہا۔
''ویسے تو میں اپنے مزاج سے میل نہ رکھنے والے لوگوں سے بات بھی کرنا پسند نہیں کرتی لیکن چونکہ میں اپنا حساب کتاب فوراً ہی چکانے کی عادی ہوں، سو جواب بھی نہیں چھوڑ سکتی خود پر، اول تو مجھے علم نہیں تھا کہ چچی گھر پر نہیں ہیں اور ایک نا محرم اکیلا بیٹھا دھوپ سینک رہا ہے، پھر بھی اگر پتہ ہوتا بھی تو میں اصبح ہوں کوئی معمولی لڑکی نہیں ہوں جسے جس کی جو مرضی آئے کچھ کہہ سکے، میں اگر فضلو دودھ والے کا سر توڑ سکتی ہوں جس نے پتہ نہیں کیا سمجھ کر ایک لو لیٹر پکڑا دیا تھا مجھے تو......''
فقرہ ادھورا چھوڑ کر وہ کرسی سے اٹھی اور ٹہلتی ہوئی پہلی سیڑھی پر جا کر کھڑی ہوئی۔
''تو تمہاری کسی بھی بدتمیزی پر تمہاری ٹانگیں بھی توڑ سکتی ہوں۔'' کہہ کر اس نے اس، اس رفتار سے تمام سیڑھیاں کراس کیں کہ زندگی میں کبھی ہی کی ہوں گی، جبکہ بلال کچھ پل مٹھیاں بھینچے اپنی سانسوں کی رفتار کو نارمل کرتا رہا پر غصہ کم نہ ہو پایا تو سامنے پڑی کرسی کو زور سے ٹھوکر لگائی، وہ ہر بار اس سے ٹاکرے کے بعد خود سے فیصلہ کرتا کہ آئندہ اس بدتمیز اور جاہل لڑکی کے منہ نہیں لگے گا اور اسے پوری طرح نظر انداز کر دے گا پر ہر بار ہی کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور ہو جاتی کہ وہ دنوں کلستا ہی رہتا، ابھی کل والی اس کی بدتمیزی اسے بھولی نہیں تھی کہ اگلے روز یونیورسٹی کے لئے نکلتے ہوئے وہ گھر کے بیرونی گیٹ کے پاس دکھائی دی، تائی کا جز وقتی ملازم اٹھارہ انیس سالہ بشیر بھی ساتھ ہی تھا، اصبح کا حلیہ اسے ایک بار پھر اندر تک سلگا گیا، کل والے غلیظ کپڑوں کی بجائے آج وہ کچھ بہتر حلیے میں تھی مگر وہ حلیہ قطعاً اس قابل نہیں تھا کہ اسے بلال اپنے خاندان کی کسی لڑکی کے لئے مناسب خیال کرتا وہ بھی گھر سے باہر اور وہ مانتا یا نہ مانتا بدقسمتی سے وہ اس کی رشتہ دار ہی تھی، اس نے ایک بدرنگ جینز پہنی ہوئی تھی، پاؤں میں جوگرز تھے، لمبا سا ڈھیلا ڈھالا براؤن رنگ کا پل اوور پہنا ہوا تھا، گلے میں دوپٹے کے نام پر ایک اونی مفلر تھا بال بھی خیر سے آج سلجھے ہوئے لگ رہے تھے۔
''بلال بھیا آ گئے۔'' بشیر نے خوشی سے دانت نکوستے ہوئے کہا۔
''بلال بھیا، اب آپ آ ہی گئے ہیں تو ہم دونوں کو ذرا مین روڈ تک چھوڑ دیں آگے ہم رکشہ پکڑ لیں گے، مارکیٹ جانا ہے، گھر کا سودا سلف بھی لانا ہے اور ایک دو اور کام بھی ہیں، ویسے تو ہر دفعہ میں ہی لے آتا ہوں سب کچھ پر آج بڑی بی بی جی نے اصبح بی بی کو ساتھ کر دیا ہے۔'' بشیر نے تفصیل بتائی، بڑی بی بی یقیناً وہ تائی کو کہہ رہا تھا، جبکہ اصبح اب منتظر نظروں سے ان سے کچھ دور کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔
''یہ کیوں جائے گی، اشعر اور حارث کہاں ہیں، وہ جائیں اگر تمہاری بڑی بی بی کو اعتراض بھی ہے تمہاری خریداری پر یا تمہاری اصبح بی بی نے ان کاموں میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔'' اس نے طنزیہ کہا۔
''ارے بلال بھیا! حارث بھیا اور اشعر بھیا کب کرتے ہیں ایسے کام، اشعر بھیا تو کالج کے ٹرپ کے ساتھ شہر سے باہر ہیں، حارث بھیا نے کہا، اصبح کو لے جاؤ ان کو بھلا گوشت، مصالحوں اور سبزیوں کا کیا پتہ۔'' بشیر نے مدبرانہ انداز میں بلال کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہے بشیر صاحب کہ تمہیں میں مین روڈ تک تو کیا مارکیٹ تک بھی لفٹ دینے کو تیار ہوں پر تمہاری اصبح بی بی جس حلیے میں ہے اس میں میں اسے اپنے ساتھ موٹر بائیک پر بٹھانا تو ایک طرف، دل کر رہا ہے اس گیٹ سے بھی غائب کر دوں کہ گزرتے لوگ اسے میرا رشتہ دار سمجھ کر پتہ نہیں کیا کیا سوچ رہے ہوں گے۔" اس کی اس کڑوی بات کو اصبح نے بھی بغور سنا اور کڑک کر بشیر کو آواز دی۔

"بشیر یہاں آؤ، دفع کرو میں صبح صبح کسی ایرے غیرے کے منہ لگنا پسند نہیں کرتی، دس منٹ کی واک ہے چلے چلتے ہیں مین روڈ تک، جاؤ بھئی بشیر ایسی چیز کو سر راہ ساتھ لئے پھرنے کی جرأت تم ہی کر سکتے ہو تمہی کو مبارک ہو۔" بلال نے زور سے کہا اور بائیک کو کک لگا کر ان کے پاس سے ہو کر گزر گیا۔

"تمہیں میں نے کب کہا تھا اس سڑیل اور بدتمیز انسان کی منت کرنے کو، حارث کو بھی آج گاڑی لے کے دفع ہونا تھا، آج آئے تائی سے کہہ کر اس کی خبر لیتی ہوں۔" بشیر کو سناتی ہوئی وہ غصے میں زور زور سے بولتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگی، بشیر جو بولنے میں اس کی ٹکر کا تھا، ویسے تو اصبح سے اس کی خوب بنتی تھی پر اس کے غصے سے بڑا ڈرتا تھا سو اس وقت بھی وہ مسلسل بلال کو کوس رہی تھی، چپ چاپ سن رہا تھا، اصل غصہ اس بات پر تھا کہ وہ کیوں اس کا دماغ ٹھکانے نہیں لگا سکی تھی، کسی بات کا جواب ادھار رکھنا اسے کب گوارا تھا، بشیر کان دبائے اس کے پیچھے چل رہا تھا، دس منٹ کا وہ فاصلہ غصے میں کیسے گزر گیا پتہ ہی نہیں چلا اور وہ دونوں مین روڈ تک پہنچ گئے تھے، دل ہی دل میں بلال کو اس کی بدتمیزی کا مزہ چکھانے کا مصمم ارادہ کرتے اصبح نے سامنے سے گزرتے رکشے کو اشارے سے روکا۔

☆☆☆

"یہ میں کیا سن رہی ہوں احمد! میری تربیت کا یہ اثر لیا بیٹا تم نے۔" اماں جی اسے دیکھتے ہی بولیں اور ساتھ ہی دوپٹے میں منہ چھپا کر رو دیں، وہ جو سارا دن کی بے حد خواری کے بعد تھوڑے سے آرام کی خواہش لے کر گھر آئے تھے چونک گئے، تاہم انہوں نے کچھ کہا نہیں کہ وہ کیوں ایسا کہہ رہی ہیں بلکہ سوالیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھنے لگے قرین قیاس یہی کیا تھا کہ وہ جو کچھ دنوں سے اپنی پسند کی لڑکی کے ساتھ شادی پر بضد تھے تو اماں جی اسی حوالے سے بات کر رہی ہوں گی۔

"مجھے کم از کم اپنی اولاد سے ایسے گھٹیا اقدام کی امید نہیں تھی کہ کسی کی بیٹی کو گھر سے ہی بھگا کے لے جائے، وہ تو شکر ہوا کہ تمہارے ابا یہ دن دیکھنے سے پہلے گزر گئے، مجھ پر ہی میرے مالک نے ساری آزمائشیں اتارنی تھیں، کیسے کروں گی اس دنیا کے سوالوں کا سامنا، ہائے میں مر کیوں نہیں گئی۔" اماں جی باہر اپنے مخصوص تخت پر براجمان تھیں اور خاصا زور زور سے بول رہی تھیں، تبھی دونوں بھابھیاں بھی بغیر ٹکٹ کا یہ مفت ڈرامہ دیکھنے آ پہنچی تھی کچھ وہ دونوں احمد جہانزیب پر ناراض بھی تھیں کہ ان دونوں کی بہنوں پر احمد جہانزیب نے ایک غیر عورت کو ترجیح دی تھی جس کو وہ دیکھے بغیر ہی ایک حسد اور نفرت سی محسوس کرنے لگی تھیں۔

"اماں جی نہ تو آپ لوگ اس رشتہ سے راضی تھے نہ ہی ناز کے گھر والے تو مجبوراً کوئی قدم تو اٹھانا تھا ہمیں اور میں ناز کو بھگا کے نہیں لایا وہ اپنی رضا سے میرے ساتھ آئی ہے ہمارا نکاح

ہوا ہے جس کا حق ہمیں ہمارا مذہب بھی دیتا ہے۔'' وہ بہت رسان سے بولے۔

''واہ میاں یہ خوب کہی تم نے اپنے مطلب کے لئے مذہب یاد آ جاتا ہے سب کو، مذہب تو معاشرے اور رسم و رواج کو بھی اہمیت دیتا ہے اور سب سے پہلے تو ماں باپ کی نافرمانی سے روکتا ہے مذہب وہ تم دونوں کو نہیں یاد آیا، ارے جس لڑکی نے ماں باپ کی عزت کا خیال نہیں کیا تمہاری کیا عزت رکھے گی، آج تمہارے ساتھ بھاگی ہے، کل کسی اور کے لئے تمہیں چھوڑ کے بھاگ جائے گی۔'' احمد جہانزیب کا چہرہ اماں جی کی ایسی بات پر بے حد سرخ پڑ گیا۔

''اماں جی وہ لوگ ناز کے حقیقی والدین نہیں ہیں، خاصے خودغرض اور لالچی لوگ ہیں جو کبھی بھی ناز کی شادی نہیں کرنا چاہتے بلکہ ساری زندگی اس کی کمائی پر عیش کرنا چاہتے ہیں، وہ ماں کو سمجھاتے ہوئے بولے، اتنے رو رہے تھے دونوں کہ اتنی سی بچی کو پال پوس کر بڑا کیا آج اس کا یہ احسان اتارا ہے اس لڑکی نے۔'' بڑی بھابھی نے تنفر سے کہا تو احمد جہانزیب چونک گئے۔

''میں تو ایسی عورت کو کبھی اپنی بہو کا درجہ نہیں دوں گی جس نے پتہ نہیں کیسا جادو چلا کر میرا بیٹا چھین لیا مجھ سے اور تو اور اپنے ماں باپ کے سروں میں خاک ڈال کے گھر سے بھاگ کر شادی کی حرافہ نے۔''

اماں جی نے اسی پر بس نہیں کی تھی اس روز احمد جہانزیب کو بہت سنائی تھیں اور بتایا تھا کہ ناز کے والدین روتے ہوئے ان کے پاس آئے تھے کہ اپنے بیٹے کو سمجھائیں، ناز ابھی تک ان کے ایک قریبی دوست کے گھر تھیں، اماں جی کسی صورت اسے گھر میں برداشت کرنے کو تیار نہیں تھیں، مجبوراً احمد جہانزیب کو اوپر والا پورشن کرایہ داروں سے خالی کرانا پڑا تھا، ابا جی اپنی زندگی میں ہی دو منزلہ یہ گھر بنوا کر گئے تھے، نیچے والے دو پورشنز میں بڑے بھائیوں کی فیملیز آباد تھیں اماں جی ان کے ساتھ ہی رہتی تھیں جبکہ نیچے کے بڑے بھائی والے پورشن میں ایک کمرہ احمد جہانزیب کے زیر استعمال میں تھا، اوپر والا پورشن احمد کی شادی کے بعد احمد کو دیا جانا تھا یہ بات پہلے دن سے طے تھی، اس میں کرائے دار رہائش پذیر تھے، احمد نے پہلی فرصت میں گھر کو خالی کرا لیا تھا اور ناز کو وہیں لے کر آیا تھا، اوپر شفٹ ہونے سے پہلے وہ اسے اماں جی کے پاس لایا تھا انہوں نے ان دونوں کو دیکھ کر منہ پھیر لیا تھا پھر ان دونوں نے جو کچھ بھی کہا جتنی معافی تلافی کی، ناز تو حقیقی ماں کو ترسی ہوئی اور لالچی رشتوں کی ڈسی ہوئی تھی، احمد جہانزیب کو اپنا سب کچھ مان کر ان سے وابستہ رشتوں کو ویسی ہی عزت دینا چاہتی تھی اور ان سے ویسی ہی محبت کی متلاشی تھی جتنی وہ اپنے اولاد سے کرتے تھے، اس نے اماں جی کو سسک سسک کر اپنی بے بسی کی داستان سناتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی تھی، رو رو کر بتایا تھا کہ وہ ویسی ہرگز نہیں ہے جیسی اس کے چچا چچی نے بتایا ہے یا جیسی وہ اسے سمجھے بیٹھی ہیں، وہ تو عزت چادر اور چار دیواری کو ہر دنیاوی آسائش اور دولت پر ترجیح دینے والی ایک مشرقی لڑکی ہے جبکہ اس سے وابستہ رشتے کبھی بھی نہیں چاہتے تھے کہ وہ اس کے توسط سے ملنے والی دولت سے محروم ہو جائیں، آخر میں اماں جی کی بے حسی پر آنسو بہاتے اس نے ان کے پاؤں پر بھی ہاتھ رکھ دیئے تھے پر انہوں نے نہ صرف نخوت سے اپنے پاؤں کھینچ لئے بلکہ چہرے کے تاثرات کو مزید ناگوار کر لیا، احمد جہانزیب بھابھیوں کے

سامنے ناز کی ایسی بے عزتی برداشت نہ کر سکے اور انہیں بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا اور کچھ کہے بغیر انہیں اپنے اوپر والے پورشن میں لے آئے تھے، اماں جی نے کٹھور پن کی انتہا کرتے ہوئے نچلے پورشن میں کھلنے والا اوپر کی سیڑھیوں کا دروازہ اپنی طرف سے بند کر کے تالا لگوا دیا تھا، احمد جہانزیب نیچے گیٹ کی طرف جانے کے لئے دوسری سیڑھیاں بنوا کر راستہ بنوایا تھا تاہم بیرونی اور مین گیٹ ابھی بھی ایک ہی تھا، بھائیوں نے بھی فون کر کے احمد جہانزیب کو ہی لعن طعن کی تھی، اماں کی سخت دلی سے رنجیدہ احمد جہانزیب چپ چاپ سنتے رہے تھے اور جب وہ سن چکے تو خاموشی سے فون بند کر دیا تھا، اس وقت بڑے بھائی کے ہاں ایک بیٹا اور چھوٹے بھائی کے ہاں ایک بیٹی تھی جو کہ بالترتیب ڈیڑھ ڈیڑھ سال کے تھے۔

☆☆☆

آج چچی شاہانہ تائی کے پاس آئی ہوئی تھیں، بیٹیاں بھی ساتھ ہی تھیں لاؤنج میں ہی محفل جمی ہوئی تھی، اصبح کو سخت غصہ آتا جب وہ ماں کے ساتھ آ کر شہزادیوں کی طرح براجمان ہو جاتیں کسی بھی قسم کی مدد کروائے بغیر، ایسا ایک ہفتے میں دو بار ہوتا جب وہ لوگ کھانا یہیں پر کھاتے تائی بس صبح آرڈر ہی پاس کرتیں کہ فلاں فلاں ڈشیز بنا لینا، آج اور بس اپنی ذمہ داری سے بری الزمہ ہو جاتیں، اصبح کی کمر ٹوٹ جاتی سب کام کر کر کے، بشیر جو کہ جز وقتی ملازم تھا اصبح اسے ہی ساتھ لگائے رکھتی۔

بڑی نزاکت سے کھانا کھاتیں چچی شاہانہ کی بیٹیاں اور بے نیازی سے تبصرہ بھی فرما دیتیں، بریانی میں نمک پھیکا نہیں ہو گا؟ سبین ارشاد فرماتی، شاہین کو اصبح سے سدا کا بیر تھا اس کا تو سخت تنقیدی انداز ہوتا ہر بار، پتہ نہیں تائی نے اتنی محنت کیوں کی اصبح پر، اتنے سالوں سے پکا رہی ہے پھر بھی تائی والا ذائقہ نہیں آ سکا ہاتھوں میں، اتنی محنت تائی بشیر پر کر لیتیں تو پاکستان کا ایک اچھا شیف ہوتا وہ، بشیر تو اپنی تعریف پر شرما کر رہ جاتا جبکہ اصبح کبھی تو اس کی بات کا جواب دینا ہی گوارا نہ کرتی کبھی اگر دے دیتی تو جنگ کا طبل ہی بج جاتا گویا، ایسے میں تائی ہی وہ واحد ہستی تھیں جو اصبح کے غصے کی حالت میں قابو کرتیں، بعد میں اسے سمجھاتیں۔

''خود تو شاہانہ نے بیٹیوں کو کچھ سکھایا نہیں، میری بچی اتنی سگھڑ ہے پھر اس کی خوبصورتی دیکھ کر جلتی ہیں ساری کی ساری کم بختیں، ایسے چٹکیوں میں اڑا دیا کرو ان کی باتیں، وہ تو چاہتیں ہیں کہ تمہیں بھڑکا کر غصہ دلائیں پھر تمہارے تایا، چچا کو غلط سلط رپورٹیں پہنچائیں تمہاری بدتمیزی کی۔''

جس دن تائی نے ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا لیا اور یہ بات سمجھا دی اس دن کے بعد اصبح چچی شاہانہ اور ان کی بیٹیوں کی باتوں کا جواب دینا پسند ہی نہ کرتی، جتنی بھی منہ پھٹ اور بدتمیز تھی تایا اور چچا سے خاصا دبتی تھی وہ، پھر ایسی ہی محفل مہینہ میں ایک بار چچی شاہانہ کے ہاں جمتی، تائی، اصبح، اشعر اور حارث سارا دن وہاں گزارتے، کھانا بھی وہیں بنتا پر اس دن اصبح کی شامت آ جاتی، چچی شاہانہ صبح کو ہی بلوا بھیجتیں کہ بچیاں کہاں تک کچن کا کام دیکھیں ان کو تو یونیورسٹی، کالج ہی جان نہیں چھوڑتے، سو اصبح کو ہی سارا دن چچی کے ساتھ کچن میں کھپنا پڑتا، لیکن کیا تھا کہ اماں جی کے گزر جانے کے بعد تایا جی کو یہ تجویز تھی کہ پہلے تو اماں جی تھیں تو کھانا ایک ہی جگہ بننے سے سب اکٹھے بھی تھے، اب اگر مہینے میں دو بار چچا اور دو بار تایا کے گھر ایسا کر لیا جائے تو وہی محبتیں قائم

رہیں گی تو اماں جی کے ہوتے ہوئے تھیں، محبتوں کے بڑھنے یا گھٹنے کا تو نہیں پتہ لیکن اصبح کے کام بہت بڑھ جاتے ایسی صورت میں اب بھی وہ چائے سب کو دے کر ٹی وی کے آگے ریموٹ سنبھال کے بیٹھ گئی۔

سٹار پلس کی رسیا اصبح جب کاموں میں مصروف ہوتی تو مس ہو جانے والے ڈرامے ریپیٹ میں دیکھ لیا کرتی تھی، اب بھی اس نے ٹیبل پر پڑا ہوا ریموٹ اٹھا کر ایک انڈین چینل سے آتا ہوا آئٹم نمبر تبدیل کر کے سٹار پلس لگایا، شاہین جو کہ ماں اور تائی کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر بے حیائی کے اس مظاہرے کو نہ صرف دیکھ رہی تھی بلکہ خود بھی اچھا خاصا ہل رہی تھی نے خاصا گھور کے اصبح کو دیکھا جو آواز اونچی کر کے ڈرامے میں مگن ہو چکی تھی لیکن اصبح کے بھی ادھار نہ رکھنے والی عادت کا پتہ تھا اسے سو کچھ سوچ کر ہی چپ ہو رہی، ایسے میں بے وقت آنے والا تایا کا فون سب کو تائی کی طرف متوجہ کر گیا۔

''ہاں ہاں، کیوں نہیں، یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے اب اصبح کو بیٹی بنا کر رکھا ہے تو اس کے سارے فرائض بھی تو ہم کو ہی ادا کرنے ہیں، کب آئیں گے وہ لوگ۔'' ان کے الفاظ ان کے چہرے کے تاثرات کا ساتھ نبھانے سے قطعاً قاصر تھے۔

''تمہارے بھائی صاحب کا فون تھا، اصبح کے لئے اپنے کسی دوست کے بیٹے کے رشتے کا کہہ رہے تھے، اپنی طرف سے دونوں بھائیوں نے فائنل کر دیا ہے اب وہ لڑکا اور اس کی فیملی اس اتوار کو آئیں گے یہاں کہتے ہیں اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ ہیں، اپنا بزنس ہے، لڑکے نے ایم بی اے کیا ہے باپ کے ساتھ سارا بزنس اسی نے سنبھال رکھا ہے، وہ لوگ تو فوری شادی پر بھی زور دے رہے ہیں۔'' تائی جلدی جلدی ساری تفصیلات چچی شاہانہ اور ان کی بیٹیوں کو بتانے لگیں جن کے اتنا شاندار رشتہ سن کر سینے پر سانپ ہی لوٹ گئے، چچی شاہانہ نے تو فون پر گھر واپس جا کر چچا کی خبر لینے کا بھی پکا پکا پروگرام دل میں بنا لیا۔

''ہونہہ اپنی تین تین بیٹیاں گھر میں بیٹھی نظر نہیں آئی اور لے کے اتنا شاندار رشتہ بھیج دیا اس کم بخت اصبح کے لئے۔'' انہوں نے سامنے صوفے پر ٹی وی سوپ میں مگن بیٹھی اصبح کو دیکھ کر تنفر سے سوچا، چچی کی بیٹیاں الگ سے کینہ توز نظروں سے اصبح کو دیکھ رہی تھیں، اس خبر کا سننا تھا کہ تائی بھی گم صم ہوئی ہوئیں سو ہوئیں، چچی شاہانہ بھی بیٹیوں کے ہمراہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

بہن اور بہنوئی کی اندوہناک موت کے بعد احمد جہانزیب ایک بار پھر اماں جی کے پاس آئے تھے، ان کا بیٹا اس وقت تین سال کا تھا جبکہ بڑے بھائی کے گھر بھی ایک اور بیٹے اور چھوٹے کے ہاں دو مزید بیٹیوں کا اضافہ ہوا تھا، معجزانہ طور پر حادثے میں زندہ بچ جانے والی بچی جو کہ پانچ سال کی تھی کو دیکھ کر ان کا کلیجہ دکھ سے پھٹ گیا تھا، ان کی بہن سب بھائیوں سے چھوٹی اور لاڈلی تھی اسے اماں جی نے اپنے رشتہ داروں میں ہی بیاہا تھا، خوش قسمتی سے اس کے سسرال والے بہت اچھے تھے، وہ بہت خوش تھی، ہاں البتہ احمد جہانزیب کی اس سے تب سے ملاقات نہ ہو سکی تھی جب سے وہ الگ گھر میں شفٹ ہوئے تھے جبکہ انہیں دل ہی دل میں اس سے گلہ بھی تھا کہ ایک اماں جی اگر اپنی ضد پر اڑی تھیں، تو کم از کم بہن بھائیوں کو تو ان کا ساتھ دینا چاہیے تھا۔

نچلے پورشنز سے آنے والی آوازیں ان کا جی جلاتیں، بہن کی آواز بھی کبھی کبھار سنائی دیتی تو وہ دل مسوس کر رہ جاتے، جیسے وہ ان سب کی کمی کو، محبتوں کو ان کا ساتھ ہر چیز کو یاد کر کے افسردہ ہو جاتے کیا ان سب کو بھی ایسا ہی کوئی احساس ہوتا ہوگا وہ اکثر سوچتے۔

ناز کو شادی سے قبل بھی پڑھائی ادھوری رہ جانے کا بہت دکھ تھا، اب ان کی اجازت سے اس نے دوبارہ سے پرائیویٹ طور پر اپنی پڑھائی کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، یوں ایک خوبصورت اور با مقصد سلسلے میں کھو کر وہ اپنے دکھوں کو مکمل طور پر تو نہیں کچھ تو بھول ہی گئی تھی، اپنی نند اور نندوئی کی جواں مرگی کا اسے بھی بہت رنج تھا، احمد جہانزیب کے ساتھ وہ بھی آئی تھی۔

خوبصورت سرخ و سفید اور بڑی بڑی آنکھوں والوں اس بچی کو دیکھ کر اس کا جی بے ساختہ بھر آیا جس کو اس بات کا احساس تک نہیں تھا کہ کتنی عظیم اور پیاری ہستیوں اور مخلص رشتوں سے محروم ہو چکی تھی جبھی ٹکر ٹکر رونے والے لوگوں کو دیکھ کر حیران تھی، اماں جی کا رویہ اس بار بھی سابقہ رویے سے مختلف نہیں تھا تاہم اس بار وہ بیٹی کی جواں مرگی کے غم سے نڈھال تھیں پھر بھی ناز سے بے رخی برتنا نہ بھولی تھیں، ایک بار پھر اس دہلیز سے وہ دونوں میاں بیوی ناکام و نامراد اور غم کا ایک پہاڑ سینے سے لگائے لوٹ آئے تھے، ناز ایک دو بار چچی چچا کے پاس گئی تھی، لیکن رافع نے اسے گھر میں گھسنے کی اجازت ہی نہیں دی تھی، دو دفعہ کے بعد ہی تیسری دفعہ احمد جہانزیب کے ناز کے منع کر دیا تھا کہ وہ لالچی لوگ اسے بخوشی گھر آنے دیتے تو اس کو کوئی اعتراض نہ ہوتا لیکن اب اس کی بار بار تذلیل ہو، یہ وہ برداشت نہیں کر سکتا سو ناز کے اس دفعہ کے بعد پھر پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

☆☆☆

''لوگ تو بہت اچھے ہیں، لڑکا بھی ہمیں بے حد پسند آیا ہے لیکن......'' تائی اب کے کچھ رک گئیں تو دوسری طرف فون سنتے تایا کھٹک گئے۔

''آگے بولو لیکن کیا؟'' وہ قدرے پریشانی سے بولے کہ وہ اپنے آپ کو اصبح کا بڑا سمجھتے تھے اپنی طرف سے اپنے دوست کو ہاں کر چکے تھے اب تائی کی ادھوری بات پر پریشان ہو گئے تھے۔

''ان کی عادت جانتے تھے کہ جس بات پر اڑ جائیں پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں اس بات سے ہٹا نہیں سکتی لیکن یہ کہ یہ رشتہ مجھے اور بھابھی شاہانہ کو بین کے لئے پسند آیا ہے اور سبین ہم نے ان کو دکھا بھی دی ہے ان کو بھی پسند آئی ہے، بات پکی کر گئے ہیں وہ لوگ اب تو بس شادی کی تاریخ دینی باقی ہے اور اصبح......؟'' تایا حیران ہی تو رہ گئے ان کی بے وقت کی راگنی پر، سو ان کا لہجہ کس قدر ناگواریت کا تاثر لئے ہوئے تھا۔

''اے ہے اصبح بھی گھر کی بچی ہے کون سا کہیں بھاگی جا رہی ہے، شاہانہ کی تینوں بچیوں سے چھوٹی ہے ابھی، تم دونوں بھائی بھی عجیب ہو یہ نہیں کہ پہلے بڑی بچیوں کا کچھ کرو اصبح کی فکر پڑ گئی ہے تمہیں، ویسے بھی اصبح کی فکر تم چھوڑ دو اس کا میں نے کچھ اور سوچ رکھا ہے۔'' اب کے تائی کا لہجہ کچھ پراسرار سا ہو گیا۔

''وہ تو تمہاری بات ٹھیک ہے لیکن اماں جی اصبح کی ذمہ داری میرے اوپر چھوڑ کر گئی تھیں میں اب اس کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں اور تم نے کیا سوچا ہے اس کے بارے میں۔''

''اے میاں تم تو ہر بات کی جلدی مچا کے اگلے کو بوکھلا ہی ڈالتے ہو، اصبح کو ایسے ہی تھوڑی میں نے گھر میں رکھا تھا پہلے دن سے میرا خیال تھا

کہ اپنے کسی بچے کی بیوی بنا کے ساری زندگی اسے اپنے پاس ہی رکھوں گی، ایسی ہی پیاری ہے وہ مجھے پر آپ نے کبھی مجھے سمجھا ہو تب ناں۔'' تائی روہانسہ لہجہ اپناتے ہوئے ایسا جال پھینکا کہ تایا کسی اناڑی شکار کی طرح پھنستے چلے گئے۔

''ارے واہ بیگم، میں کچھ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہاری سوچ اتنی عظیم بھی ہو سکتی ہے، میری مرحوم بہن کی بیٹی میری بہو بنے اس سے بڑھ کر میرے لئے خوشی کی بات کیا ہو گی، لیکن تم نے پہلے کبھی اپنی اس سوچ کا ذکر بھی تو نہیں کیا۔'' تایا نہال ہو گئے، تائی کی بات سن کر۔

''یہی سوچ کر چپ رہی کہ جب وقت آئے گا تب ہی ذکر کروں گی پہلے سے کیا ڈھنڈورا پیٹنا۔'' یہ نہیں کہا کہ اصبح کے مستقل چلے جانے کی صورت میں ان کی گھر کی کایا پلٹ یقینی تھی وہ تو گھر کوئی سال پہلے ہی اصبح کو سونپ کر بری الزمہ ہوئی بیٹھی تھیں، اب اصبح کی شادی کا خیال ہی انہیں ہولا گیا وہ بھی اتنے اعلیٰ اور امیر گھرانے میں لڑکے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ہی گویا کھل گئیں، ان کے گھر میں ملازمہ کی طرح رہنے والی اصبح کل تک اپنے تعلیم یافتہ اور امیر شوہر کے ساتھ آئے گی تو کیسے وہ اس کے چہرے کا مالکانہ تاثر، اچھے گھر اور شوہر کی خوشی برداشت کر پائیں گی پھر بشیر کے علاوہ تمام ملازمین کو فارغ کر دینے والی تائی کو اصبح سے دوری ہرگز گوارا نہیں تھی، انہیں تب ہی ان کے ذہن میں ایک زرخیز آئیڈیا آیا وہ فوراً ہی نیچے شاہانہ کے پاس بھاگیں اور لڑکے کی حیثیت، شکل وصورت، امارت ہر چیز کا بتا کر یہ احسان بھی جتا ڈالا کہ اس کی بچیاں بھی ان کی بچیاں ہیں وہ کب ان کا برا چاہتی ہیں۔

''اصبح کا بھی کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا ابھی تو کم عمر ہے۔'' وہ فوراً ہی سبین کو اوپر لائے کہ تایا نے صرف اپنے گھر کی بچی کا ذکر ہی کیا تھا ان لوگوں سے وہ تو آج بچی کو دیکھنے آئے تھے، شاہانہ تو مارے عقیدت کے دوہری ہو گئیں، جیٹھانی، دیورانی میں ایسا پہنچایا لمحوں میں جڑ گیا کہ سگی بہنیں بھی دیکھیں تو شرما جائیں، پھر تمام بات چیت سے بے خبر اصبح کھانے بناتی کچن میں ہی رہ گئی اور سبین کا رشتہ پکا بھی ہو گیا، جہاں تک بات تھی اصبح کو بہو بنانے کی، ابھی تو ایک کارگر بہانہ بنا کے اصبح کو انہوں نے اپنے پاس روک لیا تھا۔

''کل کس نے دیکھی ہے، کل کی کل دیکھی جائے گی۔'' انہوں نے فون رکھتے دل ہی دل میں بروقت تدبیر اور اس پر عمل پر خود کو شاباش دیتے ہوئے سوچا یہ جانے بغیر کہ ان کو چائے دینے کے لئے آئی اصبح نے نہ صرف ان کا لفظ لفظ بغور سنا پھر دل میں اتارا اور تائی کے ایک اور بھاری احسان کے نیچے خود کو دبتا محسوس کیا۔

''میں اس گھر میں ہمیشہ کے لئے رہ جاؤں گی اس سے بڑھ کر خوشی بھلا کیا ہو گی میرے لئے، لیکن اشعر کو تو اس حوالے سے میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں اور وہ خود بھی تو کتنا لاپرواہ سا ہے، خیر کوئی بات نہیں میرے لئے سب سے بڑی بات یہی ہے کہ میں اپنوں میں رہوں گی۔'' بیٹھے بیٹھے کئی سپنے بنتی اس کی سنہری آنکھیں جیسے لو دینے لگی تھیں۔

☆☆☆

گریجویشن کی ڈگری ہاتھ میں آتے ہی اس نے گورنمنٹ کی طرف سے نکلی ٹیچرز کی اسامیوں پر اپلائی کیا تھا اور جس روز اپائنٹمنٹ لیٹر اس کے ہاتھ آیا وہ دیوانی ہی ہو اٹھی، وہ اپنی پہچان ایک با عزت ذریعے اور رشتے سے چاہتی تھی اس نے

کبھی بھی ایک گانے والی بننا اور خود کو کہلوانا پسند نہیں کیا تھا، یہ تو وقت اور حالات تھے جن سے مجبور ہو کر وہ یہ سب کرتی تھی پر اس کا دل جانتا تھا کہ کیسے کانٹوں پر چلنے کے مترادف وہ سفر تھا جو اس نے گزارا تھا پھر اس کی دعائیں رنگ لائی تھیں وہ ایک مہربان رہنما کا ہاتھ پکڑ کر اس دلدل سے نکل آئی تھی اور محبت کے سہارے اس نے محنت اور کوشش کا سفر جاری رکھا تھا اس کے رب نے اس کی محنت رائیگاں نہیں جانے دی تھی وہ کئی سال بعد ہی سہی اپنی حیثیت اور شناخت بدلنے میں کامیاب ہو گئی تھی، کئی سال پہلے وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی آواز سے بہلانے والی گلوکارہ ناز وتھی، آج کئی سال بعد دلوں میں آگہی اور علم کا نور روشن کرنے والی مسز ناز احمد تھی، پر وہ پگلی یہ بھول گئی تھی کہ انسان ایک گناہ کرنے کے ہزار نیکیاں بھی کرے تب بھی اس کا ایک گناہ سب نیکیوں پر یاد رکھا جاتا ہے، کون یاد رکھتا ہے؟ انسان اور ہزار گناہ کرنے کے بعد انسان صرف ایک نیکی کا ارادہ ہی کرے تو نیکی لکھی جاتی ہے، کس کے حکم سے؟ رحمان کے حکم سے، اس کی اس کوشش اور جدوجہد سے وہ خود اور احمد جہانزیب ہی خوش تھے، ان کو ہی فخر تھا، اماں جی اور احمد جہانزیب کے خاندان نے اسے ہمیشہ ایک گانے والی کے نام سے ہی پکارا تھا اور اس کی یہی شناخت ہی یاد رکھی تھی۔

''ہونہہ کتنا بھی پڑھنے لکھنے اور استانی بننے کے ڈھونگ رچالے، رہے گی تو گانے والی اور گھر سے بھاگ کے آنے والی ناں۔''

بلال اپنے ماں باپ کی طرح صابر بچہ تھا، اگر چہ فطرت میں تجسس کا مادہ ہونے کی وجہ سے کئی سوال اس کی زبان کی نوک پر بھی مچل جاتے۔

''امی! آپ کے امی ابو تو اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے پر بابا کی امی تو زندہ ہیں ناں، بابا کہتے ہیں میرے دو چچا اور بچے بھی اماں جی کے پاس رہتے ہیں پھر ہم وہاں کیوں نہیں جاتے۔''

وہ منہ میں پنسل کا سرا دبا کر کچھ دیر سوچتا پھر ناز سے پوچھتا تو اس کے دل سے آہ نکل جاتی، بھلا اس معصوم بچے کو کیا بتاتی سو کبھی کہانیاں سنا کر بہلا لیتی تو کبھی کوئی چیز دے کر، صبح احمد جہانزیب پہلے بلال کو اس کے سکول چھوڑتے پھر ناز کو اس کے سکول، اسی طرح واپسی پر ناز اپنے سکول سے واپس آتے ہوئے بلال کو لیتی ہوئی گھر آتی، اس کی ہیڈ بہت اچھی اور تعاون کرنے والی خاتون تھیں چھٹی سے دس منٹ پہلے ہی ناز کو فارغ کر دیتیں تا کہ وہ بلال کی چھٹی کے وقت تک پہنچ سکے، رکشہ احمد جہانزیب نے اس کو لگوا کے دیا تھا جس پر وہ ماں بیٹا واپس آتے بلال کو کپڑے تبدیل کروا کے کچھ دیر آرام کرنے کو کہتی تب تک کھانا بنا لیتی، احمد جہانزیب پانچ بجے کے بعد ہی آتے، تب تک وہ بلال کو ہوم ورک کروا چکی ہوتی، نیچے سے آنے والی آوازیں، شور شرابا کبھی ان کو متاثر کرتا تھا، اب وہ لوگ اپنی ایک مکمل اور خوبصورت زندگی میں مگن تھے۔

☆☆☆

گھر میں سبین کی شادی کے سلسلے میں ایک خوشگوار سی ہلچل تھی، تائی اور چچی شبانہ صبح کی نکلتیں شام کو گھر کی راہ لیتیں، دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بے پناہ بغض رکھنے والی دونوں اس وقت باہم شیر و شکر تھیں، تایا اور چچا کی آمد بھی شادی کے دنوں میں متوقع تھی جو کہ پندرہ دن بعد تھی، کتنے دن ہو گئے چچی سے اصبح کا ملنے کو بہت دل کر رہا تھا لیکن موقع نہیں مل رہا تھا، آج میدان صاف تھا، اس نے کمرے لاک کیے بشیر

لاؤنج میں ٹی وی پر فلم دیکھنے میں مگن تھا اصبح کی موجودگی میں ایسی عیاشی وہ اکثر کرلیا کرتا تھا، اس کو گھر کا خیال رکھنے کا کہہ کر اس نے کچن میں آ کر پلیٹ میں گاجر کا حلوہ نکالا جو کل ہی سبین صالحہ کی فرمائش پر اس نے تین گھنٹے کی محنت کے بعد بنایا تھا، ہونے والی دلہن آج کل ایک خصوصی قسم کا پروٹوکول چاہ رہی تھی اور اس کی فرمائشیں پوری کرنے کا ٹاسک اصبح کو بھی پورا کرنا پڑتا، آج اگرچہ بلال بھی گھر پر ہی ملنا تھا کہ ہفتہ وار تعطیل تھی پر چچی سے ملنے کو اتنا دل کر رہا تھا کہ اتنی بڑی بات کو ہی نظر انداز کرنے کی ٹھانی۔

''ہونہہ میں نے منہ ہی لگانا اس کو، میں تو بس چچی کو ملنے جا رہی ہوں۔'' اس نے سوچا اور بیرونی گیٹ کے پاس آ کر بنی سیڑھیاں چڑھنے لگی، اوپر والے پورشن میں ایک بھرپور اور گھریلو سا منظر ہمیشہ کی طرح اس کے اندر ایک انجانی کسک جگا گیا، چچی کرسی پر بیٹھی ہوئی نیچے آلتی پالتی مارے بیٹھے بلال کے گھنے بالوں میں تیل کی مالش کر رہی تھیں۔

''کتنی دفعہ کہا ہے کہ شیطان کا نام لینے سے وہ فوراً ہی حاضر ہو جاتا ہے، آپ مانتی نہیں تھیں آج اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیں۔'' بلال نے جونہی اسے نمودار ہوتے دیکھا فوراً ہی زور دار آواز میں اپنی امی سے مخاطب ہو کر کہا تو انہوں نے فوراً ہی اس کے کندھے پر ایک تھپڑ رسید کیا۔

''فضول باتیں مت کر بلال۔'' انہوں نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں بلال کو تنبیہ کی، اصبح نے فی الحال جواب کسی اور وقت کے لئے رکھ چھوڑا اور بلال کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے چچی کو سلام کیا کہ ہر بار ہی وہ اسے سلام کرنے کی اچھی عادت اور اس کے خصائل پر بہت کچھ بتاتیں، چچی نے بہت خوش ہو کر اس کے سلام کا جواب دیا۔

''آج تو اصبح نے بھی شکل دکھا دی، بہت دن ہو گئے ہیں یاد کر رہی تھی کہ میری بیٹی خفا تو نہیں ہو گئی میری کسی بات پر۔''

''نہیں چچی آپ سے تو میں کبھی ناراض ہو ہی نہیں سکتی، آج کل گھر میں سبین کی شادی کی وجہ سے کافی کام ہے تو آنا ہی نہیں ہو سکا، یہ گاجر کا حلوہ لائی تھی آپ کے لئے، آپ کو پسند ہے، کل بنایا تھا، آپ کے لئے الگ سے نکال کے رکھ دیا۔'' اس نے تفصیل بتاتے ہوئے پلیٹ ٹیبل پر رکھی، بلال ان سے تھوڑی دور پڑی چارپائی پر جا کر لیٹ گیا۔

''سبین کی شادی ہے ماشاء اللہ، اللہ نصیب اچھا کرے، بہت چھوٹی سی تھی جب دیکھا تھا، ابھی کل کی ہی تو بات لگتی ہے، پھر بچیوں کو بڑا ہوتے دیر ہی کہاں لگتی ہے۔'' چچی کچھ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولیں، اصبح نے ایک چور نظر سامنے چارپائی پر لیٹے بلال پر ڈالی جس نے اپنے سینے پر موبائل رکھا ہوا تھا، کانوں میں ہینڈز فری لگائے اس کے پاؤں مسلسل حرکت میں تھے اس نے اپنی کرسی چچی کے پاس کھسکائی اور گلنار ہوتے چہرے کے ساتھ آہستہ آہستہ چچی کو تائی کی ہونے والی ساری گفتگو سنا دی، چچی نے بغور اس کی گفتگو سنتے ہوئے اس کا گلرنگ چہرہ دیکھا جتنا بھی بے نیاز بنتی، اپنی ذات اور حلیے سے لاپرواہ رہتی، پر تھی تو وہ بھی ایک لڑکی ہی ناں جس کی فطرت میں ایک گھر کی خواہش قدرت کی طرف سے ودیعت کر دی جاتی ہے، تاہم چچی دل ہی دل میں ضرور الجھن کا شکار ہو گئیں، تائی کی فطرت سے وہ تب سے آگاہ تھیں جتنی اصبح کی عمر تھی پھر بلال نے ڈھکے چھپے لفظوں میں انہیں ایک دو بار بتایا تھا کہ تائی کے دونوں بیٹوں کی شہرت

یونیورسٹی میں کچھ اچھی نہیں ہے۔

''اچھا بیٹا! اللہ کرے ایسا ہی ہو جیسے تم کہہ رہی ہو، اللہ تم سمیت ہر بیٹی کا نصیب اچھا کرے۔'' انہوں نے اصبح کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

''اچھا ذرا یہاں آ کے بیٹھو تمہارے بالوں میں تیل لگا دوں کیسے ناس مارا ہوا ہے خوبصورت بالوں کا۔'' انہوں نے بالکل اچانک اس کا ہاتھ پکڑ کر بالکل بلال کے سے انداز میں اسے نیچے بٹھایا اور نیچے رکھی تیل کی بوتل اٹھا کر اس کا ڈھکن کھولتے ہوئے بولیں۔

''تم میری بہت اچھی بیٹی ہو، میری بات مانو گی یہی سوچ کر ہر اچھی بات تمہاری گرہ سے باندھنے کی کوشش کرتی ہوں، زندگی کے مشکل سفر میں گرہ سے بندھی ان چھوٹی چھوٹی اور اچھی باتوں کی بہت ضرورت پڑتی ہے، پتہ ہے اصبح تم میں اور مجھ میں ہمارے حالات میں، زندگی میں سب کچھ مختلف ہے لیکن ایک چیز مشترک بھی ہے وہ ہے ماں کی کمی، میری بھی ماں نہیں تھیں، زندگی کو اچھے طریقے سے گزارنے کے سارے گن ایک ماں بیٹی کو دیتی ہے جس کی ماں نہ ہو پھر وقت اسے سب کچھ سکھا دیتا ہے زندگی گزارنا بھی زندگی کو برتنا بھی، ماں تو لہجے میں حلاوت، دل میں پیار سمو کر دھیرے سے سب کچھ سکھاتی ہے، وقت ٹھوکر لگا کر، سبق سکھا کر زندگی کے گر بتاتا ہے، اس ٹھوکر سے بہت تکلیف ہوتی ہے بہت سے رشتوں کے پول کھلتے ہیں، آنکھوں پر پڑے خوشنما پردے رنگ بدل کر اپنی بد نمائی واضح کرتے ہیں، تمہیں دیکھ کر مجھ کئی سال پہلے والی نازکی جھلک نظر آتی ہے، اس ناز کو بھی وقت نے ٹھوکر لگا کر کئی سبق پڑھائے تھے ان ٹھوکروں کے لگے زخم بھلے نظر نہ آتے ہوں پر ٹیسیں آج بھی ویسی ہی اٹھتی ہیں جیسے پہلے دن اٹھی تھیں، اچھی بات کہیں سے بھی ملے اسے اپنا لو یہ دیکھے بغیر کہ بتانے والا گناہ گار ہے یا دین دار۔'' اس کے بالوں میں انہوں نے اپنے نرم ہاتھوں کی گرماہٹ اور سکون ہی نہیں اتارا بہت کچھ اور بھی منتقل کیا تھا۔

''پتہ ہے اصبح تمہارے ماموں کی بہت خواہش تھی ان کی ایک بیٹی ہوتی پر اللہ کو منظور ہی نہیں تھا، دل میں یہ حسرت لئے وہ اس دنیا سے ہی چلے گئے، عورت کو زندگی میں بہت سے مرد ٹکراتے ہیں ہر کوئی محبت کا علمدار ہوتا ہے، پر عزت دینے والے بہت کم ہوتے ہیں تمہارے ماموں ایسے ہی تھے انہوں نے میرا ظاہر نہیں دیکھا میرے اندر کی اچھائی کی متلاشی روح کو جانچا، یوں سمجھو کہ کیچڑ میں کھلے کنول کو اٹھا کر اپنے کالر کی زینت بنا لیا، ان کی یہی خطا ان کا گناہ بن گئی تھی۔'' اصبح کے کئی دنوں کے الجھے بالوں کو سلجھاتی وہ ہولے ہولے اپنی زندگی کے کئی پوشیدہ ورق اس کے سامنے کھول گئیں جن سے وہ ابھی تک انجان ہی تھی۔

''لڑکیوں کو ہر قدم پھونک کر اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ انجانے میں رکھا گیا ایک قدم بھی زمانہ نہ خود بھولتا ہے نہ اس کو اور اس کی آنے والی نسلوں کو بھولنے دیتا ہے، مجھے تم اپنی بیٹی کی طرح ہی لگتی ہو اس لئے کہہ رہی ہوں کہ دوپٹہ عورت کی زینت ہے اس کا صحیح استعمال بچیوں کو کئی مسائل سے بچا لیتا ہے، دوپٹہ لیا کرو بیٹا اور اپنے آپ کو ڈھانپ کر رکھنے سے انسان کئی غلیظ نظروں کی غلاظت سے بچ جاتا ہے اور سچ کہوں تو مجھے تمہارا باہر جانا بھی پسند نہیں ہے، سبزی کے ٹھیلے پر بھاؤ تاؤ اصبح کرتی ہے، دودھ والے سے مغز ماری اصبح کرتی ہے، دھوبی کو

حساب کتاب اصبح دیتی ہے، تم بہت اچھی ہو پر یہ دنیا اچھے لوگوں کے دام سب سے پہلے لگاتی ہے، بھابھی بیگم کو آہستہ آہستہ ہی سہی احساس دلاؤ کہ باہر کے کام اشعر یا حارث کے ذمہ لگائیں اور نہیں تو وہ ملازم لڑکا بشیر تو ہے ناں بیٹا! میری باتوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنا اور کوئی بھی بات بری لگی ہو تو ایک ماں سمجھ کر درگزر کر دینا۔'' چچی نے کہا تو پتہ نہیں اس پل اصبح کو کیا ہوا کہ وہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو دی، چچی شاید اس کی کیفیت سمجھ رہی تھیں تبھی اسے تھپکتی رہیں، پھر جب اپنی بے اختیاری پر شرمندہ ہوتے ہوئے وہ آنسو صاف کر رہی تھی چچی اندر سے ایک پیکٹ لے کر آئیں اور اس کی گود میں رکھ دیا۔

''ایک دن پینشن لینے کے بعد بازار جانا ہوا تو وہاں ایک سوٹ دیکھ کر فوراً ہی تمہاری صورت آنکھوں کے سامنے آ گئی، بس اور کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر خرید لیا، اب اگلی بار جب یہاں آؤ پہن کر آنا مجھے خوشی ہو گی۔'' وہ بہت محبت سے کہہ رہی تھیں اصبح اتنی محبتوں پر شرمندہ ہی ہو گئی، تائی بھی اسے کپڑے دلواتی تھیں، تایا جب آتے پیسے بھی دیتے اور چیزیں الگ سے لے کر آتے پر محبت کے ایسے مظاہروں سے کوسوں دور، اسے محبت اور شفقت کے معنی چچی کے ہاں آ کر پتہ چلتے یا پھر چچی شاہانہ جب بیٹیوں کے لاڈ اٹھاتیں اسے ایک کمی کا احساس اندر کہیں دور تک اسے گھیر لیتا اور جب سے چچی کے ہاں اس نے آنا شروع کیا تھا، ان کی باتیں وقتی طور پر ہی سہی اس کے اندر کبھی گہرا اضطراب جگا ڈالتیں تو کبھی سکون کی لہریں موجزن کر دیتیں یہ طے تھا کہ ہر بار چچی کے گھر سے واپسی پر اس کا تہی دامن محبتوں سے مالا مال ہوتا۔

''ویسے امی آج یہ جیٹ جنگی طیارہ بھیگی بلی کیوں بنا ہوا تھا۔'' بلال جو کہ نجانے کب آنکھ لگ جانے کے سبب سو گیا تھا اب جاگا تھا جب روئی روئی سی اصبح واپسی کے لئے جا رہی تھی تو ماں سے استفسار کر بیٹھا۔

''بس بیٹا! اس بچی کو دیکھ کر مجھے ہمیشہ دکھ ہی ہوتا ہے، اتنی اچھی خوبصورت اور حسب نسب والی بچی کو اپنی ذاتی غرض کی خاطر ملازمہ بنا کے رکھ دیا ہے آج تو اصبح نے عجیب ہی بات بتائی ہے۔'' پھر امی نے اصبح کی بتائی ہوئی بات اسے بتا دی کہ تائی اسے اپنی بہو بنا کر ہمیشہ کے لئے گھر رکھنا چاہتی ہیں۔

''ناممکن امی ناممکن یہ تو ہو ہی نہیں سکتا، یہ بات تو وہ مانے جو بابا کے خاندان خصوصاً ان کی بھابیوں سے ناواقف ہو، میری ایک بات آپ لکھ کر رکھ لیں، فی الحال تو تائی محترمہ اپنے آرام کی خاطر ایسا کہہ رہی ہیں، یاد رکھیے گا جس وقت شادی کا ٹائم آئے گا اصبح بی بی کی ساری خوش فہمیاں بھاپ بن کر اڑ جائیں گی، تائی تو تائی ان کے دونوں صاحبزادوں سے بڑی اچھی طرح واقف ہوں میں، ان دونوں کی اڑان بہت اونچی ہے، اصبح کو کبھی بھی گھاس نہیں ڈالیں گے اور اشعر تو آج کل کچھ اور ہی چکروں میں ہے۔''

''خدا نہ کرے ایسے ہو جیسا تم کہہ رہے ہو، بس میری تو یہی دعا ہے کہ جو بھی ہو اچھا ہو اس بچی کے ساتھ، بن ماں باپ کی بچی ہے، اللہ اس کا نصیب اچھا کرے (آمین)۔'' وہی خدشات جو امی کے دل میں تھے بلال کی زبان سے ادا ہوتے دیکھ کر بے ساختہ ہی دعا مانگنے لگیں، بلال بھی کسی گہری سوچ میں تھا۔

☆☆☆

اشعر آج اپنے ساتھ اپنے بے حد خوبصورت اور طرحدار لڑکی کو لایا تھا، اب اپنے

ساتھ ساتھ سب کے ہاتھ پاؤں پھلائے دے رہا تھا، وہ حسینہ تو صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے تنقیدی نگاہ سے یہاں وہاں کا جائزہ لینے میں مصروف تھی، بشیر کی آج چھٹی تھی سو اصبح کی ہی دوڑیں لگ رہی تھیں، تائی الگ خوشامدی انداز اپنائے اس لڑکی کا انٹرویو لینے میں مصروف تھیں اور جیسے جیسے اس کی زبانی اس کے والد کی حیثیت، زمین و جائیداد کے قصے سن رہی تھیں ویسے ویسے زبان کی شیرینی مزید بڑھتی جا رہی تھی، اصبح نے ٹرالی بھر دی تھی، ابھی واپس کچن میں پہنچی ہی تھی کہ حواس باختہ اشعر اندر آیا۔

"ارے بھئی بہت سست لڑکی ہو، کولڈ ڈرنک تو لائی نہیں تم۔" ساتھ ہی فریج کھول کر شاید کولڈ ڈرنک ڈھونڈنے لگا۔

"اوہ شٹ! کولڈ ڈرنک تو ہے ہی نہیں، اس بشیر کم بخت کو بھی آج مرنا تھا چھٹی کرنا تھی۔" وہ جھنجھلایا ساتھ میں اصبح کو بھی بوکھلا دیا جو جب سے اشعر کو اپنے حوالے سے دیکھنے لگی تھی اس کو اس لڑکی کی آمد اور اس کے انداز ویسے ہی برے لگ رہے تھے اوپر سے اشعر اور تائی کا اس کو اہمیت دینا بری طرح کھل رہا تھا۔

"ایسا کرو اصبح جلدی سے بھاگ کر یہ نکڑ والی شاپ سے کولڈ ڈرنکس اور کچھ سوفٹ ڈرنکس پکڑ لاؤ۔" اس کی عجلت حد سے سوا تھی پھر اصبح کو بت بنا دیکھ غصے میں آ گیا جو آج سے پہلے اس قسم کی صورتحال میں فٹا فٹ ایسے کام کر کے آ جایا کرتی تھی پر آج دماغ میں انڈیلی گئی چچی کی نصیحتوں کا اثر تھا یا اشعر کی بے حسی جو لڑکا ہوتے ہوئے گھر کی لڑکی کو باہر کے کام کے لئے جانے کو کہہ رہا تھا حالانکہ وہ خود جا سکتا تھا۔

"افوہ جاؤ بھی اب یا مجھے بھیجنے کا ارادہ ہے؟" اشعر نے اسے ٹوکا ساتھ ہی طنزاً کہا جیسے اس کا مارکیٹ جانا کوئی عیب کا کام ہو، اصبح نے مشینی انداز میں اس کے ہاتھ سے وہ بڑا نوٹ پکڑا اور آگے بڑھ گئی، گیٹ تک آتے آتے اس نے پتہ نہیں کیوں اپنے حلیے پر نظر ڈالی تین دن سے پہنا ہوا ملگجی سا سوٹ دوپٹہ حسب معمول ندارد تھا، زندگی میں پہلی بار اسے دوپٹے کے بنا گیٹ پار کرتے ہوئے بے حد حیا آئی ایسے لگا ہر نظر اس کے جسم کو کھوج رہی ہے حالانکہ اس نے اوپر جھولا سا سوئیٹر لٹکا رکھا تھا، پھر بھی خود کو سمیٹتے ہوئے وہ بمشکل نکڑ والی شاپ تک آئی۔

"ارے سرکار! طبیعت تو ٹھیک تھی ناں، کتنے دن سے دیدار ہی نہیں کرایا، بشیر سے بھی روز پوچھتا تھا۔" دکاندار کے عامیانہ انداز اور زبان کا مظاہرہ پہلی دفعہ ہی محسوس کیا اس نے ورنہ تو وہ جب بھی آتی تھی اسی انداز میں مخاطب ہوتا تھا وہ اس سے، عورت اپنے انداز و اطوار سے ایسی نظر آئے کہ سامنے والی نگاہ خود بخود ہی حیا سے جھک جائے، چچی کا کہا فقرہ اس کے اندر گونجا، جبکہ اس نے تو کبھی ایسی کوئی کوشش کی ہی نہیں تھی خود کو ڈھانپنے کی، چھپا کر رکھنے کی پھر کیسے مقابل کی آنکھ اور زبان میں اس کے لئے احترام آ سکتا تھا، میکانکی انداز میں اس نے دکاندار سے شاپر لیا، بقیہ پیسے پکڑاتے اس نے جان بوجھ کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے مس کیا، ایسا بھی بہت بار ہوا تھا اور وہ کئی بار کتنوں کی پٹائی کر چکی تھی، کئی تماشائی دیکھنے کھڑے ہو جاتے تھے، آج اس کے منہ پر تھپڑ مارنے کی بجائے اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں، دوڑتے ہو پانچ منٹ کا فاصلہ اس نے دو منٹ میں طے کیا اور کچن میں کاؤنٹر پر شاپر پھینک کر وہ اپنے کمرے کی جانب آ گئی، لاؤنج میں کافی دیر تک ہنسنے بولنے کی آوازیں آتی رہی تھیں۔

☆☆☆

زندگی میں اور کائنات میں تبدیلی قدرت کا اصول ہے اور ناز کی زندگی میں صرف تبدیلی نہیں آئی تھی ایک خوفناک انقلاب آیا تھا طوفان آیا تھا جس نے اس کی پرسکون زندگی کو گہرے اندھیرے میں بدل ڈالا تھا، حسب معمول احمد جہانزیب اس دن گھر آئے تو کچھ پژمردہ سے تھے، اس کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ طبیعت کچھ بوجھل سی ہے، رات تک وہ شدید گھبراہٹ کا شکار ہی نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کے بائیں کندھے اور دل میں اتنی زور کا درد اٹھا کے بے حال ہی ہو گئے۔

''ناز یہ فون لے کر کے میری طبیعت کا بتاؤ جلدی۔'' اپنی بائیں سائیڈ کو پکڑے تکلیف سے دوہرے ہوتے ہوئے انہوں نے ناز کو اپنے بزنس پارٹنر کو کال کرنے کا کہا، ناز تو رو پڑی تھی ان کی حالت دیکھ کر، اس نے جلدی سے مبشر کو کال کر کے جلدی سے پہنچنے کو کہا تھوڑی دیر میں ہی احمد جہانزیب کی گھبراہٹ اور درد حد سے سوا ہو گیا پھر حالت بھی غیر ہو گئی اتنی کہ وہ بے ہوش ہو گئے، کتنے عرصے بعد ناز نے وہ دہلیز عبور کی جہاں ان کی آمد کا سلسلہ کئی عرصہ قبل روک دیا گیا تھا، اماں جی بھی ماں تھیں، روتی ہوئی ناز سے بیٹے کی حالت کا سن کر ہانپتے کانپتے اوپر آئیں تب تک احمد جہانزیب کا دوست بھی پہنچ چکا تھا پر ان کا بروقت پہنچنا بھی بے سود رہا کہ اجل کا فرشتہ وقت مقرر پر ان کی روح قبض کر کے جا چکا تھا، ناز کی دنیا ہی اندھیر ہو گئی تھی۔

دونوں بھائیوں نے بھی جنازے میں شرکت کی تھی دنیا دکھاوے کو ہی سہی ان کی بیویاں بھی آئیں تھیں، ناز جب تک عدت میں رہی اماں جی اوپر آ جاتیں کبھی کبھی بلال کو بھی بلا بھیجتیں، ہاں اتنی مہربانی کی گئی تھی ناز پر کہ درمیان کا دروازہ ہمہ وقت کھلا رہتا، جب تک اماں جی زندہ رہیں بھلے ناز سے ویسے ہی روکھے بات کرتیں پر بلال کو بلوا بھیجتیں، ان کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ناز کا نیچے والوں سے وہ ٹوٹا پھوٹا رشتہ بھی ختم ہو کر رہ گیا، ایک بے حد مشکل اور کڑی دھوپ تلے آبلہ پا سفر تھا جو ناز نے کیا، جوان جہان، خوبصورت بیوہ نے ہر خوشی اپنے اوپر حرام کرتے ہوئے خود کو سمیٹ کر صرف بیٹے کے لئے جینے کی ٹھانی، پھر دنیا نے دیکھا کہ احمد جہانزیب کی بیوی نے خود کو ایک دائرے میں سمو لیا، جس کے اندر کسی کو آنے کی اجازت نہیں تھی پہلے وہ صرف چادر لیتی تھی اب اس نے عبایا لینا شروع کر دیا، آنا جانا تو پہلے بھی محدود تھا اب تو بالکل ہی ختم کر دیا، بس ہر ماہ جب تنخواہ ہاتھ آتی ضروری سودا سلف لینے باہر جاتی بس، بلال ایک سمجھدار بچہ تھا جس کو وقت اور حالات نے وقت سے پہلے جیسے بڑا کر دیا تھا، وہ عام بچوں کی طرح اسے کبھی بھی کسی معاملے میں تنگ نہ کرتا اور آج تک وہ سلسلہ ویسے ہی تھا، ایف ایس سی کے بعد تو اس نے اکیڈمیز میں ٹیوشنز پڑھانا شروع کر دیا تھا حالانکہ اس کو خود ابھی وقت اور توجہ کی بے حد ضرورت تھی لیکن وہ اپنی ماں کی محدود آمدنی اور گھر کے حالات جانتا تھا، کبھی تہواروں پر تایا، چچا آئے ہوتے تو اسے بلوا کر عیدی وغیرہ تھما دیا کرتے اس پر بھی اس کی بیویوں کی تیوری چڑھ جاتی اس ناگواری کو جان کر بلال نے ان کے بلاوے پر جانا ہی چھوڑ دیا اور اس کے گریز کی وجہ یا سبب جانے بغیر ان لوگوں نے بھی اسے بلانا چھوڑ دیا تھا، اب جبکہ وہ ایم سی ایس کے فائنل ائیر میں تھا، ایک کمپنی میں پارٹ ٹائم جاب کرتا تھا جبکہ ناز نے دو سال پہلے ہی ریٹائرمنٹ لے

لی تھی۔

☆☆☆

غیر محسوس انداز میں ہی اصبح نے اب باہر کے کاموں کے لئے جانا بالکل ہی ترک کر دیا تھا زیادہ تر بشیر کو بھیجتی اور اگر وہ نہ بھی ہوتا اشعر یا حارث کے منہ پر کہہ دیتی کہ وہ خود چلے جائیں، اپنے کپڑے کھول کر دیکھنے پر انکشاف ہوا کہ درجنوں کپڑوں میں سے دوپٹے کے نام پر اس کے پاس ایک بھی کپڑا نہیں تھا نہ کبھی تائی نے اس جانب توجہ دلائی نہ خود اسے کبھی ضرورت محسوس ہوئی، صفائی کو نصف ایمان ایسے ہی نہیں کہا گیا، گھر ہو کپڑے ہوں یا جسم ہو ہر چیز میں صفائی ضروری ہے اور سب سے بڑھ کر ضروری ہے اندر کی صفائی، روح کی صفائی جو ہمارے ایمان کو مکمل کرتی ہے، چچی کے اکثر و بیشتر کہے گئے فقرات آج کل وقت بے وقت یاد آتے اور اس کی ظاہری و باطنی حالت میں بتدریج تبدیلی لا رہے تھے، تائی نے کبھی اس سے نہیں کہا کہ وہ کپڑے تبدیل کر لے، بال بنا لے اور تو اور نماز پڑھنے تک کا تائی کے گھر کوئی تصور نہیں تھا، اماں جی جب تک تھیں اہتمام سے نماز ادا کرتیں، جبکہ چچی کے گھر وہ ان کو بھی نماز ادا کرتے دیکھتی تو کبھی ملال نہیں جاگا کہ وہ مسلمان لڑکی ہے اسے بھی نماز پڑھنی چاہیے۔

''اصبح نماز پڑھا کرو بیٹا، یہ فرض ہے ہم پر، سکون دیتی ہے اور بہت سی بری باتوں سے بچا لیتی ہے۔'' دھیرے سے اسے کہہ کر وہ جائے نماز لپیٹ لیتیں، اصبح ان سنی کر جاتی یہ سوچ کر کہ ابھی کون سا اس کی عمر ہے نماز پڑھنے کی اس کی فرضیت اور اصل روح کو سمجھے بغیر، وہ جو اپنے آپ کو سمجھنے اور پرکھنے کے عمل سے گزر رہی تھی، اسے پتہ نہیں تھا کہ گھر میں دوسری جانب کیا کھچڑی پک رہی ہے۔

''قسم سے اماں وارے نیارے ہو جائیں گے ہمارے تو، علیشا کا باپ مجھے امریکہ بھیجنے اور اسپانسر کرنے کو تیار ہے، اکلوتی بیٹی ہے وہ اپنے ماں باپ کی، ڈیفنس میں دو بنگلے اسی کے نام ہیں، یہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ اس کی نظر کرم مجھ پر ہو گئی اب جلدی سے ابو سے مشورہ کر کے کل ہی رشتے کے لئے چلی جائیں، اس نے اپنے مما، پاپا کو منا لیا ہے۔'' اشعر خوشی و جوش سے تائی کے گھٹنے سے لگا بیٹھا ساری تفصیل بتا رہا تھا۔

''واہ بھائی تمہاری تو لاٹری لگ گئی سمجھو اور ہاں امریکہ جا کے مجھے بھول مت جانا، پہلے پہلے مجھے بلوانا ہے تم نے۔'' حارث نے اس کا کندھا ہلا کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں، تمہیں نہیں بلائے گا تو پھر کس کو بلانا ہے اس نے، پہلے تو مجھے لے چل پھر میں ایک دفعہ ہو آؤں پھر تمہارے باپ سے بھی بات کر لیں گے، ان کو ابھی بتا دیا تو ان کے پیٹ میں کب رکتی ہے بات بھائی کو بتائے بغیر، تمہارے چچا نے بات بیوی کو بتائی نہیں سمجھو پھیلی نہیں اور میں ابھی بات کا بتنگڑ نہیں چاہتی، ویسے بھی تمہاری چچی اشاروں کنایوں میں مجھ سے اپنی شاہین کے لئے بھی بات کر چکی ہے، بھائی کی نیا تو پار لگ گئی میرے لئے مت کہہ دینا کسی کو اماں، میں نے بھائی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کسی اونچی آسامی کو پھنسا کے اپنا فیوچر بنانا ہے۔'' چھوٹے کے آدرش بہت اونچے اور واضح تھے۔

''چل ہٹ پہلے ایک کا تو کچھ کرنے دے۔'' کافی دیر مستقبل کے سنہرے خواب دیکھتی اور اپنے بیٹوں کو دکھاتی تائی اپنی کئی دن پہلے کی کہی گئی بات بھول گئی تھیں جس کو کسی نے سن کر

دل میں ہی گہری جگہ پہ چھپا کر رکھ دیا تھا اور دل کی گہری باتیں بہت مشکل سے ہی نکل پاتی ہیں۔

☆☆☆

آج اصبح نے چچی کا دیا ہوا سوٹ نہا دھو کر پہنا، بالوں میں کنگھی کی اور نماز ادا کرنے کا سوچنے کے ساتھ ہی شرمندگی بھی دل و دماغ میں در آئی کہ اسے نماز پوری طرح سے یاد ہی نہیں تھی، جب تک تعلیم سے سلسلہ جڑا رہا نماز کے ارا کین صرف یاد رکھنے کی حد تک یاد تھے، اب تو وہ بھی بھول چکے تھے، اس نے دل میں فیصلہ کیا کہ چچی سے پہلی فرصت میں ہی نماز سیکھنی ہے، تائی اپنے کمرے میں سونے جا چکی تھیں، حارث ابھی ابھی ٹی وی سے اٹھ کر گیا تھا جبکہ صبح کا گیا ہوا اشعر گھر ہی نہ لوٹا تھا، اصبح نے ٹی وی آن کیا اور اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھنے میں مگن کیا ہوئی کہ اشعر کب آیا اسے علم نہ ہو سکا، اس کی آمد پر وہ چونکی، اشعر کی حالت میں کسی غیر معمولی تبدیلی کا بھی ادراک ہوا، اس کی سرخ آنکھیں، لڑکھڑاتا لہجہ اور غیر متوازن چال کسی انہونی کی جانب اشارہ کر رہے تھے۔

''کیا ہوا اشعر، تم ٹھیک تو ہو ناں۔'' اصبح نے ریموٹ ٹیبل پر رکھ کر تشویش سے پوچھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں تم ایک کپ چائے بنا کے لئے آؤ میرے کمرے میں جلدی سے۔'' وہ کہہ کر سرخ آنکھوں سے اسے گھورتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا، اصبح حیرانی سے اس کے رویے کا سوچتی کچن کی جانب بڑھ گئی، دن کو اہتمام سے پہنا گیا دوپٹہ صوفے پر اپنی ناقدری پر روتا رہ گیا، پرانی عادتیں اتنی جلدی کب بھولتی ہیں، اس نے چائے بنائی اور اشعر کے کمرے کی جانب آ گئی، اشعر صوفے پر ہی نیم دراز تھا، اس نے چائے کا کپ سامنے پڑی ٹیبل پر رکھا۔

''کیا ہوا خیریت تو ہے ناں؟ اشعر، تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ قدرے جھک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''ہوں نہیں سر میں شدید درد ہے، اصبح میرا سر دبا دو۔'' اس نے بوجھل آواز میں کہا، اصبح جلدی سے اس کی پشت پر آ کر اس کے سر کو ہولے ہولے اپنے نرم ہاتھوں سے دبانے لگی، چند لمحوں بعد اشعر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور اصبح کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں سہلاتے ہوئے بے حد قریب بیٹھی اصبح کو بہت غور سے دیکھنے لگا، ایسے کہ اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر پراعتماد سی اصبح اس پل پزل ہو کر پلکیں جھکا گئی۔

''اش...... اشعر، میں اب چلتی ہوں۔'' اس نے کپکپاتے لہجے کا اشعر پر الٹا اثر ہوا، عجیب بہکے بہکے انداز میں اس کے ہاتھوں نے اصبح کے چہرے سے گردن تک سفر کیا۔

''اصبح تم کتنی خوبصورت ہو مجھے پہلے پتہ ہی نہیں چل سکا۔'' تھوڑی دیر قبل علیشا کی پارٹی میں پیا گیا مشروب اپنا رنگ دکھا رہا تھا۔

''کیا کر رہے ہو اشعر تم ہوش میں نہیں ہو۔'' جونہی اس نے اصبح کو گرفت میں لیا وہ مچلتے ہوئے اپنے آپ اس کی گرفت سے چھڑانے لگی۔

''مجھے کب پتہ تھا کہ میرے اپنے گھر میں ایسی قیامت سامنے ہے اور میں دنیا کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔'' دست درازی کی کوششوں میں وہ پتا نہیں کیا کیا ہذیان بک رہا تھا۔

''ارے اصبح کیا ہوا، تمہارے لئے کون سی نئی بات ہے یہ، بشیر سمت محلے کے کئی لوگوں کو تمہاری قربت سے مستفید ہونے کا موقع ملا ہے

پھر میں تو تمہارا اپنا کزن ہوں یار۔'' اس کے کانوں میں اس بار جو مدہوش سی سرگوشی ہوئی اس نے اصبح کو جیتے جی مار دیا تھا، ایسے کہ اس کی مذاحمت ذرا سست پڑ گئی، اسی کو غنیمت جان کر اشعر نے اس پر پوری طرح قابو پالیا۔

☆☆☆

آج اکیڈمی میں اسے معمول سے زیادہ دیر ہوگئی تھی، امتحانوں کا سیزن ہونے کی وجہ سے اکیڈمی ٹائمنگز زیادہ ہوگئی تھی، وہ باقی تمام ٹیوشنز چھوڑ چکا تھا جبکہ یہ اکیڈمی اس کے دوست کی تھی سو تھکا دینے والی جاب کے بعد صرف ایک گھنٹہ یہاں پڑھانا تھا، آج آدھا گھنٹہ اوپر ہوگیا تھا، امی کی متوقع ڈانٹ سے بچنے کے لئے اپنے پاس موجود چابی سے گیٹ کھول کر اوپر آیا، امی کو اپنے انتظار میں جاگتا دیکھ کر شرمندہ ہوگیا۔

''کتنی بار آپ کو کہا ہے کہ میرے انتظار میں مت بیٹھا کریں، آج کل روز ہی لیٹ ہو رہا ہوں بس یہی سیشن ہے اس کے بعد ثاقب سے کہہ دیا ہے میں نے کہ بس یار معاف کر دو مجھے بہت تھکن ہو جاتی ہے اس نے بھی وعدہ کیا ہے کہ بس یہی سیشن مکمل کرا دو پھر نہیں کہوں گا، اصل میں اتنے عرصہ سے اسٹوڈنٹس عادی ہیں تو ایک دم سے ان کو چھوڑنا ان کے لئے مسئلہ بنے گا۔'' امی کے سامنے کھانا لا کر رکھنے پر اس نے کئی بار کی بتائی ہوئی تفصیل ایک بار پھر بتائی، دونوں ماں بیٹے نے مل کر کھانا کھایا۔

''چلو بیٹا، اپنے کمرے میں میں دودھ لے کر آتی ہوں۔'' امی نے بے حد محبت سے اسے کہا، بلال سر ہلا کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا، ابھی پوری طرح کمرے تک پہنچنے نہیں پایا تھا کہ نیچے سے آنے والی دلروز چیخوں نے ان دونوں کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔

''خدا خیر کرے بلال، پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے، مجھے تو یہ اصبح کی آواز لگ رہی ہے۔'' کئی خدشات کے زیر اثر ناز کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

''چھوڑیں امی ہمیں کیا، آپ چلیں اپنے کمرے میں۔'' وہ بیزاری سے کہتے آگے بڑھا لیکن ناز کے قدموں نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔

''نہیں بلال میرے دل میں عجیب عجیب سے وہم آ رہے ہیں ذرا کی ذرا چلو، خیریت پتا کر کے آ جائیں گے بس، پتانہیں بچی کی جانب سے دل میں وہم ہو رہا ہے۔'' ان کے لجاجت بھرے انداز پر وہ اندر ہی اندر جھنجلاتا ہوا امی کو لئے نیچے کی جانب چل پڑا، جو بہت عرصہ بعد وہ دہلیز پھر ایک بار پار کرنے چلی تھیں۔

تائی کے لاؤنج میں اس وقت ہنگامہ برپا تھا، بکھرے بالوں سوجی آنکھوں والی اصبح، غصے سے چیختا چلاتا اشعر، حواس باختہ کھڑی تائی، بیزار کھڑا حارث اور نیچے کے پورشن سے پے در پے چیخیں سن کر آنے والی چچی شاہانہ اور ان کی بیٹیاں ان کے تاثرات ایسے تھے جیسے بے حد مزیدار سا کوئی اسٹیج ڈرامہ ٹکٹ لے کر دیکھنے آئی ہوئی ہوں۔

''اس لڑکی میں اتنی حیا اور شرم نہیں ہے کہ باہر تو جو کچھ کرتی رہی ہے وہ تو ایک طرف جس گھر نے اتنے برس اس کو پناہ دی نہ اس گھر کی عزت کا خیال رکھا نہ اپنے تایا کا خیال آیا اس کو، بہت بار میرے سے فضول طریقے سے بات کر چکی ہے، فضول حرکتیں تھی، آج تو اس نے حد کر دی میرے کمرے میں آ کر جس بے شرمی سے اس نے بات کی، لڑکا ہوتے ہوئے مجھے شرم آ رہی ہے آپ کو کیسے بتاؤں۔'' وہ ایک بار پہلے بھی تفصیل بتا چکا تھا پر حاضرین کی تعداد بڑھتے دیکھ

کر الفاظ کے معمولی ردوبدل کے ساتھ ایک بار پھر کہا۔

''میں نے جب برا بھلا کہا اور کمرے میں سے باہر نکل جانے کو کہا تو یہ ڈرامہ رچایا اس نے کہ بال بکھیرے کپڑے تک پھاڑ دیئے اس نے اور تو اور اپنے چڑیلوں جیسے ناخنوں کا استعمال کرتے ہوئے مجھے اور خود کو زخمی کر ڈالا اس گھٹیا لڑکی نے۔'' تنفر سے کہتا ہوا وہ تائی کے پاس آ کر بولا، جبکہ اصبح کسی بت کی مانند ساکت تھی، اس نے پہلے پہل جب تائی کمرے سے نکلی تھیں روتے ہوئے انہیں اشعر کی گھناؤنی حرکت اور اپنی بے گناہی کا بتاتے ہوئے ان کی آغوش میں پناہ لینا چاہی تھی پر جس طرح وہ اسے دھکیل کر اشعر کی طرف بڑھی تھیں۔

''اے ہٹو تم، اشعر تم بتاؤ مجھے کیا ہوا کیا کہہ رہی ہے یہ لڑکی۔'' لفظ ہی نہیں لحہ بھی اجنبی تھا اس پل ان کا اور اجنبی اور کھردرے لہجے اور الفاظ ہی تو جاں نکال لیا کرتے ہیں اس کی بھی جان نکل گئی تھی۔

''یہ کیا کیا کم بخت تو نے، کس چیز کی کمی دی تھی تمہیں، بیٹی بنا کر رکھا، عزت دی، محبت دی اس کا یہ صلہ دیا تم نے ہمیں لڑکی ہوتے ہوئے بے غیرتی میں اس قدر آگے بڑھ گئی تو......'' تائی جو جب سے علیشا کے گھر سے رشتہ کی بات کر کے آئی تھیں، تایا سے کہے الفاظ جو انہوں نے اصبح کے بارے میں کہے تھے پر سخت پچھتاتی تھیں وہ وقت کو پیچھے کھینچ لانے پر قادر ہوتیں تو ایسا کچھ کر چکی ہوتیں کہ وہ وقت واپس آتا اور وہ اصبح کو بہو بنانے کی بات تایا کے ذہن میں ہر گز نہ ڈالتیں، اب جب قدرت نے خود ہی موقع فراہم کیا تھا جو کیسے گنوا دیتیں اسے اور وقت اور ترکیب کو باہم ملا کر صحیح وقت پر استعمال کرنے کا ہنر تائی سے بڑھ کر بھلا کون جانتا تھا، حالانکہ وہ اشعر کو بھی جانتی تھیں اصبح کو بھی اور اس وقت بھی ان کو معلوم تھا کہ اشعر جھوٹ بولا رہا ہے پر اصبح کی تائید کرنے کا مطلب اسے ہمیشہ کے لئے اپنے گلے سے لگا کے رکھنا تھا جبکہ تازہ تازہ امیر ہونے کی چاہت اس قدر سوا تھی کہ وہ لمحوں میں ہی علیشا کو بیاہ کر اس گھر میں لے آنا چاہتی تھیں۔

''تائی آپ قسم لے لیں، میں سچ کہہ رہی ہوں میں تو ٹی وی......''

''ارے بس کرو بی بی، تمہارے رنگ ڈھنگ تو کچھ دنوں سے میں بدلے بدلے دیکھ رہی تھی پر زیادہ روک ٹوک نہیں کی کہ دنیا تو ایک طرف سب سے پہلے تمہارے تایا نے ہی میری جان کھا لینی ہے کہ بن ماں کی بچی کا خیال نہیں رکھا، کیا پتہ تھا کہ ساری محبت، عیش و آرام جو تمہیں اس گھر میں ملا اس کو بھلا کر تم ایسا غلیظ قدم اٹھاؤ گی۔''

یہ وہ تائی نہیں تھیں جو سارا دن اصبح سے مختلف کام نکلواتے وقت اپنی زبان کی شیرنی کا ایسے استعمال کرتیں گویا ان سے زیادہ دنیا میں کسی کو بھی اصبح سے ایسی محبت نہیں ہے۔

''ایک بات سن لیں امی، اس لڑکی کو گھر سے فوراً نکال باہر کریں، جو ایک دفعہ ایسے کر سکتی ہے کئی بار کر سکتی ہے، میں روز روز یہ تماشہ نہیں چاہتا، اگر آپ نے اس کو اس گھر میں رکھا تو میں نے یہاں نہیں رہنا۔'' اشعر کو اپنی ناکامی کا اتنا دکھ تھا کہ وہ اب اصبح کو اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا تھا، جب وہ پوری طرح اس کے قابو میں آ چکی تھی تو پتا نہیں کیا ایسا ہوا تھا کہ وہ اس کی گرفت سے نکل بھاگی تھی، اب زخمی شیر بنا اس کا بس نہیں چل رہا تھا اصبح کو قتل کر دے۔

''ہاں تو میں کون سا اب اسے رکھنے والی

ہوں، بی بی بوریا بستر اٹھاؤ اپنا اور نکلنے کی کرو، میں کہاں تک تمہاری نگرانی کرتی پھروں گی۔‘‘ تائی کی بے حسی پر اصبح بوکھلا گئی۔

’’تائی ایسا مت کریں مجھے گھر سے مت نکالیں، میں سچ کہتی ہوں میں نے کچھ ایسا نہیں کیا، پھر بھی...... پھر بھی میں ہاتھ جوڑ کر آپ سب سے معافی مانگتی ہوں۔‘‘ وہ روتے ہوئے تائی کے پاس آکر بولی۔

’’بھابھی آپ ایک دفعہ اس کی بات تو سن لیں وہ کیا کہنا چاہتی ہے، پھر معمولی سی غلطی کی وجہ سے جوان بچی کو گھر سے نکالنا ٹھیک نہیں ہے۔‘‘ بہت دیر سے سائیڈ میں بلال کے ساتھ یہ سارا تماشا دیکھتی ناز سے اصبح کی اتنی تذلیل برداشت نہ ہو سکی تو کیا بول بیٹھیں گویا اپنی شامت کو آواز دے بیٹھیں، تائی جو اپنے زعم اور کروفر میں کھڑی ان کی آمد سے بے خبر تھیں چونک مڑیں۔

’’لو بی مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔‘‘ وہ ایسے بڑبڑائیں کہ ان کی آواز سب تک بخوبی پہنچی۔

’’بی بی تم تو بات ہی مت کرو، تمہیں کہاں محسوس ہو گی اس کی غلطی جبکہ تمہاری ایسی ہی حرکتوں کی وجہ سے تم آج تک خاندان سے باہر بیٹھی ہو، بھاگ کے آئی تھی ناں گھر سے تو تمہیں تو اس کی ایسی ذلیل حرکت چھوٹی سی غلطی ہی لگنے لگی۔‘‘

’’زبان کو لگام دیں تائی اور امی بس دیکھ لیا اپنی ہمدردی کا نتیجہ چلیں آپ فوراً واپس چلیں۔‘‘ بلال نے غصے میں تائی کو کہا پھر ناز کا بازو پکڑ کر اسے اوپر کی جانب لے جانے لگا۔

’’ہونہہ ہمدردی جتانے کو تو ایک جہان اکٹھا ہو جاتا ہے، بس عمل کرتے وقت سب کو سانپ سونگھ جاتا ہے، ایسی ہی ہمدردی کے مروڑ اٹھ رہے ہیں تو لے جاؤ اس گناہوں کی پوٹ کو اپنے ساتھ ہی، ویسے تو بڑی تقریریں کرتی آتی ہیں ہونہہ۔‘‘ تائی نے لگے ہاتھوں برسوں کی وہ بھڑاس بھی نکالی جوان کی بہن کے احمد جہانزیب کی بیوی نہ بن سکنے پر ان کے دل میں اتنے برس سے جمع تھی ساتھ میں اصبح کا قصہ بھی مکانا چاہا، پھر وہ بے حد حیرت سے مڑیں جب انہوں نے بغیر کوئی لفظ جتائے ناز کو بڑے پیار سے منہ کو ہاتھوں میں چھپائے روتی اصبح کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے اور اپنے ساتھ چلنے کو کہا، جبکہ ان کے بیٹے کے تاثرات ناز سے برعکس تھے اس کے ماتھے کے بل اس بات کو ظاہر کر رہے تھے جیسے اپنی ماں کا ان کے خالصتاً ذاتی معاملے میں دخل دینا اور ایک انتہائی فیصلہ کر لینا اسے پسند نہ آیا ہو، جبکہ باقی خاندان کے تاثرات خاصے حیران کن اور قدرے طنزیہ سے تھے۔

☆☆☆

’’سیپ کا موتی کسی اناڑی کے ہاتھ آ جائے تو وہ اس کی اہمیت جانے بغیر دنیا کے بازار میں اسے رلنے کے لئے پھینک دیتا ہے پھر دنیا کی مرضی وہ اسے پاؤں تلے روندے یا پتھر جان کر ٹھوکر لگا دے اور اس موتی کی قسمت میں اگر کسی جوہری کے ہاتھ لگنا لکھا ہو تو پھر اس کی قسمت کو سنورنے سے کوئی روک نہیں سکتا، جوہر شناس ہاتھ تراش خراش کے بعد اسے وہ روپ دیتے ہیں کہ وہ ہیرا بن کر دنیا کو جگمگا دیتا ہے، میری پرسنل ڈائری کے پہلے صفحے پر کندہ یہ الفاظ اس وقت پر صحیح اثر نہیں رکھتے جب تک ڈائری کے اگلے صفحات پڑھتے پڑھتے میری ذات کے سنورنے کا سفر ساتھ ساتھ طے نہ کیا جائے، اٹھارہ سال کا ابتدائی سفر تو گویا کسی اندھیری غار کا سفر تھا جس میں، میں نے وہ عرصہ ٹامک ٹوئیاں

مارتے گزارا، مسز ناز احمد جہانزیب صرف روتی ہوئی اصبح کو نہیں لائی تھیں ساتھ ایک عہد ساتھ لائی تھیں، ان کا مجھے گھر لے آنے کے بعد پہلا قدم میری بہترین اصلاح کا تھا، میری ذات کی کمیاں دور کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے میرا کب سے ٹوٹا ہوا تعلیمی سلسلہ تو جاری کرایا ہی ساتھ ساتھ دنیا میں زندگی گزارنے کے ایسے ایسے اسرار و رموز سکھائے جو مرتے تک مرے ساتھ رہیں گے، میں نے ماہ و سال کی گردش کے ساتھ ہی اپنی تعلیم بھی مکمل کی ساتھ اپنی شخصیت و کردار کو چچی جیسا بنانے کی کوشش بھی کی، میرے بی اے کے رزلٹ کے ساتھ ہی بلال کو ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اعلیٰ عہدے کی جاب کے ساتھ ہی چچی نے میری شادی بلال کے ساتھ کر دی، انسانیت کا ایک گرا ہوا روپ میں نے اپنی تائی کے ہاں دیکھا تھا، انسانیت کے اونچے درجے کو چھوتے لوگ میں نے اس گھر میں آ کر دیکھے، تایا اور چچا کے آنے پر تائی اور پورے خاندان نے نجانے کیا ایسی پٹی ان دونوں کو پڑھائی تھی کہ انہوں نے مڑ کر میری خبر نہیں لی، اڑتی اڑتی یہی سنی کہ انہوں نے ان دونوں کو بتایا تھا کہ چونکہ چچی کے گھر میرا بہت آنا جانا تھا، سو بلال سے تعلقات کے نتیجے میں میں نے تائی کی بہو بننے سے انکار کر دیا اور گھر چھوڑ کر چچی کے ہاں جا بسی، اسی دوران اشعر بھی علیشا کو بیاہ لے آیا نہیں بلکہ علیشا اشعر کو بیاہ کر اپنے ساتھ امریکہ لے گئی، میرے آنگن میں عبدالرحمن کی صورت پہلا پھول کھلا اس وقت میں ایم اے کی ڈگری ہاتھ میں لئے بیٹھی تھی، تعلیم میں لگن دیکھتے بلال نے ہم دونوں ساس بہو کو ایک بہترین تعلیمی ادارہ کھول کر دیا تھا جس کی انچارج چچی تھیں، آج کچھ سالوں کی محنت کے بعد ہمارا اسکول شہر کا ایک جانا مانا سکول ہے جہاں لوگ اپنے بچوں کو بھیج کر فخر محسوس کرتے ہیں کیونکہ ان کو پتہ ہے کہ یہاں کی تعلیم کا صحیح مقصد پیسے کا حصول نہیں بلکہ صحیح علم کی ترویج ہے جس سے بچے کی سیرت و کردار بھی سنورتا ہے اور ان کو آنے والے وقت کی صحیح راہیں متعین کرنے کا صحیح گر سکھایا جاتا ہے۔"

آج میں بے حد خوش و خرم زندگی گزار رہی ہوں، بلال اور چچی جان صحیح معنوں میں میرے راہبر ثابت ہوئے اور ان کے بتائے رستے پر چلتے ہوئے میری زندگی سنور گئی۔

☆☆☆

فرحت شوکت

وہ سب اس وقت ہاسپٹل میں ایمرجنسی روم کے باہر کوریڈور میں موجود تھے، زیاد کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا اور اسے شدید قسم کی چوٹیں آئی تھیں جن کے باعث خون کافی حد تک بہہ چکا تھا، عباد بلڈ ڈونیٹ کر چکا تھا اور اب ہنید اسے بلڈ ڈونیٹ کر رہا تھا۔

''آنٹی پلیز آپ پریشان مت ہوں زیاد اب ٹھیک ہے ڈاکٹرز دو دن تک اسے ڈسچارج بھی کر دیں گے اور اب تو ہو مکمل ہوش میں ہے آپ حوصلہ رکھیں اور اس سے مل آئیں۔''

اریج اور انعم کافی دیر سے زیاد کی ماما کو تسلیاں دے رہی تھیں جو اچانک ہونے والے اس حادثے پر بہت دلگرفتہ اور پریشان تھیں وہ مسلسل روئے جا رہی تھیں، ان کے کہنے پر وہ زیاد سے ملنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

زیاد ان کا اکلوتا بیٹا اور دو بہنوں کا اکلوتا

ناولٹ

بھائی تھا سو سب کی اس میں گویا جان تھی، ایکسیڈنٹ کی خبر نے ان سب کو اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا، اچانک ہونے والے اس حادثے نے اس کے ماما پاپا کو چند گھنٹوں میں بہت کمزور کر ڈالا تھا، اولاد کا غم ان کے اندر طوفان مچاتا دکھائی دے رہا تھا، جس کو سب ہی با آسانی محسوس کر سکتے تھے۔

زیاد کو ہوش آ چکا تھا مگر وہ ابھی دوائیوں کے زیر اثر تھا لہٰذا اس پر غنودگی طاری تھی، انکل اور آنٹی کو زبردستی گھر بھیج کر وہ چاروں زیاد کے روم میں بیڈ کے دائیں جانب رکھے صوفہ اور چیئرز پر براجمان خاموشی سے زیاد کو ہی دیکھے جا رہے تھے، پریشانی ان کے چہروں سے ہویدا تھی۔

''زیاد ٹھیک تو ہو جائے گا ناں؟'' انعم کی مدھم مگر کپکپاتی آواز نے کمرے میں موجود سکوت

دوسری قسط

کو توڑ ڈالا تھا، تینوں نے انعم کی طرف دیکھا اس کے لہجے کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں۔

وہ سب ایک دوسرے کے لئے کتنے اہم اور ضروری تھے شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

ساتھ بیٹھی اریج بھی آہستگی سے اپنی تر آنکھوں کو انگلیاں کی پوروں کی مدد صاف کرنے لگی شاید اس کا ضبط بھی انعم کے ضبط کے ساتھ ٹوٹنے لگا تھا وہ اور عباد اپنی جگہ سے اٹھے اور ان دونوں کی طرف بڑھ گئے اور ان کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔

''تم لوگ فکر مت کرو انشاء اللہ جلد ہی بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے اریج کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دینے والے انداز میں پورے یقین کے ساتھ کہا۔

''انعم پلیز یار پریشان ہونے سے کیا ہوگا، تم دعا کرو ناں کہ جو زخم اسے آئے ہیں وہ جلدی بھر جائیں۔''

عباد نے انعم کو شانوں سے تھام کر مضبوط لہجے میں کہا تو وہ قدرے مطمئن ہوگئی تھی، اگلے دو روز تک ہاسپٹل میں رہنے کے بعد آج زیاد کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا پہلے کی نسبت آج اسے قدرے بہتر دیکھ کر ان کی تو جیسے جان میں جان آ گئی تھی، سب اس کے گرد دائرہ بنا کر بیٹھے تھے، نقاہت کے باوجود اس کا جوش انہیں دیکھ کر ابھر آیا تھا اور اسے ہنستا بولتا دیکھ کر وہ سب کھل اٹھے تھے مگر اس پر ظاہر نہیں کر رہے تھے، وہ سب بس چپ سے تھے۔

''کیا بات ہے تم لوگ کچھ ناراض ناراض سے لگ رہے ہو، از ایوری تھنگ آل رائٹ؟''

ان کی مستقل خاموشی دیکھ کر زیاد پوچھے بغیر نہ رہ سکا جبکہ اس کے استفسار پر وہ سب پھٹ ہی پڑے تھے۔

''زیاد کچھ تو خیال کر یار تیرے علاوہ تیرے پیرنٹس کا اور تیری بہنوں کا اس دنیا میں کون ہے جو تو اس طرح کے کام کرتا ہے، تو بائیک آہستہ نہیں چلا سکتا کیا؟'' عباد رفتہ رفتہ طیش میں آ رہا تھا۔

''کسی اور کا نہ سہی اپنے پیرنٹس کا ہی خیال کر لیا کر، کتنا پریشان کیا ہے تو نے انہیں۔''

''یار میں کہاں تیز چلا رہا تھا وہ تو......''

''بس کر زیاد ہمیں پتہ ہے تیرا، ہم کتنے عرصے سے تجھے روک رہے ہیں کہ تو بائیک فاسٹ مت چلایا کر، اگر تجھے کچھ ہو جاتا تو کون سنبھالتا تیرے گھر والوں کو، کبھی سوچا ہے تو نے؟'' ہدید بھی عباد کے ساتھ مل کر اس کی بھرپور کلاس لے رہا تھا۔

''بلکہ ہم نے تو یہ بھی سنا ہے کہ تم ون ویلنگ کرنے لگے ہو، تم بتاؤ صحیح ہے ناں یہ بات؟'' اریج نے تیز لہجے میں زیاد کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''تم لوگوں کو میرے بارے میں ایسی خبریں کون دیتا ہے یار، قسم سے ایسا بالکل نہیں ہے میں سچ کہہ رہا ہوں بلیو می۔'' زیاد نے حیرانی سے سب کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو تم اتنی دیر رات کو بائیک لے کر فیصل کے ساتھ انڈر پاس کی طرف کیوں جاتے ہو؟'' انعم نے بھی بھڑاس نکالی۔

''آئی سوئیر میں نے کبھی ون ویلنگ نہیں کی، ہاں بس میں ایک دو بار اس کے ساتھ وہاں گیا ضرور ہوں مگر......''

''تیرا کی رنگ کہاں ہے؟'' زیاد کی پوری بات سنے بغیر وہ تیزی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور ہاتھ بڑھا کر اس سے کی رنگ مانگنے لگا جو آج

صبح ہی اس نے اپنی ماما سے لیا تھا۔

وہ بہت سنجیدہ لگ رہا تھا اور کافی حد تک اس کے ارادے بھی خطرناک محسوس ہو رہے تھے سو زیاد نے کی رنگ دینے سے گریز ہی کیا۔

''میں کہہ رہا ہوں ہنید آئندہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، یقین کر میرا۔'' اس کا بڑھا ہاتھ زیاد نے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے منانے والے انداز میں کہا مگر وہ بضد تھا اور کسی بھی حال میں ٹلنے والا نہیں تھا سو اس نے بلا حجت کی رنگ اس کے ہاتھ میں تھما دیا جس کو لے کر وہ فوراً دروازے کی طرف پلٹ گیا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' اریج نے پوچھا۔

''بائیک سیل کرنے۔'' اس نے زیاد کی طرف دیکھ کر کہا پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد زیاد نے ان سب کی طرف دیکھا جن کے چہروں پر بلا کا اطمینان اور ہلکی سی مسکراہٹ نمایاں تھی، وہ بے چارگی سے انہیں دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

''ایکسیکوزمی۔'' انعم کے بڑے بھائی کی انگیج منٹ پر وہ سب ہی انوائیٹڈ تھے اور اب فنکشن ختم ہوتے ہی وہ سب اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے جب اپنے پیچھے ایک شناسا آواز سن کر وہ ذرا کی ذرا مڑا مگر اگلے ہی لمحے اسی تیزی سے چلتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔

''ہنید میری گاڑی خراب ہے اگر تم مجھے ڈراپ کر دو تو...... پلیز۔'' مشعل بڑے التجائیہ انداز میں اس سے مخاطب تھی مگر وہ سنی ان سنی کرتا ڈرائیونگ سیٹ کا لاک کھولنے میں مصروف تھا۔

وہ جو اس کی بیگانگی اور بے حسی کو ناپسندیدگی سے دیکھ رہی تھی، چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی مشعل کو دیکھنے لگی جو شاید اس کے تیکھے مزاج سے آشنا دکھائی دے رہی تھی جب ہی برا مانے بغیر اس کے جواب کی منتظر کھڑی تھی اس سے رہا نہ گیا اور مجبوراً بول پڑی تھی۔

''ہاں مشعل تم آؤ ناں ہمارے ساتھ تمہیں راستے میں ڈراپ کر دیں گے۔''

''تھینکس۔'' مشعل تشکر آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولی پھر گاڑی کا پچھلا ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔

مشعل کے بیٹھتے ہی اس نے تیز نظروں سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اریج کو گھور کر دیکھا پھر جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا لے گیا۔

تمام راستے وہ بالکل خاموش رہا تھا، جبکہ وہ مشعل سے اس کے متعلق مختلف باتیں کرتی رہی تھی، مشعل سے اس کی یہ دوسری ملاقات تھی، پہلی ملاقات غالباً ہنید کے گھر پر کسی فنکشن پر ہوئی تھی، اس کی باتوں اور رکھ رکھاؤ سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ بہت ملنسار اور خوش مزاج لڑکی ہے دوسروں کا خیال رکھنے والی، مگر پتہ نہیں وہ اس کے ساتھ اتنی رکھائی سے پیش کیوں آ رہا تھا؟ وہ بس سوچ کر رہ گئی تھی۔

تقریباً بیس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد مشعل کا گھر آ چکا تھا، گاڑی سے اترتے وقت اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا شکریہ ادا کیا پھر ڈور بند کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر تھینکس کہا لیکن جواباً اس نے ویلکم تو دور اس کی طرف ایک نظر دیکھنا تک گوارا نہ کیا تھا وہ بدستور ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہا تھا۔

اس کے اس طرح بی ہیو کرنے پر اس نے ایک لمحہ کے لئے اس کی طرف دیکھا جو اخلاق جیسی شے سے کوسوں دور دکھائی دے رہا تھا تب اس نے تشویش سے مشعل کو دیکھا جواب اپنے

گھر کے گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اس نے تاسف سے اسے دیکھا جو بڑے اطمینان سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

''ویسے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس حد تک بے مروت اور بدلحاظ ہو۔'' وہ بغیر تمہید باندھے شروع ہوگئی تھی اسے اس پر بے تحاشا غصہ آرہا تھا جو اپنے کیے پر ذرا بھی نادم نہیں تھا۔

''پلیز اریج اس بارے میں تم کوئی بات نہ ہی کرو تو اچھا ہے۔'' اس نے سختی سے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''وہاٹ یو مین ہنید۔'' وہ حیران ہو رہی تھی اس کے رویے پر جو خود اس معاملے میں بہت کیئرنگ تھا لیکن مشعل کو لے کر پتہ نہیں کیوں اتنا روڈ ہو رہا تھا کہ تمام اخلاقیات کو بھلا بیٹھا تھا۔

''میں اسے ڈراپ کرنا نہیں چاہ رہا تھا مگر تم ہو کہ......''

''تم اسے ڈراپ کرنا کیوں نہیں چاہ رہے تھے ہنید جبکہ وہ تم سے ریکویسٹ کر رہی تھی اس میں حرج ہی کیا تھا آخر؟'' اس کی بات تیزی سے کاٹ کر وہ جرح کرنے والے انداز میں بولی۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو مجھے کیا حرج تھا اسے ڈراپ کرنے میں۔'' جواباً اس کے لہجے میں تندہی آگئی تھی اور چہرے پر ناگواری واضح تھی۔

''ہاں جانتی ہوں، کیونکہ وہ صبور آنٹی کی بھتیجی ہے، اسی لئے ناں، ویسے افسوس ہو رہا ہے مجھے تم پر، میں نہیں جانتی تھی تم اس طرح کسی کے ساتھ بی ہیو کر سکتے ہو وہ بھی کسی لڑکی کے ساتھ، ایم ریئلی شاکڈ۔'' اس نے تاسف سے اسے دیکھ کر کہا پھر ونڈ اسکرین سے باہر دیکھنے لگ گئی۔

''مجھے وہ خود اور ان سے ریلیٹڈ ہر شخص اور ہر شے ناپسند ہے اور ان کو برداشت کرنا میرے لئے قطعاً ناقابل برداشت ہے۔'' چند لمحوں بعد اس کی تلخ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا جس کا چہرہ صبور آنٹی کے ذکر پر تن گیا تھا۔

''مجھے مشعل اسی لئے پسند نہیں ہے کہ وہ ان کی چہیتی بھتیجی ہے جس کو وہ بے تحاشا چاہتی اور پیار کرتی ہیں، تو کیا تم سمجھتی ہو کہ جس نے مجھے تمام زندگی اگنور کیا، مجھے میرے حق سے محروم رکھا میں ان کی پسندیدہ چیزوں یا رشتوں کو سراہوں گا یا ان سے اچھے طریقے سے پیش آؤں گا، یہ بھول ہے ان کی اور تمہاری۔'' وہ زہرخند لہجے میں بول رہا تھا اس نے مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور چپ کر گئی مبادا وہ زیادہ نہ بھڑک جائے۔

وہ بھی باقی تمام راستے خاموش ہی رہا اور اسی خاموشی سے اسے اس کے گھر کے سامنے اتار کر گاڑی آگے بڑھا لے گیا تو وہ کتنی ہی دیر تک وہاں کھڑی اسے سوچتی رہی پھر گیٹ کراس کر کے اندر چلی آئی۔

☆☆☆

''ہیلو اریج! یار تمہیں پتہ ہے ہنید کہاں ہے میں کافی دیر سے اس کا نمبر ٹرائی کر رہا ہوں مگر اس کا سیل آف جا رہا ہے۔''

وہ آج یمینہ کے ساتھ مل کر حرا کی فیورٹ ڈش بنا رہی تھی جب عباد کی کال پر اس نے فون کان سے لگا لیا۔

عباد کچھ پریشان سا لگ رہا تھا اسے بھی تشویش ہوگئی تھی۔

''پتہ نہیں میری تو بس کل رات کو ہی فون پر بات ہوئی تھی آج صبح سے نہ میں نے اسے کال کی ہے اور نہ اس نے۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

''اچھا تم اس کے گھر تو جاؤ اور معلوم کرو وہ گھر پر ہے یا نہیں؟'' عباد نے اسے ہدایت دی۔

''پلیز عباد کیا ہوا ہے سب ٹھیک تو ہے

ناں؟'' عباد کی باتوں نے اسے شدید پریشانی میں مبتلا کر ڈالا تھا۔

''کچھ نہیں یار! وہ اصل میں تمہیں پتہ تو ہے شہر کے حالات کا، ابھی مارکیٹ ایریا کی طرف بلاسٹ ہوا ہے سب سے کانٹیکٹ کر کے خیریت معلوم کی ہے بس ہدید کا نمبر آف جا رہا ہے تو اس لئے تھوڑی پریشانی ہو رہی تھی۔''

تھوڑی نہیں بلکہ بہت زیادہ پریشانی ہو رہی تھی ایسا عباد کے لہجے اور آواز دونوں سے محسوس ہو رہا تھا مگر وہ اس پر ظاہر نہیں کر رہا تھا لیکن وہ معاملے کی سنجیدگی کو بخوبی سمجھ گئی تھی۔

عباد کا فون آف کر کے وہ تیزی سے کچن سے باہر نکلی اور سیدھی اس کے گھر جا پہنچی مگر وہ گھر پر بھی موجود نہیں تھا، ملازمہ کے مطابق وہ صبح سے گھر سے نکلا ہوا تھا اور اب تک گھر نہیں آیا تھا، جبکہ اس وقت شام کے پانچ بج رہے تھے اور عموماً وہ اس ٹائم گھر پر ہی ہوتا تھا، اس نے فون کر کے عباد کو اس کے گھر پر نہ ہونے کے بارے میں بتا دیا تھا۔

''اوکے، میں اور زیاد اس کے کچھ کلاس فیلوز سے کانٹیکٹ کر رہے ہیں تم پریشان مت ہو جیسے ہی اس سے رابطہ ہوتا ہے تمہیں انفارم کر دیں گے، اوکے ٹیک کیئر۔'' عباد نے اسے تسلی دینا چاہی مگر اس کا ذہن مختلف الجھنوں میں گھر کر رہ گیا تھا۔

''اریج پلیز اس طرح مت کرو پریشان ہونے یا فکر کرنے سے کچھ نہیں ہوگا تم اس کے لئے دعا کرو کہ وہ جہاں بھی ہو بالکل خیریت سے ہو۔''

وہ کتنی ہی دیر سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی جب یمینہ کچن سے نکل کر اس کے پاس ہی صوفے پر آ بیٹھی تھی۔

''تم جانتی ہو یمینہ، ہدید میرا سب سے اچھا دوست ہے میرا بیسٹ فرینڈ بہت مخلص اور بہت کیئرنگ، اگر اسے کچھ ہوا ناں تو......''

''ارے پاگل کچھ نہیں ہوگا انشاء اللہ، یہیں کہیں چلا گیا ہوگا آ جائے گا۔'' یمینہ نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور اسے تسلی دینے لگی۔

''لیکن یمینہ آپی ہدید بھائی پھر کہاں گئے ہیں زیاد بھائی اور عباد بھائی تو انہیں ہر جگہ دیکھ کر آ چکے ہیں کیا انہیں ہمارا بالکل احساس نہیں ہے؟'' حرا بہت روہانسی ہو رہی تھی، آخر کو وہ ان کے گھر کے فرد کی سی حیثیت رکھتا تھا اور وہ تھا ہی ایسا جو گھر اور دلوں دونوں میں اپنی جگہ بخوبی بنا لیتا تھا۔

جس وقت اس کی گاڑی گیٹ کراس کر کے گھر میں داخل ہوئی رات کے دس بجے تھے وہ گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے گنگناتا اندر کی جانب بڑھ گیا، ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھتے ہی وہ ان سب کو ایک ساتھ بیٹھے دیکھ کر پل بھر کے لئے اپنی جگہ پر رک گیا تھا پھر مسکراتا ان کی طرف بڑھ گیا۔

''وہاٹ آ پلیزنٹ سرپرائز یار۔'' وہ اپنے گھر پر سب کو دیکھ کر حقیقتاً بہت خوش ہوا تھا۔

وہ جو کب سے اس کے گھر پر بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے اسے دیکھتے ہی سب دل ہی دل میں شکر ادا کرنے لگے جس کے لئے وہ پچھلے چند گھنٹوں سے بری طرح خوار ہو رہے تھے اسے اپنے سامنے صحیح سلامت پا کر سکون کا گہرا سانس اپنے اندر اترتا محسوس کر رہے تھے، کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح ری ایکٹ کریں، چاروں نفوس ٹکٹکی باندھے سپاٹ چہروں کے ساتھ اسے دیکھنے میں مصروف تھے۔

''از ایوری تھنگ آل رائٹ؟'' سب کی

موجودگی میں لاؤنج میں دبیز خاموشی اور چہروں پر انتہا کی حد تک سنجیدگی دیکھ کر وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

''خیریت تو ہے یار تم سب لوگ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو، کیا میں انوائیٹ کر کے بھول گیا ہوں، ویسے جہاں تک میرا خیال ہے تو میں نے تو......''

''کہاں تھا تو؟'' عباد چونکہ غصہ کا قدرے تیز اور جذباتی واقع ہوا تھا لہٰذا زیادہ دیر خود پر قابو نہ رکھ سکا اور کڑے لہجے میں استفسار کرتا ہوا اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تو باقی سب بھی اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے، ان سب کو اتنے سخت تیوروں میں دیکھ کر اب وہ تذبذب کا شکار ہو گیا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ سب اس وقت یہاں وہ بھی ایک ساتھ؟

''جواب دے کیا پوچھ رہا ہوں تجھ سے؟'' عباد ایک بار پھر اس پر چیخا تو سب سوالیہ انداز میں اسے ہی دیکھنے لگ گئے تھے۔

مطلب سب یہی جاننا چاہتے تھے جو عباد پوچھ رہا تھا مگر کیوں؟

وہ باری باری سب کو دیکھ رہا تھا پھر ناسمجھی کے عالم میں بولا۔

''غضنفر کی طرف تھا کچھ کام تھا اس سے۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

''فون کہاں ہے تیرا؟'' عباد نے اسی ٹون میں اگلا سوال کیا۔

''بیٹری ڈیڈ ہے۔'' ٹراؤزرز کی جیب میں سے فون نکالتے ہوئے اس نے کہا۔

''جہاں پچھلے چھ گھنٹوں سے تو بیٹھا تھا وہاں تجھے ایک چارجر بھی نصیب نہیں ہوا تھا چارجنگ کے لئے؟'' عباد فل شروع ہوا تھا باقی سب خاموشی سے اسے دیکھے جا رہے تھے۔

''مجھے خیال نہیں آیا چارجنگ کا۔'' جو سچ تھا اس نے وہی بتا دیا جس پر عباد مزید سیخ پا ہو گیا تھا۔

''ہاں تجھے خیال کیوں آئے گا ہم ہیں ناں خیال رکھنے کے لئے تجھے کب کسی کی پرواہ ہوئی ہے جو تو اب کرے گا۔'' عباد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے بے نقط سنا ڈالے۔

''یار جو بات ہے کھل کر کرو آخر ہوا کیا ہے، اس طرح میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں، کہ تم لوگ ایسے کیوں ری ایکٹ کر رہے ہو؟''

وہ واقعی نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ کیا ہوا ہے جو وہ سب اتنا شدید رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔

''شہر میں بلاسٹ ہوا ہے آج اور تم پتہ نہیں کہاں تھے ہم سب سارا دن تمہیں ڈھونڈتے رہے ہیں اگر تمہارا فون آف نہ ہوتا تو شاید اتنی پریشانی اور تکلیف نہ اٹھانا پڑتی ہم سب کو۔'' انعم چونکہ نرم دل اور ٹھنڈے مزاج کی تھی لہٰذا فوراً بول پڑی مبادا عباد اس پر مزید نہ چڑھ دوڑے۔

انعم کے بتانے پر سارا معاملہ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا، غلطی واقعی اس کی تھی اسے اپنا فون ریچارج کرنا چاہیے تھا اور اتنے ٹائم تک بغیر اطلاع دیئے گٹ آؤٹ رہنا بھی تو مناسب نہیں تھا، اس کی اس لاپرواہی سے ان سب کو بہت شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہو گا اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔

''جتنا مرضی کہہ سن لو اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی ہماری۔''

''ایم سوری یار میری وجہ سے......''

''بند کر اپنی یہ فضول فارمیلٹیز تو جیسا ہے ناں ویسا ہی رہے گا ساری زندگی۔''

''عباد کول یار پلیز۔'' وہ شرمندہ سا دکھائی دے رہا تھا، جب زیاد نے عباد کو مزید کچھ کہنے

سے باز رہنے کا اشارہ کیا مگر اس کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

''کیسے رہوں کول سارا دن اس کے پیچھے خواری میں گزر گیا یار کوئی ہاسپٹل کوئی پولیس اسٹیشن یا کسی دوست کا گھر نہیں چھوڑا جہاں اسے تلاش نہ کیا ہو اور یہ جناب ہیں رات کے دس بجے غضنفر صاحب کی رہائش گاہ سے رہجنا فرما رہے ہیں۔'' عباد بڑے جلے کٹے انداز میں بول رہا تھا اور وہ اپنی غلطی پر سر جھکائے کھڑا تھا۔

''اپنا فون دکھاؤ۔'' عباد ابھی چپ ہی ہوا تھا جب وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، آج گویا مکمل کلاس لگی تھی، نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے اس نے اپنا سیل اس کی طرف بڑھا دیا، جسے اس نے پوری طاقت سے زمین پر اس طرح دے مارا کہ وہ کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر اِدھر اُدھر بکھر گیا، غصے سے بھرپور نظر اس پر ڈالی پھر تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

''چلتے ہیں۔''

اپنا فون سنٹرل ٹیبل پر سے اٹھاتے ہوئے عباد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا پھر انعم اور زیاد کو چلنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا تو وہ دونوں بھی اس کی تقلید کرنے لگے۔

''ایسے مت جاؤ یار پلیز میں بہت شرمندہ ہوں میں تم سب سے سوری کرتا ہوں پلیز۔'' انہیں یوں ناراض جاتے دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا تھا سو فوراً معذرت کر ڈالی تھی مگر عباد دروازہ کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا جب وہ اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''پلیز یار غصہ چھوڑ دو میں مانتا ہوں ناں، مجھ سے غلطی ہوئی ہے، آؤ چائے کافی کچھ تو پی کر جاؤ میرا اچھا دوست نہیں ہے کیا؟'' عباد کو زور سے اپنے گلے لگاتے ہوئے اس نے منانے والے انداز میں کہا، مگر عباد ٹس سے مس نہ ہوا۔

''چھوڑ یار پلیز۔'' عباد نے اسے دونوں ہاتھوں کی مدد سے پرے ہٹانا چاہا مگر وہ اسے اپنے دونوں بازوؤں میں اتنی زور سے جکڑ کر کھڑا تھا کہ اسے الگ کرنا محال ہی تھا۔

''جب تک تم اپنی ناراضگی ختم نہیں کرتے اور مجھ سے ہنس کر بات نہیں کرتے میں بالکل نہیں چھوڑوں گا۔'' اس نے عباد کی پشت پر کھڑے زیاد اور انعم کو اپنی حمایت میں بولنے کا اشارہ کیا۔

''چلو عباد جو ہوا اسے ختم کر دو وہ سوری کر رہا ہے ناں، اب مان جاؤ۔'' زیاد نے عباد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ قدرے نرم پڑ گیا تھا اور پھر خود اس کے گلے لگ گیا تھا۔

''ہید پلیز یار چائے کافی کچھ مت پلانا، ہم نے دوپہر سے کچھ نہیں کھایا قسم سے بہت بھوک لگی ہے کھانا کھلا دو۔'' وہ زیاد کے گلے لگا تو اس نے فوراً دہائی دے ڈالی۔

''آف کورس میرے یار۔'' وہ مسکرا کر کہتا ہوا انعم کی طرف پلٹ گیا۔

''سوری انعم یار میں بہت شرمندہ ہوں کہ رات کے اس وقت تم یہاں میری وجہ سے ایم رئیلی سوری۔'' انعم سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے نہایت معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

''کوئی بات نہیں دوستوں میں یہ سب چلتا ہے کیونکہ دوست کے لئے پریشان ہونا تو دوست کا حق ہوتا ہے، آفٹر آل وی آر بیسٹ فرینڈز ناں۔'' انعم نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے مسکرا کر کہا تو جواباً وہ بھی مسکرا دیا۔

''تھینکس انعم یو آر ریچ آ گڈ فرینڈ کاش باقی دوست بھی تمہاری طرح کھلے دل کے ہوتے تو......'' اس نے عباد کی طرف دیکھتے ہوئے معنی

خیز انداز میں فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تو عباد اسے گھور کر دیکھنے لگا اور پھر یکدم سب کا قہقہہ چھوٹ پڑا تھا۔

ماحول یک لخت خوشگوار ہو گیا تھا، تھوڑی دیر پہلے والی ساری کلفت دور ہو گئی تھی، وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر بس مسکرائے جا رہے تھے۔

''تم لوگ بیٹھو میں کھانا لگواتا ہوں۔'' کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''کھانا لگوانے کے سے اریج کو تو منا لاؤ، اس کے بغیر ہم کھانا کیسے کھائیں گے؟'' زیاد نے اپنے تئیں اسے یاد دلایا۔

''ہاں یار، مجھے یاد ہے مگر ہمت نہیں ہو رہی کیونکہ اسے منانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے میرے لئے، اینی ویز میں ٹرائی کرتا ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ لاؤنج سے باہر نکل گیا اور دو منٹ بعد ہی وہ اس کے گھر پر موجود تھا۔

یمینہ اور حرا سے مل کر وہ سیدھا اس کے کمرے کی طرف چل پڑا جو اسے دیکھتے ہی غصے سے کمرہ لاک کر کے بند ہو چکی تھی۔

''اریج پلیز اوپن دا ڈور، میری بات تو سنو یار۔'' دروازہ ناک کرتے ہوئے اس نے التجائیہ انداز میں کہا مگر دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔

''اریج دروازہ تو کھولو یار، میں مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی تھی اور آئی سوئیر آئندہ ایسا کچھ نہیں ہو گا بلیو می پلیز۔''

''مجھے تمہاری کسی بات پر یقین نہیں ہے اس لئے تم جا سکتے ہو یہاں سے اور مائنڈ اٹ میں دروازہ کھولوں گی نہ تم سے کوئی بات کروں گی۔'' وہ تیز آواز میں قطعی انداز میں بولی۔

''اوکے یار تم بات مت کرنا مگر دروازہ تو کھول دو اور میرے گھر چلو سب کھانے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں اریج پلیز مان جاؤ ناں۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولا۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں اس لئے مجھے منانے کی کوشش بھی مت کرو اور مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا، بہتر ہے یہاں سے چلے جاؤ اور دوبارہ کبھی مت آنا۔'' وہ بدستور غصے میں تھی چند لمحوں کے لئے وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا پھر پلٹ کر اس طرح سیڑھیاں اترا کہ اس کے قدموں کی آواز اس کے کانوں تک با آسانی پہنچ گئی تھی، یقیناً وہ جا چکا تھا، سوچتی ہوئی وہ کمرے سے باہر نکل آئی تو وہ دھم سے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا، اچانک اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ ٹھٹک سی گئی۔

''تم...... تم گئے نہیں۔'' اس نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں گیا کیونکہ تمہیں ساتھ لئے بغیر نہیں جاؤں گا۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ سیڑھیاں اترنے لگا۔

''ہنید میں نے کہا ناں میں کہیں نہیں جاؤں گی اور اگر تم نے زبردستی کی تو بالکل اچھا نہیں ہو گا۔'' وہ دھمکی آمیز انداز میں بولی۔

''سوری اریج، قسم سے مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ میری اتنی سی لاپرواہی سے تم لوگ اس سچویشن سے گزرو گے معاف کر دو ناں یار، بائے گاڈ آئندہ ایسی کوئی غلطی سرزد نہیں ہو گی اگر ہوئی تو پھر مجھے معاف مت کرنا۔'' اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس نے یقین دلاتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

''اور اگر تم نے آئندہ......''

''نہیں یار کبھی نہیں، اب چلو ناں پلیز، کھانا لگ گیا ہو گا اور سب ہمارے انتظار میں بیٹھے ہوں گے، کم آن۔'' اسے نیم رضامند دیکھ کر اس کی پوری بات سنے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ تیزی

سے لاؤنج سے ہوتا گیٹ کراس کر گیا۔

جس وقت وہ کچھ نیچے سب ڈائننگ ٹیبل پر ان کے انتظار میں بیٹھے تھے جبکہ کھانا بھرپور طریقے سے ٹیبل پر سجا ہوا تھا۔

''تھینکس ارتج تم آ گئیں ورنہ تمہارے بغیر کھانا کھانے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں تھا۔'' اسے آتا دیکھ کر انعم نے خوشدلی سے کہا تو وہ اس کے پاس رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔

ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے کھانا خاصے خوشگوار موڈ میں اس طرح کھایا جا رہا تھا کہ تمام دن کی ساری تھکاوٹ دور ہو گئی تھی۔

''یار پلیز تم سب لوگ آ جایا کرو اسی طرح، سرپرائز ہو جایا کرے گا۔''

کھانا کے بعد اب وہ سب لاؤنج میں بیٹھے چائے سے لطف اٹھا رہے تھے جب اس نے کھلے دل سے آفر کرتے ہوئے باری باری سب کی طرف دیکھ کر کہا پھر انہیں اپنی جانب عجیب سے انداز میں دیکھتا پا کر وہ سوالیہ انداز میں سب کو دیکھنے لگا، اس نے کوئی انہونی بات تو نہیں کی تھی پھر......؟

''آئی مین کبھی کبھار گیٹ ٹو گیدر ہونی چاہیے۔'' ان کے گھورنے کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا جبھی فوراً اپنی بات کی تصحیح کر ڈالی تھی۔

وہ اب خاموشی سے چائے پینے میں مصروف ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ سب جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''آؤ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔'' وہ جیسے ہی گیٹ سے باہر نکلی وہ اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگ گیا۔

وہ جانتی تھی اتنی رات کو وہ اسے کبھی بھی اکیلا جانے نہیں دے گا اور وہ لاکھ اسے منع کر لے وہ ہرگز نہیں رکے گا، اس لئے بس چپ ہی رہی۔

''ارتج میری ملاقات حسیب سے ہوئی تھی آج۔'' اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے کہا۔

''تو؟'' اس نے پوچھا۔

''تو یہ کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے اور تم میں بہت زیادہ انٹرسٹڈ ہے، اگر تم کہو تو میں انکل سے بات کروں؟'' اس نے استفساریہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''پلیز ہنید تم ابھی کوئی بات مت کرو، پاپا تو ویسے ہی یہ چاہتے ہیں کہ جلدی سے میری کہیں انگیج منٹ ہو جائے مگر میں ابھی ایسا کچھ نہیں چاہتی۔'' وہ سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔

''کیوں تم کیوں نہیں چاہتیں ابھی؟'' وہ رک کر اس سے پوچھنے لگا۔

''پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور ایسے میں اگر وہ میری شادی کر دیتے ہیں تو انہیں کون سنبھالے گا، حرا تو بہت چھوٹی ہے وہ پاپا کی صحیح طرح دیکھ بھال نہیں کر سکتی وہ بہت جلدی گھبرا جاتی ہے، بس میں ابھی اس بارے میں کچھ نہیں سوچ سکتی۔''

پاپا کے لئے ڈھیر سارے تفکرات تھے جو اس وقت اس کے چہرے پر با آسانی دیکھے جا سکتے تھے۔

''لیکن میں نے محسوس کیا ہے انکل کی باتوں سے کہ وہ تمہیں لے کر کچھ اپ سیٹ سے رہتے ہیں اس لئے ان کی خواہش ہے کہ جلد سے جلد تم کہیں سیٹل ہو جاؤ تاکہ......''

''نہیں ہنید پاپا کچھ بھی کہیں میں ابھی پاپا کو اس طرح نہیں چھوڑ سکتی۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ حتمی انداز میں بولی تو اس نے مزید بات کرنا مناسب نہ سمجھا اور خاموش ہو گیا۔

☆☆☆

''ننھید مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔''
ناشتے کی ٹیبل پر ماما نے اسے مخاطب کیا مگر وہ انہیں مکمل نظرانداز کیے ناشتہ کرنے میں مگن رہا۔
''میں چاہ رہی تھی کہ تمہاری اسٹڈیز کمپلیٹ ہونے والی ہے تو تم ایگزامز کے بعد آفس جوائن کرلو اور بزنس میں میری ہیلپ کرادو تو میرا بوجھ کچھ کم ہو جائے گا اور تمہیں بھی بزنس کی سمجھ آ جائے گی۔'' وہ بہت سنبھل سنبھل کر اس سے بات کر رہی تھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کسی لفظ کی پکڑ میں وہ انہیں ضربیں لگانا نہ شروع کر دے۔
''اوہ تو آپ کو یہ بزنس اب بوجھ لگنے لگا ہے، میرا جہاں تک خیال ہے بزنس ہی آپ کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھا، جس کو پا کر آپ خود کو دنیا کی سب سے خوش قسمت ترین عورت تصور کرنے لگی تھیں، ہے ناں؟'' اس کا زہر میں ڈوبا لہجہ اور الفاظ ان پر گویا نشتر کی طرح برس رہے تھے، مگر وہ پھر بھی خاموش تھیں۔
''آپ کا بزنس آپ کو مبارک ہو، مجھے نہ تو دولت کا لالچ ہے اور نہ بڑا آدمی بننے کی کوئی خواہش، میں پریکٹیکل لائف اپنی مرضی سے چنوں گا آپ کی منشاء کے مطابق نہیں، صفیہ، صفیہ۔'' کڑوے لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے اس نے ملازمہ کو آوازیں دے ڈالیں۔
''جی صاحب جی۔'' صفیہ مودبانہ انداز میں آ کھڑی ہوئی تھی۔
''میں کمرے میں ہوں ایک کپ چائے کا بنا دو۔'' پلیٹ میں موجود بریڈ کا آخری ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے اس نے صفیہ کو کہا پھر جانے کے لئے کھڑا ہو ہی رہا تھا کہ ان کی آواز پر وہیں رک گیا۔
''شزاء کے پیرنٹس نے مجھ سے بات کی تھی تمہارے اور شزاء کے رشتے کے بارے میں کہ اگر تم سیریس ہو تو بات کو آگے بڑھا لیں۔''
وہ کبھی کبھی تو ان کے ہاتھ آتا تھا ورنہ وہ زیادہ تر اپنی ہی ایکٹیوٹیز میں مصروف رہتا تھا اور وہ بھی آفس کے کاموں میں بری طرح پھنسی ہوئی تھیں، کبھی سامنا ہو بھی جاتا تو وہ ان کے سامنے ٹھہرتا ہی نہیں تھا اتنے دنوں بعد آج وہ انہیں ناشتے کی میز پر نظر آیا تو موقع غنیمت جانتے ہوئے اس سے بات کرنے لگ گئی تھیں۔
ان کی بات سن کر وہ لاتعلق بنا بیٹھا تھا۔
''کیا خیال ہے تمہارا شزاء کے بارے میں؟'' تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد انہوں نے دوبارہ پوچھا۔
''میں نے ابھی اس بارے میں کچھ نہیں سوچا۔'' چیئر کھسکا کر کھڑے ہوتے ہوئے اس نے جواب دیا۔
''تو سوچ لو بیٹا! شزاء اچھی لڑکی ہے اور مجھے بھی بہت پسند ہے اگر تم کہو تو میں......'' ان کی بات سن کر وہ تیزی سے ان کی طرف پلٹ گیا۔
''شزاء واقعی بہت اچھی لڑکی ہے لیکن میں اس سے شادی ہرگز نہیں کروں گا کیونکہ میں پاپا کی طرح آپ کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بننا کبھی پسند نہیں کروں گا کہ جو آپ نے کہا وہ میں نے کرلیا، شزاء آپ کو پسند ہے اس لئے وہ آج سے مجھے ناپسند ہے۔'' دھیمے مگر کاٹ دار لہجے میں بات مکمل کر کے وہ لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی طرف چل پڑا جبکہ وہ بھربھری مٹی کی طرح بیٹھتی چلی گئی تھیں، ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور چہرے کرب نمایاں تھا، آخر کو وہ کب تک اس کی نفرت کو اپنے اندر اتارتی رہیں گی آخر کب تک؟
وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھیں، مگر دل کا

غبار کسی طور کم نہ ہو رہا تھا بالآخر خود کو بمشکل سنبھالتیں وہ وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور آنسوؤں سے تر چہرہ ہاتھوں کی مدد سے صاف کرتیں باہر نکل گئیں جہاں مستعد ڈرائیور انہی کا انتظار کر رہا تھا، وہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئیں، ان کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھالی۔

عین اسی وقت وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی اور بلاارادہ اس کی نظر صبور آنٹی کے چہرے پر جا پڑی تھی جو بالکل ستا ہوا تھا وہ کچھ سوچتی ہوئی اس کے کمرے میں جا پہنچی جہاں وہ پیپرز کی تیاری کرنے میں مصروف تھا اسے دیکھتے ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا پھر اس کے استفسار پر اس نے صبور آنٹی سے ہونے والی تمام باتیں اس کے گوش گزار کردیں۔

''وہاٹ یہ تم نے کیا کیا ہنید، تم نے شزاء جیسی لڑکی کے لئے انکار کردیا وہ بھی اپنی اناء کی تسکین کی خاطر ناں تاکہ تم صبور آنٹی کو تکلیف دے سکو، اوہ مائی گاڈ۔'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

''تمہیں تو پتہ ہے ناں میں ان کی پسند کو نہیں اپنا سکتا، اسے میری مجبوری ہی سمجھ لو۔'' وہ بڑی بے رحمی سے کہہ رہا تھا اور وہ بڑے تاسف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اور اگر شزاء کے بارے میں صبور آنٹی اپنی پسند ظاہر نہ کرتیں تو کیا تم شزاء کو اپنا لیتے؟'' اس کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ہاں شاید میں ایسا ہی کرتا۔'' وہ بڑے آرام سے سب کچھ کہہ رہا تھا۔

''تم نے بہت غلط کیا ہے ہنید اگر ہو سکے تو پلیز ایک بار ضرور اس بارے میں ٹھنڈے دماغ سے سوچ لینا۔'' اس کی سوچ پر اسے حیرانی کے ساتھ نہایت افسوس بھی ہو رہا تھا جو نادانی میں اپنا اور شزاء کا بہت بڑا نقصان کرنے جا رہا تھا۔

وہ بس اسے سمجھا ہی سکتی تھی مجبور نہیں کرسکتی تھی سو اس سے جتنا ہو سکا اس نے اگلے کئی روز تک اسے اپنے طور پر سمجھایا مگر وہ اس بارے میں اس سے کوئی بات نہ تو کرتا تھا نہ اسے کرنے دیتا تھا آخرکار اسے بھی خاموش ہونا پڑا تھا۔

☆☆☆

''آپی، آپی جلدی آئیں دیکھیں پاپا کو کیا ہوا ہے؟'' وہ سٹنگ روم میں بیٹھی لیپ ٹاپ پر کچھ اسائمنٹس تیار کر رہی تھی جب حرا کی گھرائی ہوئی آواز پر وہ تقریباً دوڑتی ہوئی پاپا کے کمرے کی طرف لپکی۔

حرا سہمی سی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی اور مسلسل روئے جا رہی تھی، وہ اسے نظر انداز کرکے پاپا کی طرف بڑھی جو بیڈ پر بے ہوشی کے عالم میں آڑے ترچھے لیٹے ہوئے تھے۔

''پاپا، پاپا۔'' اس نے کپکپاتی آواز کے ساتھ انہیں کئی بار پکارا مگر وہ بالکل بے سدھ تھے لمحہ بھر کے لئے اس کا دماغ بالکل سن سا ہو کر رہ گیا تھا اسے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، کیسے انہیں ہوش میں لائے؟ تب اگلے ہی لمحہ اس نے ہاتھ میں پکڑے فون سے ہنید کا نمبر ڈائل کیا اور فون کان سے لگالیا۔

''ہیلو ہنید، پاپا کی طبیعت بہت خراب ہے تم پلیز جلدی سے آجاؤ۔'' اس کی آواز سنتے ہی اس کا گلا رندھ سا گیا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر آئی تھیں، بمشکل خود پہ کنٹرول کرتی پاپا کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی۔

اس کا فون بند ہونے کے ٹھیک دو منٹ بعد ہی وہ اس کے پاس تھا۔

وہاں پہنچنے تک وہ ایمبولینس کو بھی کال کر چکا تھا اگلے پانچ منٹ تک ایمبولینس بھی آ چکی

تھی، اس کا ضبط بھی جواب دے گیا تھا وہ حرا کو ساتھ لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

''اریج، حرا پلیز حوصلہ کرو، کچھ نہیں ہوگا انکل کو، ڈاکٹر ٹریٹمنٹ دے رہے ہیں انشاء اللہ سب بہتر ہوگا۔''

آئی سی یو کے باہر کوریڈور میں وہ مسلسل اِدھر سے اُدھر اضطراب کے عالم میں چہل قدمی کرتے ہوئے ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

تھوڑی دیر بعد زیاد، انعم اور عباد بھی ہاسپٹل پہنچ چکے تھے انہیں غالباً ہدید نے ہی انفارم کیا تھا۔

''بی بریو اریج تم دیکھنا انکل بالکل ٹھیک ہو جائیں گے تم بس دعا کرو۔'' زیاد نے تسلی آمیز انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو اس کی آنکھیں مزید پانیوں سے بھر گئی تھیں، انعم حرا کو بمشکل سنبھالے ہوئے تھی۔

''کیا کہا ڈاکٹر نے؟'' وہ اور عباد ابھی ابھی ڈاکٹر سے مل کر آئے تھے جب زیاد نے نہایت آہستہ آواز میں پوچھا۔

''ہارٹ اٹیک تھا مگر اب کنڈیشن کچھ سنبھل رہی ہے اگلے کچھ دنوں تک انہیں ہاسپٹل میں ہی رکھنا ضروری ہے۔'' اس نے بہت احتیاط کے ساتھ دھیمی آواز میں بتایا مگر اس کے کان تو اسی کی بات پر لگے تھے لہٰذا وہ سن چکی تھی اور ایک بار پھر چہرہ ہاتھوں میں لے کر حوصلہ چھوڑ بیٹھی تھی۔

''اریج پلیز ریلیکس دیکھو تم ایسے روؤ گی تو حرا کو کون سنبھالے گا وہ تو ویسے ہی بہت چھوٹے دل کی ہے۔'' انعم نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پیار سے سمجھایا تو وہ بمشکل خود کو سنبھالتی سیدھی ہو بیٹھی اور دونوں ہاتھوں سے آنکھیں رگڑ کر صاف کر کے یمینہ کو فون کر کے پاپا کی طبیعت بتانے لگی جو دو دن پہلے لاہور واپس چلی گئی تھی۔

اس وقت رات کا ایک بجا تھا ڈاکٹرز مسلسل پاپا کو ٹریٹمنٹ دے رہے تھے، وہ سب اس وقت کاریڈور میں رکھے بینچز پر بیٹھے تھے۔

اس نے ایک نظر سب پر ڈالی حرا، انعم کے کندھے پر سر رکھے نیم غنودگی میں تھی، عباد اور زیاد بنچ پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں غرق تھے جبکہ ہدید اضطراری کیفیت میں کبھی بنچ پر بیٹھتا تو کبھی اٹھ کھڑا ہوتا، سب کے چہروں پر تشویش نمایاں تھی، وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

اگلے کئی دنوں تک جب تک پاپا کو ڈسچارج نہیں کر دیا گیا وہ سب باقاعدگی سے ہاسپٹل میں اس کے پاس ہی رہے تھے جبکہ وہ تو ایک لمحہ کے لئے بھی وہاں سے ہلا نہیں تھا۔

وہ سب انہیں لے کر گھر پہنچے اور بڑے آرام سے انہیں بیڈ پر لٹا دیا، انہیں بہت کمزوری محسوس ہو رہی تھی، جس کے باعث چہرہ مرجھا سا گیا تھا، اپنے لئے ان کے اترے اترے چہروں کو دیکھ کر وہ بمشکل مسکرا دیئے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے مگر وہ جلد ہی تھک گئے تھے۔

وہ خاموشی سے اٹھی اور رحیماں کو پاپا کے لئے سوپ اور باقی سب کے لئے چائے بنانے کا کہنے کچن میں چلی آئی۔

''شکر ہے بی بی جی صاحب خیریت سے گھر آ گئے ہیں، ان کے بغیر تو گھر سے جیسے رونق ہی ختم ہو گئی تھی جی، سچ کہتے ہیں گھر کے بڑوں سے ہی گھر اچھا لگتا ہے۔'' رحیماں بہت پرانی ملازمہ تھی اسی لئے اس کی اس گھر سے اور گھر والوں سے دلی وابستگی فطری تھی۔

رحیماں کی بات سن کر اس نے تشکر آمیز انداز میں آسمان کی طرف دیکھا پھر خاموشی سے باہر نکل آئی۔

چائے پینے کے بعد پاپا کے کہنے پر سب آرام کی غرض سے اپنے گھروں کو روانہ ہونے لگے۔

''تم نہیں چلو گے؟'' انعم نے پوچھا۔

''نہیں یار میں ابھی یہیں ہوں۔''

''اوکے ہم شام کو دوبارہ چکر لگائیں گے۔'' زیاد نے کہا پھر وہ جانے کے لئے گیٹ کی طرف بڑھے تو وہ انہیں چھوڑنے گیٹ تک آئی پھر حرا کو زبردستی کمرے میں سلا کر باہر نکل آئی اور وہیں لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''اریج، اریج۔'' وہ غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے سر صوفے کی پشت پر گرائے غائب دماغی سے بیٹھی تھی جب اس کی آواز پر اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''انکل سو گئے ہیں جب تک وہ اٹھتے ہیں تم بھی کچھ آرام کر لو۔'' نیند کی کمی اور تھکاوٹ کے باعث اس کی آنکھیں سوجی سوجی سی تھیں۔

''نہیں میں ٹھیک ہوں اگر پاپا اٹھ گئے اور انہیں کسی چیز کی ضرورت پڑی تو......''

''تم ان کی فکر مت کرو میں ان کے پاس ان کے کمرے میں ہوں تب تک تم آرام کر لو، تم ٹھیک رہو گی تو ان کا خیال رکھ سکوں گی ناں، جاؤ جا کر سو جاؤ اور ان کی طرف سے بے فکر رہو۔'' اس نے نرمی سے اسے کہا۔

''لیکن تم بھی تو تھک گئے ہو گے ناں، اتنے دنوں سے ہاسپٹل میں ہی تھے۔'' وہ بہت تھکا تھکا اور خود سے لاپرواہ سا لگ رہا تھا۔

''تم میری فکر مت کرو میں بالکل ٹھیک ہوں انکل جب تک سو رہے ہیں تم بھی ریسٹ کر لو وہ اٹھ جائیں گے تو میں چلا جاؤں گا پھر تم انہیں دیکھ لینا۔'' اس کے کہنے پر اسے اٹھنا ہی پڑا تھا، وہ پژمردہ قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ ایسا ہی تھا جتنا اپنے آپ کے بارے میں لاپرواہ تھا، آٹھ سال پہلے جب پاپا کو پیرالائز اٹیک ہوا تو اسے لگا جیسے سب کچھ ختم ہو گیا ہے ان کے پاس کچھ نہیں بچا لیکن اس وقت جس طرح ہدید اور صبور آنٹی نے انہیں سپورٹ کیا وہ کسی نعمت سے کم نہ تھا، پاپا کا بیک گراؤنڈ چونکہ بہت سٹرونگ تھا اور وہ خود بھی بہت بڑے بزنس مین تھے لہٰذا فنانشلی پرابلمز تو انہیں کبھی فیس کرنا نہیں پڑے مگر......مگر گھر میں کسی مضبوط سہارے کی کمی ضرور محسوس ہونے لگی تھی جس کو ہدید نے غیر محسوس طریقے سے پوری کرنا شروع کی تو گویا تمام کمی پوری ہو گئی تھی اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہدید نے جس طرح ان سب کا ساتھ دیا وہ واقعی قابل تحسین تھا۔

یمینہ کا رشتہ تو پاپا نے بہت پہلے ہی اپنے کزن کے بیٹے راحیل بھائی سے طے کر دیا تھا مگر یمینہ کی اسٹڈیز کے باعث شادی چند سال بعد ہونا قرار پائی تھی لیکن پاپا کے پیرالائز ہو جانے کے بعد کافی عرصے تک دونوں جانب خاموشی چھا گئی تھی جس کو ہدید کے بے جا اصرار نے توڑ ڈالا تھا اس نے پاپا کو مجبور کیا کہ وہ ان لوگوں سے ڈیٹ فکس کرنے کی بات کریں پاپا جو جسمانی طور پر کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ قوت ارادی کھو رہے تھے اس کے اعتماد نے انہیں بہت حوصلہ دیا اور یوں پاپا نے محض ایک ہفتہ میں ان سے تمام معاملات طے کر ڈالے، پھر چار مہینے بعد یمینہ آپی کی شادی طے پا گئی تھی اور اس نے دیکھا پاپا پہلے کی نسبت اب کچھ زیادہ ہی پریشان رہنے لگے تھے، ڈیٹ تو فکس ہو گئی تھی مگر تمام انتظامات کی دیکھ بھال انہیں متوحش کر رہی تھی تب وہی تھا جو ان کا بازو بن گیا تھا اور انہیں ہر فکر سے آزاد

کرتا چلا گیا تھا۔
یمینہ کی رخصتی کے بعد پاپا نے اسے اپنے سینے سے لگایا تو خود پر قابو نہ رکھ سکے اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔
''میرا اگر کوئی بیٹا ہوتا تو وہ بالکل تم جیسا ہوتا، حساس اور خیال رکھنے والا، تم نے تو بیٹے کی کمی پوری کر دی، اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے، آباد رکھے۔'' اور وہ بس مسکراتا چلا گیا تھا۔
وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ان سب کی ایک اہم ضرورت بنتا چلا گیا تھا اور اس نے کبھی بھی انہیں اکیلا نہیں چھوڑا تھا نہ چھوڑ سکتا تھا۔
وہ آہستگی سے چلتی ہوئی اپنے بیڈ کی طرف بڑھ گئی، بے تحاشا تھکاوٹ کے باعث لیٹتے ہی نیند نے اسے آلیا۔

☆☆☆

جس وقت اس نے پورے زور سے آفس کے دروازے کو جھٹکے سے دھکیلا اس کا دماغ غصے سے بری طرح کھول رہا تھا کشادہ پیشانی پر رگیں ابھری جا رہی تھیں، لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ ان کے بالکل سامنے جا کھڑا ہوا جو اچانک ہونے والے اس حملے پر بوکھلا کر اس کے تنے چہرے اور سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھنے لگیں، بولنے کی طاقت گویا ختم ہو گئی تھی کتنی ہی دیر تک وہ گنگ بنی اسے دیکھتی رہیں جب وہ دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھے، ان کی طرف قدرے جھکتے ہوئے بے خوفی سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے زہر اگلنے لگا۔
''جو کچھ آپ کرنے کا سوچ رہی ہیں ناں اگر ویسا کیا تو یاد رکھیے گا میں آپ کو پوری دنیا کے سامنے لا کھڑا کروں گا۔'' اس کا انداز نہایت ہتک آمیز تھا، اس کے طرز تخاطب اور انداز پر وہ شدید حیرت میں مبتلا اس کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔
''جس شخص کے نام کی بیوہ ہونے پر بھی آپ کو فخر ہونا چاہیے تھا اس کا نام اپنے نام کے آگے سے ہٹا کر کسی دوسرے آدمی کا نام لگانے کا سوچتے ہوئے ذرا خیال نہیں آیا آپ کو، جس کی بدولت آپ نے من پسند روز و شب گزارے من چاہی زندگی گزاری، کیا اب بھی آپ کو کوئی حسرت باقی رہ گئی تھی یا کوئی نئی خواہش آپ کے اندر جنم لے رہی تھی جو یہ معرکہ سرانجام دینا چاہتی ہیں، رضوانی کو تو میں دیکھ لوں گا لیکن چھوڑوں گا آپ کو بھی نہیں، یاد رکھیے گا۔'' اس کا انداز دھمکی آمیز تھا۔
''تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو ہنید ایسا کچھ نہیں ہے میرا یقین کرو۔'' اپنی صفائی میں چند الفاظ بولنے کے لئے انہیں اپنی تمام ہمتوں کو جمع کرنا پڑا تھا مگر وہ سنی ان سنی کرتا اسی آندھی طوفان کی مانند آفس سے باہر نکل گیا جس طرح داخل ہوا تھا۔
غم و غصے سے کانپتے وجود کو بمشکل سنبھالے وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا اور ایکسلیٹر پر پاؤں رکھا تو اٹھانا بھول گیا تھا۔
اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ اپنے اندر اٹھتے جوار بھاٹے کو کہاں نکالے کہ اسے سکون آ جائے اندر باہر لگنے والی آگ سے ہر ایک کو جلا ڈالے جس میں وہ اکیلا ہی جل رہا تھا۔
کاش وہ اس عورت کو سبق سکھا سکتا جس کو قدرت نے اس کی ماں کی جگہ پر لا کھڑا کیا تھا جس سے اس کے ہر لمحہ ہر پل محبت کی طلب کی تھی ممتا کی طلب کی تھی مگر وہ اسے میسر نہ تھی اور آج اسی کی وجہ سے وہ اس قدر اکیلا اور تنہا ہو گیا

تھا کہ محبت کا لمس ہی بھول گیا تھا نہ کسی کی محبت سمجھ آتی تھی نہ محبت کرنے آتی تھی۔

دو گھنٹے تک سڑکوں پر ریش ڈرائیونگ کرنے کے بعد نجانے کس طرح وہ گھر پہنچا تھا، اس کی ذہنی کیفیت نہایت ابتر تھی، وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا اور طیش کے مارے پورے کمرے کا تہس نہس کر ڈالا مگر اس کے اندر کا غبار کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا، شدید ذہنی دباؤ کے باعث اس کا سر پھٹنے لگا تھا وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے صوفے پر بیٹھتا چلا گیا، اسے اپنا آپ بہت بے معنی اور غیر اہم لوگ رہا تھا جس کے ہونے یا نہ ہونے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا ایک حقیر سا ذرہ جو ہوا میں معلق ہوتا یا زمین پر روندا جاتا اس کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔

وہ ساری زندگی اکیلا رہا اور اب ایک بار پھر وہ اسے تنہا کرنے جا رہی تھیں، مگر وہ انہیں ان کے کسی بھی فعل سے نہ روک سکتا تھا اور نہ ایسا کوئی اختیار رکھتا تھا۔

پتہ نہیں وہ کیا چاہ رہا تھا وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

سن ہوتے دماغ کے ساتھ وہ نجانے کتنی دیر تک ایک ہی جگہ پر بیٹھا رہا تھا کہ کمرہ اندھیرے سے بھر گیا تھا، شام مکمل طور پر ڈھل چکی تھی۔

وہ جس وقت اس کے کمرے میں داخل ہوئی کمرہ میں صرف اندھیرا تھا اس نے بائیں ہاتھ کی جانب دیوار پر لگے الیکٹرک بورڈ پر موجود تمام بٹنز آن کر دیئے تو کمرہ یکدم روشن ہو گیا تھا، روشنی ہوتے ہی اس کی نظر اس پر جا پڑی جو صوفے کے پاس کارپٹ پر بے ترتیب پڑا تھا، وہ برق رفتاری سے اس کی طرف لپکی۔

''ہنید!'' بخار کی شدت سے اس کا پورا جسم آگ کی مانند جل رہا تھا، نیم بے ہوشی کے عالم میں وہ بری طرح کراہ رہا تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو سیدھا کیا اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگی۔

''ہنید، ہنید آنکھیں کھولو پلیز۔'' اس کا دماغ اپنے نام کی مسلسل گردان پر آنکھیں کھولنے پر مجبور کر رہا تھا مگر درد سے پھٹتے سر اور کھلتی بند ہوتی بوجھل آنکھوں کے باعث وہ زیادہ دیر تک نہایت پریشانی سے اپنے اوپر جھکی اریج کو دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

''اٹھو ہنید پلیز۔'' اسے اس کنڈیشن میں دیکھ کر وہ روہانسی ہو رہی تھی، وہ بھی اسے کہاں پریشان دیکھ سکتا تھا سو اٹھنے کی کوشش کرنے لگا مگر اس سے تو ہلنا بھی دشوار ہو رہا تھا تب ہی اسے اپنے پر حدت چہرے پر اس کی آنکھوں سے گرا آنسو کا نرم قطرہ محسوس ہوا اس نے ایک بار پھر آنکھیں کھول کر اسے دیکھنا چاہا مگر وہ ہلنے کے باوجود آنکھیں کھول نہیں پا رہا تھا۔

کپکپاتا ہوا اس کا نرم ہاتھ اس کے چہرے کے بائیں طرف رکھا مسلسل تھپتھپا رہا تھا، صاف واضح تھا کہ وہ نہایت پریشانی اور تشویش کی حالت میں اسے ہوش میں لانے کی سعی کر رہی تھی تب ہی اس نے پانی کا گلاس اس کے جلتے ہونٹوں سے لگایا تو وہ محض ایک گھونٹ ہی اپنے اندر اتار سکا تھا۔

''آر یو او کے ہنید، ہنید مجھ سے بات کرو کیا ہوا ہے تمہیں؟ ایسے مت کرو پلیز، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے تم اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔'' اس نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے بازو پر رکھتے ہوئے التجائیہ انداز میں کہا جبکہ آنکھوں سے آنسو مسلسل رواں تھے۔

پتہ نہیں کیوں اس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا پوری آنکھیں کھول کر اسے اپنے ٹھیک ہونے کا

عندیہ دینا چاہ رہا تھا اس کی پریشانی پر مسکرا کر اسے ''پاگل'' کہنا چاہ رہا تھا مگر کچھ بھی کہا نہیں جا رہا تھا یا وہ کہنا نہیں چاہ رہا تھا، پھر اس نے اٹھنے اور کچھ کہنے کی کوشش ختم کر دی اور خود کو ایسے ہی رہنے دیا، اسے اس کا پریشان ہونا اچھا لگ رہا تھا، اپنے لئے اس کے چہرے پر پھیلے تفکرات کو محسوس کر کے اسے اندر ہی اندر ایک انجانی سی خوشی اور طمانیت کا احساس ہونے لگا تھا، اسے لگا جیسے اس کی تمام محرومیاں اور کمیاں اس پل میں پوری ہو گئی ہیں اسے لگا جیسے کوئی ہے جو خود سے بھی زیادہ اس کی پرواہ کرتا ہے خیال رکھتا ہے۔

تب اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی کھلی ہتھیلی پر سہلاتا ہوا اس کا نرم ہاتھ اس نے نہایت آہستگی سے اپنی انگلیوں میں قید کر لیا تھا، اب سے پہلے بھی وہ کئی بار اس کے اتنے قریب آئی تھی اس کا بازو تھاما تھا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا مگر اب، اب کیا ہوا تھا کہ اسے اپنی انگلیوں میں واضح ارتعاش سا پیدا ہوتا محسوس ہوا تھا، دل کی دھڑکن اتنی تیز ہوئی تھی کہ وہ با آسانی سن سکتا تھا، اگلے ہی لمحے اس نے اپنی ہتھیلی کو اس کے ہاتھ سے غیر محسوس طریقے سے جدا کیا تھا اور خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش میں آنکھیں کھولنے کی سعی کرنے لگا تھا تاکہ وہ اس سے دور ہو سکے۔

''تم ٹھیک ہوناں پلیز بتاؤ مجھے۔'' اس کا لہجہ بھیگا بھیگا سا تھا۔

''ایم اوکے ڈونٹ وری۔'' کہنیوں کے بل خود کو سیدھا کرتے ہوئے وہ صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''کیا ہو گیا تھا تمہیں، اگر طبیعت اتنی زیادہ خراب تھی تو تم مجھے کال نہیں کر سکتے تھے کیا، وہ تو مجھے شریف نے بتایا کہ تم دوپہر سے اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلے تو میں فوراً چلی آئی لیکن......''

''اوکے یار ریلیکس، میں ٹھیک ہوں۔''

اس کے چہرے پر ابھی تک پریشانی ہویدا تھی جو اسے بہت بھلی لگ رہی تھی مگر پتہ نہیں کیوں وہ اس کی طرف دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

''میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لاتی ہوں کھانا کھا کر ٹیبلٹ لینا پھر سو جانا۔'' اسے ہدایت کرتی وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی تو وہ نجانے کتنی ہی دیر تک اس دروازے کو غائب دماغی سے دیکھتا رہا جہاں سے وہ ابھی باہر گئی تھی پھر اپنے دائیں ہاتھ پر موجود اس کے ہاتھ کے لمس کو محسوس کرتا رہا جب اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ کی گرفت میں تھا، ایک بار پھر اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔

گہرا سانس اپنے اندر اتارتا خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر پتہ نہیں اس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا تھا؟

اس نے تھکے تھکے سر کو صوفے پر گرا لیا اور ذہن سے سب کچھ جھٹکنے کی سعی کرنے لگا مگر ندارد۔

(باقی آئندہ)

روشانے عبدالقیوم

اداس اور سرد سی دوپہر اپنے پورے جوبن پر تھی، جب انہوں نے پارک میں قدم رکھا۔

خزاں کا موسم، زرد، سرخ ہر طرح کے پتے جابجا بکھرے پڑے تھے، درخت کی شاخیں جن کی ہریالی چھاؤں بخشتی ہیں، سوکھ چکی تھی یا پھر سونی پڑی تھی۔

جس طرح ان کا اندر اداس تھا، اسی طرح باہر، دنیا کا موسم بھی اتنا ہی اداس تھا۔

یہ اداسی تو ان کی شخصیت کا خاصہ بن چکی تھی، جو ہر پل ان کو جکڑے رکھتی، جب بھی وہ اس خول سے باہر آنا چاہتیں تو دن کے اس خاموش پہر اسی پارک میں آ کر اپنے ماضی کے

ناولٹ

بارے میں سوچ جاتیں اور یہی لامتناہی سوچیں، ان کو اداسی سے نکالنے کے بجائے مزید افسردہ کر دیتی، تب وہ واپسی کی راہ لیتیں۔

وہ زمین پر بکھرے ہوئے ڈھیروں پتوں پر چلتی ہوئیں اپنے مخصوص بینچ کی طرف بڑھیں، مگر یہ کیا؟

سفید ڈھیلے سے لانگ شرٹ اور بلیو پینٹ میں ملبوس بالوں کی اونچی پونی بنائے اک خوبصورت و معصوم صورت لڑکی وہاں بیٹھی تھی۔

یوں جیسے ساری دنیا سے خفا ہو کر وہ اس تنہا گوشے میں آ بیٹھی ہو، ان کو تشویش ہوئی، کہ اتنی حسین و جوان لڑکی، بھری دوپہر اس سنسان جگہ، وہ بھی اکیلی؟ لڑکی نے پتوں پر چلتے قدموں کی آہٹ سن کر جھٹکے سے سر اٹھایا اور مبہوت رہ گئی۔

زرد جارجٹ کی سادہ سی ساڑھی میں ملبوس، بالوں کا سادہ سا جوڑا بنائے ڈائمنڈ کی نازک سی جیولری پہنے درمیانی عمر کی باوقار اور پرکشش سی سرخ و سفید رنگت کی حامل عورت جن کے چہرے پر نرم سی مسکراہٹ ان کے چہرے کو اور بھی

پر کشش بنا رہی تھی،

جب یہ اس عمر میں اتنی خوبصورت ہے، تو جوانی میں کیا غضب ڈھاتی ہوں گی؟ (وہ پل میں اپنی افتاد بھول بیٹھی تھی)

''میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟'' وہ لڑکی سے مخاطب ہوئیں، لہجہ ایسا جو کانوں میں رس گھول دے، بلا شبہ وہ ایک مکمل شخصیت تھیں، اس نے بے اختیار سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ آہستگی سے، اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھ گئی، اک خوشگوار خوشبو کے جھونکے نے اس لڑکی کا استقبال کیا کچھ دیر خاموشی حائل رہی ان کے درمیان، ان کی خوبصورت مترنم سی آواز نے خاموشی کو توڑا۔

''تمہارا نام جان سکتی ہوں؟'' بہت اپنائیت سے پوچھا گیا۔

''نور صبا! اور آپ کا نام؟'' اس نے اپنا نام بتا کر اشتیاق سے پوچھا۔

''نور صبا'' وہ بڑبڑائیں۔

''آپ نے اپنا نام نہیں بتایا؟'' وہ جیسے کسی گہری نیند سے جاگی تھیں بے اختیار چونک کر بولیں۔

''نور صبا!'' لڑکی نے خوشگوار حیرت سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

''یعنی ہم دونوں ہم نام ہیں، آئی ڈونٹ بلیو دس۔''

''ہاں مگر مجھے اس نام سے آج تک کسی نے نہیں پکارا (سوائے اس ایک شخص کے)۔'' یہ جملہ کہتے کہتے رک گئیں۔

''کیوں؟'' نور صبا حیران ہوئی۔

''کیونکہ میری ماں نے مجھے جو نام دیا تھا وہی مجھ پر جچتا تھا۔'' لہجہ بے انتہا افسردہ ہوا۔

''کیا نام تھا؟'' نور صبا بچوں کی سی خوشی سے بولی۔

''اذیت!'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں گویا ہوئی۔

''اذیت......؟'' اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''یہ بھلا کیسا عجیب و غریب نام ہے؟ یہ تو آپ پر بالکل سوٹ نہیں کرتا۔'' وہ بدمزہ ہوئی تھی۔

''سر تا پیر اذیت ہی تو ہوں میں، خود اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی۔''

''آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا؟'' نور صبا الجھی تھی۔

''مجھے بھی سمجھ نہیں آتا تھا، تمہاری ہی طرح معصوم اور ناسمجھ تھی مگر پھر۔'' وہ چونک کر خاموش ہوئیں جیسے نیند سے اچانک بیدار ہوئی ہوں۔

''یہ آج مجھے کیا ہو گیا ہے؟'' انہوں نے خود کو سرزنش کی اور خود کو کچھ اور کہنے سے باز رکھا۔

اک اجنبی، کم عمر سی لڑکی کے سامنے وہ عیاں کر رہی تھیں خود کو، وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوئیں۔

پھر ان کو کچھ دیر پہلے کا منظر یاد آیا، جب وہ پارک میں داخل ہوئیں تھیں، کتنی اداس اور تنہا لگی تھیں ان کو نور صبا، بالکل اپنی جوانی کی تصویر۔

''تم سے تمہاری اداسی اور تنہائی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟'' کچھ دیر بعد ان کی ٹھہری ہوئی آواز سنائی دی۔

''جانتی ہیں، میں نے جب پہلی نظر میں آپ کو دیکھا تو میرا دل چاہا کہ آپ کے کندھے پر سر رکھ کے اپنے سارے دکھ بہالوں، وہ سب کچھ کہہ سناؤں جو آج تک کسی کو نہیں سنائے، مجھے لگتا ہے جیسے میں آپ کو برسوں سے جانتی ہوں۔'' ان کے سوال کو نظر انداز کئے، ان کو

عقیدت سے دیکھتے ہوئے وہ بولی تھی اور ان کی اپنی حالت بھی نور صبا سے الگ نا تھی، انہیں بھی وہ کتنی اپنی اپنی سی لگی تھی۔

''تم مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو بیٹا۔'' انہوں نے گویا اجازت دی تھی اسے، ایسا شہد آگیں لہجہ، ایسی خوبصورت پکار، وہ تو جیسے منتظر ہی تھی، خود کو بے اختیار عیاں کرتی چلی گئی۔

☆☆☆

''چھوٹی سی تھی جب ممی کا انتقال ہوا اور میں تنہا رہ گئی، میرے پاپا کے پاس بے حد دولت تھی، حسن تعلیم، جوانی سب کچھ تھا اسی لئے ان کی پرسنل سیکرٹری نے ان سے شادی کر لی یہ سب جانتے ہوئے کہ وہ اک بچی کے باپ ہیں، مجھے اس وقت توجہ کی ضرورت تھی، چھوٹی ممی نے تو کبھی مجھے گھر کا فرد نہیں سمجھا، میں اپنے ہی گھر میں مہمان کی طرح رہتی، اول تو سامنا ہوتا ہی ناں تھا اگر ہوتا بھی تو اک سرسری سی نظر مجھ پر ڈال کر گزر جاتیں، جیسے کوئی راہ چلتے اجنبی شخص پر ڈالتا ہے، لگژری گھر میں قیدیوں کی طرح رہتی، دیواروں کو دیکھتی ہوں، ہر ماہ میرا اکاؤنٹ بغیر کہے بھر جاتا، کوئی دوست احباب نہیں، سوتیلا بھائی بورڈنگ میں ہوتا ہے، ممی پاپا بزنس میں مگن، یہ بھی بھلا کوئی زندگی ہے، بے رنگ پھیکی سی، صرف آسائش ہی تو سب کچھ نہیں ہوتیں، مجھے کسی سے گلہ نہیں مگر وہ تو میرے والد ہیں، ایک بار مجھ سے میرے دل کا حال پوچھتے، مگر نہیں انہیں تو پیسہ بنانا ہے، ان کے دل میں تو گوشت نہیں پتھر جڑا ہے، بے حس پتھر، وہ باپ ناں ہونے کے برابر ہیں۔'' اس کی آواز بھرا گئی، دونوں ہی دکھوں کی ماری تھیں، دونوں کا دکھ مشترکہ تھا، مگر اک فرد پر گزر رہا تھا، دوسرے فرد پر گزر چکا تھا۔

وہ تو ابھی جوان تھی، بہت سے خوشگوار موڑ ابھی زندگی میں آنے تھے، بروقت کسی صحیح رہنما کی رہنمائی سے وہ نارمل زندگی کی طرف پلٹ سکتی تھی، مگر جو ساری زندگی کانٹوں پر طے کرتی آ رہی تھی اک زخم بھرتا نہ تا کہ دوسرا زخم نڈھال کر دیتا، مسلسل کرب سے گزرتی آ رہی تھیں کہ جن کو کسی خوش کن خوشگوار موڑ کے آنے کا کوئی امکان ہی نظر نہ آتا تھا، وہ کس امید پر خوشی کا انتظار کرتیں؟ اک عمر تو مسلسل زخم ہوتے ہوتے گزر چکی تھی، زندگی کہ کچھ اور پل موت کے انتظار میں بسر ہو رہے تھے۔

وہ خود دکھوں کا دریا عبور کر چکی تھیں، نور صبا کو دکھوں کے اس دلدل سے نکالنا تھا انہیں، چپکے سے انہوں نے آنکھوں کی نمی انگلی کی پور سے صاف کی تھی۔

''کبھی کبھی جی چاہتا ہے خودکشی کر لوں، یا گھر سے نکل جاؤں، چھوڑ دوں وہ گھر، کہیں تو سکون ملے گا ناں۔'' سرکشی اس کے لہجے سے جھلکنے لگی تھی۔

انہوں نے دہل کر اپنا خوبصورت دودھیا ہاتھ اس کے تراشیدہ ہونٹوں پر رکھ دیا۔

''گھر سے نکلنے کی بات کبھی مت کرنا، زندگی بھر بھی نہیں، تم نے سنا نہیں؟ کبھی کبھی ہمارے الفاظ پر تقدیر کا لکھا مسکراتا ہے، ایسی باتیں قبول ہوتے دیر نہیں لگتی، کسی وقت میرے منہ سے بھی ایسے ہی الفاظ نکلے تھے جن کو میں اب تک بھگت رہی ہوں۔'' وہ بے حد افسردہ آزردہ تھیں۔

''مم...... میں سمجھی نہیں۔'' نور صبا ٹھٹکی۔

''میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی، پھر فیصلہ تمہارا، ماضی کی نور صبا بنوں گی یا اس سے کچھ سیکھوں گی؟'' انہوں نے لمبی اور تھکی تھکی سی

سانس بوجھل فضا کے سپرد کی تھی۔

☆☆☆

میں بھی اک رات ہوں
پرسکوت اور بے کراں
میری ظلمت کی کوئی ابتداء ہے
نہ میری گہرائیوں کی کوئی انتہا ہے
جب بھی روحیں اپنی مسرت کی روشنی میں
پرواز کے لئے کھولتی ہیں
تو میری روح غم کے اندھیروں کے ساتھ
عظمت و بزرگی کی رفعتوں کی طرف اڑتی ہے
میں تجھ سے مشابہ ہوں، اے رات
اور جب تک موت مجھے اپنی آغوش میں نہیں لے لیتی
میری صبح نہیں ہوگی

سارا دن کام کرتے کرتے اس کی کمر دکھنے لگی تھی، روٹیاں بنا کر سالن گرم کیا، دستر خوان بچھا کر وہ کھانا لگانے لگی، تب تک اماں ابا بھی آ گئے۔

''نور بیٹی!'' وہ دروازے تک گئی ہی تھی کہ رک گئی۔

''جی ابا!'' اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

''صنوبر اور صبوحی کو بلا لاؤ کھانے کے لئے۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتی واپس مڑ گئی۔

بڑے کمرے میں داخل ہوئی تو حسب معمول شہزادیاں منہ چلانے کے ساتھ ساتھ فلم دیکھنے میں مگن تھیں۔

''کھانے پر آپ دونوں کا انتظار ہو رہا ہے، ابا کہہ رہے ہیں آ جائیں۔'' اس نے بمشکل امڈتے آنسوؤں کو بہنے سے روکا۔

''کیا پکا ہے؟'' صبوحی نے بھنویں اچکائیں۔

''بھنڈی گوشت۔''

''یاہو، مزہ آ گیا۔'' اس کی اطلاع پر دونوں خوش ہو کر ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور نعرہ بلند کرتیں ایک ہی جست میں پلنگ سے کودتیں، یہ جا وہ جا۔

اس نے کمرہ خالی ہوتے ہی سارے میں نگاہ دوڑائی، دس منٹ کمرے کی ترتیب درست کرنے میں صرف ہوئے۔

جھوٹے منہ اس سے کسی نے کھانے کا نہیں پوچھا، اسے انتظار بھی نہیں تھا، کیونکہ اس گھر میں وہی ہوتا جو اماں چاہتی، وہ ان عورتوں میں سے تھیں جو مردوں پر حاوی رہتی ہیں۔

کھانے کے بعد حسب معمول چائے کا دور چلا، تمام برتن اکٹھے کر کے دھونے اور پھر کچن سمیٹنے کے بعد سارے گھر کی کھڑکیاں دروازے اور بجلی بند کرنے میں رات کے ساڑھے گیارہ بج گئے، فارغ ہو کر وہ چھوٹے سے سٹور روم (جو اس کا کمرہ تھا) میں آ کر اکلوتی چارپائی پر لیٹ گئی، اس چھوٹی سی جگہ میں صرف ایک چارپائی کی ہی جگہ بنتی تھی اور ایک کھڑکی تھی جہاں سے چاندنی رات میں روشنی اور عام دنوں میں ہوا آ جاتی، یہی اس کی کل جنت تھی، سارے دن کی تھکن دل کی ہر بات ہر غم وہ یہاں آ کر ہی یاد کر سکتی تھی، جہاں صرف وہ تھی کوئی ٹوکنے والا یاں تھا۔

آج بھی تھکن اتنی تھی کہ بان کی سخت چارپائی پر لیٹتے ہی نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

☆☆☆

اسے وہ دن اچھی طرح یاد تھا، جب اس کی ماں اسے چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے چلی گئیں تھی، اک خالی پن سا تھا، تب وہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے کتنی قیمتی ہستی کو کھو دیا ہے، اک خلا سا تھا جو ان کے بعد پر نہیں ہوا، تنہائی کا احساس جو اس کے ساتھ پروان چڑھا تھا، بس رات کا سناٹا اور

تنہائی ہوتی، اپنا سارا درد خود سے کہہ کر اس احساس کو کچھ کم کر دیتی، دن اسی طرح گزرتے گئے۔

ماں کے بعد باپ نے اسے سنبھالا، تب وہ پانچ برس کی اک خوبصورت سی معصوم سی بچی تھی، اک دن ابا نے سامان باندھا اور اسے ساتھ لئے ٹرین کے سفر سے دور دراز کے اک قصبے نما گاؤں آ گئے ہر طرف ہریالی اک حسین سے گاؤں کا منظر پیش کر رہی تھی۔

انہوں نے اک عورت سے شادی کر لی تھی جس کی پہلے شوہر سے دو بیٹیاں تھیں، گھر اسی عورت کے نام تھا وہ اپنا گھر چھوڑنا نہیں چاہتی تھی ابا کو مجبوراً آنا پڑا تھا۔

ابا نے اسے پہلے دن ہی باور کروا دیا تھا کہ وہ عورت اس کی ماں ہے اور دونوں بچیاں اس کی بڑی بہنیں، وہ انہی کے ساتھ اسکول اور قرآن پڑھنے جاتی، اماں اس سے بات چیت ناں کرتی، انہی کے نقش قدم پر چلتے وہ دونوں بھی اسے صرف گھورتی رہتی، منہ تک ناں لگاتی۔

اسی طرح وہ بڑی ہوتی گئی، گھر کا سارا کام اماں نے اس کے ذمے لگا دیا، پڑھائی کے ساتھ گھر کے سارے کام سنبھالنا اس چھوٹی سی جان کو کرنا پڑتے۔

وہ تینوں اس کے کاموں میں کیڑے نکالتیں، نکتہ چینی کرتیں اسے بات بات پر جھاڑ دیا جاتا، ہر کام خود بخود اس کے ذمے پڑتا گیا وہ خاموشی سے سب کچھ سہتی رہتی، باپ سے کبھی شکایت کا موقع ناں ملتا، مل بھی جاتا تو وہ اتنی ہمت والی ناں تھی سب کچھ کہہ پاتی، سارا دن دکان سنبھال کر رات کو گھر آتے تو اماں اور ان کی بیٹیوں کے لاڈ اٹھاتے، اسے یکسر فراموش کیے ہوئے تھے۔

صبوحی اور صنوبر ابا سے طرح طرح کی فرمائشیں کرتی، ابا ہنس ہنس کر سنتے اور اگلے دن پوری کر دیتے، عید بقر عید ان کو خیال آ جاتا تو اس کے لئے بھی ایک سوٹ لے آتے۔

کبھی کبھار اگر ابا، اماں کو اسے ڈانٹتے دیکھتے تو وہ جٹ وضاحتیں دیتیں کہ اس کے بھلے کے لئے ہی ڈانٹتی ہوں، اگلے گھر جائے گی تو اس کے کام آئیں گے اور پھر کیا ہوتا وہ تو خوشی سے نہال ہو جاتے کہ سوتیلی ہو کر بھی وہ اس کی کتنی اچھی تربیت کر رہی ہیں اور مطمئن ہو جاتے۔

نور صبا بالکل ماں پر گئی تھی، سانچے میں ڈھلا وجود، سرخ و سفید رنگت، دلکش نقوش، جیسے عظیم مصور کا حسین شاہکار، کچھ اس کی سادگی نے اسے وقار بخشا تھا۔

وہ ماں بہنیں اس کی خوبصورتی اور معصومیت خائف رہتی تھیں، صبوحی اور صنوبر اچھی خاصی شکل وصورت کی تھیں مگر اس کے حسن کے سامنے ان دونوں کی خوبصورتی ماند پڑ جاتی، جو ان ماں بیٹیوں سے برداشت نہ ہوتا۔

دونوں بہنوں نے بی اے کر لیا تو نور صبا کو بھی گھر بٹھا دیا۔

''کہ تمہارے لئے انٹر ہی بہت ہے، جوان ہو اور پر سے خوبصورت بھی، اگر ایسا ویسا کچھ ہو گیا تو دنیا مجھے ہی برا بھلا کہے گی، کہ سوتیلی تھی اگر سگی ماں ہوتی تو یہ سب ناں ہوتا، یہ تو کوئی نہ کہے گا کہ میں نے صبوحی اور صنوبر کی طرح تم سے کبھی فرق نہیں کیا کبھی، ناں بابا ناں گھر بیٹھ کے میرا ہاتھ بٹھاؤ۔'' اتنی لمبی تقریر اور پھر کانوں کو ہاتھ لگانا، بھلا اتنا کچھ کہہ دینے کے بعد بھی نور صبا کچھ کہہ پاتی، ہمیشہ کی طرح خاموش رہی، ہاں یہ دکھ ضرور تھا جو کچھ پل باہر کی دنیا میں سکون سے سانس لیتے گزرتے، وہ موقع بھی گیا۔

☆☆☆

''اماں مجھے یہ کاسنی رنگ کا سوٹ بہت اچھا لگتا ہے، یہ میں لے لوں، پلیز میری پیاری اماں۔'' صبوحی دلار سے بولی۔

''ہاں ہاں لے لو، ویسے بھی تم لوگوں کے لئے ہی رکھے ہیں۔'' وہ کپڑے تہہ کرتے مصروف انداز میں بولیں۔

دونوں کے جہیز کا سامان جو جمع کر رکھا تھا وہ وقتاً فوقتاً اسے نکال کر ترتیب درست کرتی اور مزید ساماں کپڑوں سمیت رکھ دیتیں۔

''کتنی اچھی ہیں آپ اماں۔'' اس نے خوشامد کی، اماں دھیرے سے ہنس دی۔

نور صبا کمرے میں داخل ہوئی، کپڑوں سے ہوتی ہوئی اس کی نظر حاضرین پر پڑی۔

''اماں کھانا تیار ہے؟'' وہ آہستگی سے مخاطب ہوئی۔

''تمہارے ابا آتے ہوں گے، ساتھ ہی کھا لیں گے۔'' وہ تہہ شدہ کپڑے سوٹ کیس میں سلیقے سے جماتی گویا ہوئیں، وہ سر ہلاتی واپس مڑ گئی۔

''اماں!'' صبوحی پر سوچ انداز میں اماں کو مخاطب کرتی بولی تھی، اس کی نظریں دروازے پر تھی جہاں سے ابھی ابھی نور صبا باہر نکلی تھی۔

''ہوں۔'' وہ ہنوز اپنے کام میں مصروف رہیں۔

''اماں، کیوں نا آپ نور کو سلائی سینٹر داخل کروا دیں، اس طرح درزی کے ساتھ مغز ماری سے بھی بچ جائیں گے، یہ گھر میں مفت بھی سی دیا کرے گی، کیسا؟'' اس نے داد طلب نظروں سے اماں کی طرف دیکھا، اماں کے حرکت کرتے ہاتھ رک گئے، انہوں نے صبوحی کی طرف دیکھا۔

''بات تو دل کو لگی ہے، مگر تم کب سے اتنی سیانی ہوگئی کہ مشورے دینے لگو۔'' اماں نے اس سے اتفاق کیا، ساتھ میں اس کی عقل پر بھی شک کا اظہار کیا۔

''سوچ لیں؟ آپ کی ہی بیٹی ہوں۔'' وہ شرارت سے بولی۔

''شریر!'' اماں نے اس کے سر پر چپت ماری۔

''مجھے پہلے خیال کیوں نہیں آیا، ویسے بھی کم بخت کام بھی تو اتنا اچھا کرتی ہے۔'' اماں سوچ رہی تھی ساتھ میں کپڑے بھی ترتیب وار رکھتی جا رہی تھیں، وہ نور کی پھرتی، سلیقے اور ایمانداری سے کام کرنے کی قائل بھی بہت تھی مگر کبھی اس کی تعریف نہیں کی، آخر کو تھی تو سوتیلی ہی۔

''کل ہی اسے داخل کروا دوں گی انشاء اللہ۔'' اماں نے دل ہی دل میں آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیا۔

☆☆☆

تین دن کی مسلسل بارش کے بعد نکھری نکھری صبح نمودار ہوئی تھی، نیلے آسمان پر بادلوں کے سفید گالے تیرتے ہوئے بہت ہی بھلے لگ رہے تھے، بارش کے پانی سے دھلے پیڑ پودے ہر سو اپنی ہریالی بکھیر رہے تھے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا دسمبر کا ٹھنڈا روشن دن، سورج کی اولین سنہری کرنیں ہر سو اک خوبصورت سا طلسم بکھیر رہی تھی۔

یہ سارے منظر قدرت کی فیاضی کے منہ بولتے ثبوت تھے، نور زرد سوٹ میں ملبوس زرد گلاب کا گمان ہو رہا تھا اس پر، چھوٹی دیوار سے ٹیک لگائے وہ اس خوبصورت منظر کا حصہ لگ رہی تھی۔

اس کا اداس حسن اس کے چہرے کی دلکشی کو مزید بڑھا رہا تھا۔

''ملکہ عالیہ!'' اماں کے طرز تخاطب پر وہ اچھل پڑی۔

''کچن میں ڈھیروں کام منتظر پڑے ہیں اور تم یہاں کھڑی موسم سے لطف اندوز ہو رہی ہو، آج مہمان آئیں گے، یاد ہے تمہیں؟'' وہ برس پڑی تھی۔

''جی اماں! میں سنبھال لوں گی۔'' وہ قدرے سنبھل کر بولی۔

اماں نے اس کے صبیح و خوبصورت چہرے سے نگاہیں چرائیں۔

''کمبخت ایسا حسین چہرہ کہ نگاہ نہ ٹھہرے، ساری خوبصورتی ان ماں بیٹی پر ختم ہے، خدا نے بھی جو حسن دینا تھا ان کو ہی دینا تھا، اس کلموہی کو تو مہلت نہ ملی، مگر یہ میری بیٹیوں کا نصیب ضرور کھا جائے گی اس کے حسن کے سامنے بھلا میری بیٹیوں کی خوبصورتی کو کون کافر گھاس ڈالے گا؟''

''اور ہاں تمہیں مہمانوں کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں، سمجھ گئی؟'' انہوں نے اسے باور کروانا ضروری سمجھا، نور صبا نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ مڑ گئیں، جاتے جاتے ان کی واضح بڑبڑاہٹ نور صبا کے کانوں تک بخوبی پہنچ رہی تھی۔

''خدا جانے کیا روگ لگے ہیں اس کے دل کو، جو ہر وقت سوگوار صورت لئے رہتی ہے، لگتا ہے جیسے اس پر بہت بڑا ظلم ہو رہا ہے، ہونہہ ڈھکوسلے، ظاہر ہے اس کی یہ روتی اتری صورت کوئی دیکھے گا تو پہلا شک مجھ پر ہی کرے گا، آخر کو سوتیلی جو ٹھہری۔'' اس کی خوبصورت جھیل سی آنکھیں پانیوں سے لبریز ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

کچن میں کھڑی وہ برتن دھو رہی تھی۔ اندر سے اماں اور مہمانوں کے باتوں کی آواز کچن تک سنائی دے رہی تھی۔

''باجی پانی...... مجھے پیاس لگی ہے۔'' نور صبا بچے کی آواز پر پلٹی، کچن کے دروازے میں ایک پانچ سال کی خوبصورت گول مٹول سی بچی کھڑی تھی، اس نے بے ساختہ بچی کے گال کو پیار سے چھوا تھا۔

''ابھی پانی مل جائے گا۔'' نور صبا نے بچی کو مخاطب کیا اور پلٹ کر فریج سے بوتل نکالتی گلاس میں پانی انڈیلنے لگی، کہ اسی اثناء میں درمیان عمر کی عورت بچی کو ڈھونڈتے کچن تک آئی تھی، جونہی نور صبا پلٹی اس پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹکی تھیں۔

''کتنی فرصت سے بنایا ہوگا اس من موہنی صورت کو خدا نے، حسن جو آپ اپنا تعارف ہوتا ہے، جو اپنی مثال آپ ہوتا ہے، جو لاکھوں کے مجمع میں خود کو نمایاں کر دے، حسن کے ساتھ معصومیت بھی ہو میری تلاش ختم ہوئی۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر نور صبا کی پیشانی پر پیار کیا۔

''حسن کو جس نام سے بھی پکارو، اس سے کیا فرق پڑتا ہے، تیری ماں نے تجھے کیا نام دیا تھا۔'' عجب عقیدت بھرا لہجہ تھا۔

''نور صبا!'' اس کے تراشیدہ ہونٹوں نے جنبش کی تھی۔

''کیا خوب نام دیا ہے، اس خوش بخت نے تمہیں۔'' عورت نے اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا۔

''رحمٰن صاحب کی بیٹی ہو تم؟'' وہ انکار کرنا چاہتی تھی کہ اماں نے اسے منع کیا تھا، مہمانوں کے سامنے آنے سے، مگر وہ اتنی پیاری و مشفق خاتون سے جھوٹ ناں کہہ سکی۔

عجیب سا سحر تھا ان کی شخصیت میں کہ بے

ساختہ اس کا سر اثبات میں ہلا تھا۔

"مہر النساء نے اتنا انمول موتی مجھ سے چھپایا۔" نور صبا خاک بھی نا سمجھی، بس ان کو دیکھے گئی۔

(قیمتی شے چھپائی ہی جاتی ہے، اس کی نمائش نہیں کی جاتی، اس کی چوری کا خدشہ جو ہوتا ہے، ہر کوئی اسے چرانا لینا چاہے گا، بڑے بڑوں کا ایمان خطرے میں پڑھ جاتا ہے، ہر کوئی اسے اپنی ملکیت میں لے کر اپنا وقار بڑھانا چاہے گا)۔

وہ سوچتی ہوئیں بچی کا ہاتھ پکڑے پلٹ گئیں۔

نور صبا جو ابھی تک ان کی نا سمجھ میں آنے والی باتوں میں الجھی کھڑی تھی، ان کے اگلے جملے نے اس کے چہرے کا رنگ فق کر دیا تھا۔

"مہر النساء اور رحمٰن صاحب سے درخواست کروں گی کہ اپنے گھر کا یہ انمول ہیرا میری جھولی میں ڈال دیں۔" فق ہوتے چہرے کے ساتھ وہ انہیں جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

جاتے ہی اس عورت نے فون پر دھماکہ کر دیا کہ وہ نور صبا کو اپنی بیٹی بنانا چاہتی ہیں، اسے جو دھڑکا لگا تھا آخر کو وہی ہوا۔

اماں نے نور صبا کو مجرم گردانتے ہوئے کٹہرے میں لا کھڑا کر دیا، وہ ابا کے پاس ہی صوفے پر بیٹھی تھی، سامنے والے صوفے پر اماں دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی تھیں۔

"اس کو کیا ضرورت تھی خالدہ کے سامنے آنے کی، میں نے منع بھی کیا کہ وہ صبوحی کے سلسلے میں آ رہی ہی، یہ کالی بلی راستہ کاٹ گئی، میری بیٹی کا۔" غصے کی وجہ سے ان کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔

"منحوس، ڈائن، جب سے یہ اس گھر میں آئی ہے، میری بیٹیوں کے لئے مستقل اذیت بن گئی ہے۔" وہ اپنے غصے کو ضبط نہیں کر پا رہی تھی، نور صبا سر جھکائے کسی مجرم کی طرح خاموش بیٹھی تھی۔

"نور بیٹی! جب ماں نے تمہیں منع کیا تھا تو تم نے ایسا کیوں کیا؟" بالآخر ابو بول پڑے۔

"ابا! میں ان کے سامنے نہیں آئی تھی، وہ خود کچن میں آئی تھیں میرے پاس، میں نے جان بوجھ کر یہ سب کچھ نہیں کیا، ابا میرا یقین کریں۔" وہ ملتجی لہجے میں بولی آخر میں ضبط کرتے ہوئے بھی رو پڑی۔

"جھوٹ بولتی ہے، اسے الہام ہوا تھا کہ کچن میں شہزادی صاحبہ براجمان ہے جو وہ تمہاری راہ دیکھتے کچن تک چلی آئیں مکار۔" ان کے گلے اور ماتھے کی نسیں ابھر آئیں۔

"اماں میں صحیح کہہ رہی ہوں۔" وہ منمنائی مگر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اماں کی گھوری نے اس کی بولتی بند کر دی۔

"منع کر دیں ان لوگوں کو، اس سے بڑی دو بیٹیاں ہیں ہماری ہم پہلے ان کی شادی کریں گے، غضب خدا کا کیا زمانہ آ گیا ہے۔" اماں نے ابا سے بات کرتے اسے بھی گھوری سے نوازنا ضروری سمجھا، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے کچا چبا ڈالے۔

"تو کیا ہماری شکلیں دیکھ رہی ہے، چل دفع ہو میسنی۔" اماں نے اس پر آنکھیں نکالیں جیسے آنکھوں کے رستے ہی نکل لیں گی، وہ اٹھی اور مرے مرے قدموں سے چلتی کمرے سے نکل گئی، تھوڑی دیر بعد ابا بھی اٹھ گئے۔

اماں نے لمبی سانس بھر کر خالی کمرے میں نگاہیں دوڑائیں، پھر صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

"کیا کیا ناں سوچا تھا، میری صبوحی عیش

کرے گی، خالدہ کے محل نما گھر میں نوکرانیوں پر حکم چلاتی کسی شہزادی کی طرح آرام سے رہے گی، کیسا شہزادوں کی سی آن بان والا لڑکا میرے ہاتھ سے نکل گیا، جو یہ کمبخت بیچ میں ناں آتی تو میری صبوحی کی بات اب تک پکی ہو چکی ہوتی۔"

"کمبخت ہے بھی تو اتنی حسین، جو بھی دیکھتا ہے، دیکھتا رہ جاتا ہے، اسی لئے تو میں نے اسے نوکرانی بنا رکھا ہے کہ اپنی اوقات ناں بھولے، میرے سامنے سر ناں اٹھا سکے، مگر اس کی خوبصورتی بجائے مرجھانے کے نکھرتی جاتی ہے، اب اس نا قابل برداشت کانٹے کو حلق سے نکالنا ہی پڑے گا۔" وہ پرسوچ انداز میں بڑبڑائیں۔

ابا نے خالدہ بیگم کو منع کر دیا تھا، تین چار بار وہ فون کر چکی تھیں ان کو قائل کرنے کے لئے مگر ناں، ہاں میں نہ بدلی، وہ کسی صورت نور صبا سے دستبردار ہونا نہیں چاہتی تھیں ناچار انہیں ایک بار پھر ان کے گھر آنا پڑا۔

مگر پھر بھی دونوں نہ مانے کہ ابھی دو بڑی لڑکیاں گھر میں موجود ہیں وہ ترتیب وار ہی شادی کریں گے لڑکیوں کی۔

نور صبا اماں کے ڈر سے ان کے سامنے ہی نہیں آئی، بلکہ چھت پر چلی گئی تھی۔

دو گھنٹے کی طویل میٹنگ کے بعد دونوں فریق ایک دوسرے کو اپنی بات ماننے پر قائل ناں کر سکے، وہ اٹھ کھڑی ہوئیں تو دونوں انہیں دروازے تک چھوڑنے آئے کہ لاکھ دل برا سہی مگر مہمان نوازی کے بھی اصول ہوتے ہیں۔

دروازے تک جا کر خالدہ بیگم پلٹی اور دونوں کو مخاطب کیا تھا۔

"میں اس امید پر یہاں سے جا رہی ہوں کہ آئندہ بھی میں اسی دروازے پر نور بیٹی کے لئے دستک دوں کہ جب تک صبوحی اور صنوبر بیٹی اپنے گھر کی ہو جائیں گی میں تب تک انتظار کروں گی، ساری زندگی بھی مجھے یہ دہلیز پکڑنا پڑی تو میں یہ بھی کر گزروں گی، اس خوش بخت کو میرے گھر کی ہی زینت بننا ہے، آپ لوگ بیٹی والے ہیں، آپ کا درد سمجھتی ہوں، مگر میری مجبوری، کہ میرا دل اس سے دستبردار ہونے کو تیار ہی نہیں، آپ لوگوں کو میری وجہ سے جو تکلیف ہوئی اس کے لئے معافی چاہتی ہوں، خدا حافظ۔" وہ گھر کی دہلیز پار کر گئیں۔

ابا تو ان کے لفظوں کے چناؤ اور لہجے کے اتار چڑھاؤ میں کھو گئے تھے، پہلی بار انہیں نور صبا کے باپ ہونے پر فخر محسوس ہو رہا تھا، مگر مہر النساء بیگم ان دیکھی آگ میں جھلس رہی تھیں۔

"نور صبا کا اک بال بھی تمہیں دکھایا تو میرا نام مہر النساء سے بدل کر کچھ بھی رکھ دینا خالدہ بیگم، ہونہہ بڑی آئی نور صبا کی طلب گار بن کر۔"

☆☆☆

نور تو اماں کو پہلے ہی کھٹکتی تھی، اب تو مزید زہر لگنے لگی تھی، کبھی برا بھلا سنا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتیں، کبھی اک ہاتھ بھی جڑ دیتی، وہ بیچاری جو پہلے ہی مشکل میں تھی اس واقع کے بعد تو اماں نے اس کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔

وہ معمول کے مطابق کام کرتی، سلائی سینٹر جاتی اور پھر واپس آ کر خاموشی سے اپنے کاموں میں جت جاتی۔

کچھ روز سے اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے، یا ہو سکتا تھا یہ اس کا شک ہو۔

وہ اس بات کو جھٹلانا چاہتی تھی، تبھی وہ اس شک کو خود پر حاوی کر کے یقین نہیں بنانا چاہتی تھی۔

اس کی زندگی پہلے ہی مشکل میں تھی، اسی

لئے مطمئن ہو کر سینٹر جاتی اور تندہی سے اپنے کام کو سرانجام دیتی۔

آج بھی واپسی پر وہ نظریں جھکائے، ناک کی سیدھ میں چل رہی تھی کہ اس کی چھٹی حس نے خطرے کا الارم بجایا۔

اس نے اپنے بائیں سائیڈ ذرا سی گردن موڑ کر دیکھا، مردانہ سلیپر میں مقید قدم اس کا پیچھا کر رہے تھے، اس کی تو پیروں سے جان نکل گئی، خوف کی زیادتی سے اس کی جان پر بن آئی تھی۔

وہ بھاگنے کے سے انداز میں تیز تیز چلنے لگی، ہر تھوڑی دیر بعد اسے یوں محسوس ہونے لگتا جیسے دو ہاتھ اس کی طرف بڑھنے لگیں گے اور اس کی گردن دبوچ لیں گے۔

اتنے میں گھر کا گیٹ بھی نظر آ گیا، اس نے دوڑ کر گیٹ عبور کیا اور اپنے کمرے میں جا کر ہی سانس لیا۔

اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا یا ہونے جا رہا تھا، سوچ سوچ کر وہ مسلسل الجھ رہی تھی، مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

دو تین دن چھٹی کرنے کے بعد آج وہ سینٹر جا رہی تھی، وہ اس بات کو ذہن سے جھٹک کر فراموش کرنا چاہ رہی تھی اب کسی قدر خوف کم ہوا تو دل ذرا مطمئن تھا۔

اپنے دل کو سمجھایا کہ یہ راہ گزر ہے دن میں بے شمار لوگ بے شمار قدم وہاں سے گزرتے ہوں گے ضروری تو نہیں میرا ہی پیچھا کیا جا رہا ہو یا میرا وہم بھی تو ہو سکتا ہے۔

وہاں اپنی ساتھیوں سے کام میں مصروف رہ کر، وقت گزرنے کا احساس تک ناں ہوا۔

واپسی پر اسے لگا جیسے کسی نے مخاطب کیا ہو، اس نے اپنا وہم سمجھ کر سر کو جھٹکا، وہ دو قدم آگے چلی ہی تھی کہ کسی مرد کی پکار پر اس کا دل اچھل کر حلق تک آ گیا۔

پھر جو اس نے دوڑ لگائی تو اپنے کمرے میں جا کر ہی دم لیا، بستر پر بے دم سی ہو کر ڈھے گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ماں اس کی تھی نہیں کہ جسے اپنا درد سناتی اور ناں سگی بہن جس کے کندھے پر سر رکھ کر آنسو بہاتی۔

بس ایک خدا تھا جس کو وہ پکار رہی تھی۔

''اے میرے اللہ مجھے کسی مشکل میں نا ڈال، میں بہت بزدل ہوں کسی نئی آزمائش کی متحمل نہیں ہو سکتی، تو میری مدد کر، مجھے بچا لے میرے مالک، میں بہت اکیلی ہو، تیرے سوا کوئی نہیں میرا، تیرا ہی آسرا ہے، بچا لے میرے مالک، تیرے رحم و کرم پر ہوں۔'' وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

☆☆☆

اسے ایک ہفتہ ہو چکا تھا، وہ سینٹر نہیں جا رہی تھی، مسلسل اک خوف تھا جو اسے اپنے حصار میں لئے ہوئے تھا اک انجان سے خوف کی وجہ سے رات کو نیند سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتی اور پھر تنہائی خوف سناٹے کی دہشت سے رونے لگتی، کوئی ہمراز تھا بھی نہیں، جو اس کا دکھ سنتا جانے کیسا خوف تھا جو اسے کسی پل سکون سے ناں رہنے دیتا، وہ تکیے کے غلاف چڑھا رہی تھی کہ اماں آ گئی۔

''مہارانی صاحبہ! میں پوچھ سکتی ہوں آپ اتنے دنوں سے سلائی سینٹر کیوں نہیں جا رہی؟''

وہ بیچاری تو پہلے ہی خوفزدہ بیٹھی تھی ان کی اونچی کھاٹ دار آواز پر اچھل پڑی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو، تم سے پوچھ رہی ہوں، دیواروں سے نہیں؟'' وہ نور پر چڑھ

دوڑیں۔

''وہ میں...... وہ...... میں۔'' وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگی، سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا کہے۔

''زیادہ میں میں کرنے کی ضرورت نہیں، اتنی معصوم نہیں ہو جتنی بننے کی کوشش کرتی ہو، سیدھے طریقے سے بول کیوں نہیں جا رہی؟؟''

جو صحیح بات تھی وہ تو نور صبا مر کر بھی ناں بتاتی، سدا کی بزدل اماں کو غصے میں دیکھ کے کوئی بہانہ بنانے سے بھی گئی، ان کا کیا تھا غصے میں ہاتھ بھی اٹھانے سے دریغ ناں کرتی۔

''معاف کر دیں اماں۔'' اس کا گلا رندھ گیا۔

''ہاں معاف کر دوں مہارانی صاحبہ کو۔'' انہوں نے اس کی کمر پر دھموکا جڑا۔

''یہ جو سلائی سیکھنے جاتی ہو ناں، مفت میں نہیں جاتی ناں وہ تمہارے کچھ لگتے ہیں کہ مفت میں سکھائے، تمہارے باپ کے پیسے جاتے ہیں، تمہیں تو کوئی احساس ہی نہیں کہ بوڑھا باپ کس طرح سے سارا دن محنت کر کے کماتا ہے آج کے بعد اگر تمہیں موت بھی آئے تم نے چھٹی نہیں کرنی سمجھی تم، وگرنہ ہڈی پسلی ایک کر دوں گی پھر بیٹھی رہنا گھر پہ۔''

''معاف کر دیں اماں آئندہ نہیں کروں گی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''بس جانتی ہوں میں تمہارے چلتر، آخر ہو ناں اسی میسنی کی اولاد۔'' وہ بکتی چلی گئیں۔

وہ اپنی بے بسی پر سوائے رونے کے کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

سینٹر سے واپسی پر وہ مرے مرے قدموں سے آ رہی تھی۔

''ایکسکیوزمی مس!''

نور صبا کے پاؤں زمین نے جکڑ لئے، مگر وہ پلٹی نہیں اس سے پہلے کہ وہ اس دن کی طرح ڈر کے بھاگتی، کوئی اس کی راہ میں حائل ہو کر بالکل اس کا راستہ روک کے کھڑا تھا، اک لمبے چوڑے مرد کو اپنے بالکل سامنے دیکھ کر اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے اور آپ ہیں کہ مجھے دیکھ کے ایسے بھاگتی ہیں جیسے میں جن بھوت ہوں۔''

وہ احترام سے اس کو دیکھتے ہوئے بولا، جیسے برسوں کی شناسائی ہو ان کے درمیاں، نور سوکھے پتے کی طرح لرز رہی تھی، اس شخص نے پہلے اس کا پیچھا کیا، پھر مخاطب کرنے کی کوشش کی اور اب اس کا راستہ روک کے کھڑا تھا۔

وہ کترا کر اس کے دائیں پہلو سے نکلنا چاہ رہی تھی، وہ بھی مستعد کھڑا تھا جیسے ہی وہ اک قدم آگے آئی، اس نے اپنا ہاتھ پھیلا کر نور صبا کے فرار ہونے کے تمام راستے مسدود کر دیئے، وہ اس شخص کی جرأت پر ششدر رہ گئی۔

''آج آپ میری بات سنے بغیر نہیں جا سکتیں۔'' اس کا لہجہ حتمی مگر نرم تھا۔

نور نے اک لمحے کو نگاہیں اٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا، جانے ان آنکھوں میں کن جذبوں کی لو دیتی چمک تھی، اس کی نظریں جھک گئیں۔

''پلیز ریلیکس، مجھ سے اتنا خوفزدہ ہو کر آپ مجھے میری ہی نظروں میں گرا رہی ہیں، میں آپ ہی کی طرح کا انسان ہوں۔'' اس نے نور کا خوف کم کرنا چاہا۔

''پلیز میرا راستہ چھوڑیں۔'' بالآخر اس نے لب کشائی کی، وہ مسکرا دیا۔

''مگر میری بات سنے بغیر آپ نہیں جا سکتیں۔'' اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی جیسے اس کی حالت پہ محظوظ ہو رہا ہو، اس سے پہلے کے ان دونوں کے درمیان مزید گفتگو ہوتی، اس کا موبائل بج اٹھا، وہ اس سمت متوجہ ہوا، نور جو فرار کے رستے تلاش کر رہی تھی، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے دائیں پہلو سے نکل گئی، مبادا وہ شخص پھر سے راستہ ناں روک لے۔

وہ موبائل بند کر کے پلٹا تو نور صبا اس کی دسترس سے کافی دور جا چکی تھی، وہ ہنس دیا۔

''بزدل ڈرتی تو ایسے ہے گویا میں کوئی دیو ہوں جو سالم نگل لوں گا ڈرپوک کو۔''

پل پل دور ہوتی نور کی پشت کو گھورتے ہوئے وہ خود سے مخاطب تھا۔

''کیسے اس سے پوچھوں کہ کیا دکھ ہے اسے؟ یہ اپنی چھوٹی سی چار دیواری چھت پہ تنہا کھڑی، دور افق کے پار کس شے کو کھوجتی ہے، اتنی اکیلی کیوں ہے؟ اتنی خوفزدہ کیوں ہے؟ وہ لمحہ کہ جس نے مجھے اس کے سادہ و معصوم حسن کا اسیر کیا، میرے دل کے گرد ہالے کی صورت لپٹا ہوا ہے، جو مجھے اس لمحے سے نکلنے نہیں دیتا۔''

''بارش کے بعد کی دھلی ہوئی فضا، شجر اور درو دیوار کس قدر انوکھے و نئے نئے سے لگ رہے تھے کہ انہی منظروں کی تاب مجھے کھینچ لائی، ہر طرف ہریالی اور پہاڑوں کی بہتات اور پھر چھت پہ کھڑی حسین مورت، جس پر نظر پڑتے ہی دل کی دنیا بدل گئی تھی۔''

''قدرت کے حسین منظروں کے درمیان، پس منظر میں قدرت کے حسین نظارے اور ان کے درمیان وہ پیاری لڑکی بالکل اسی منظر کا حصہ لگ رہی تھی، کیسا مکمل منظر تھا، جسے دیکھتے ہوئے عمر بیت جائے مگر نہ دل بھرے ناں نظر اور اسی دن میرے دل نے یہ فیصلہ کیا، اس لڑکی کو اپنانا ہے اس کے دکھ کھوجنا ہے، اس کے سارے آنسو اپنے ہاتھوں سے چننے ہیں۔'' وہ خیال کی دنیا سے لوٹا، تو منظر سے وہ غائب تھی، سر جھٹک کر اپنے راستے چل پڑا تھا۔

☆☆☆

''میرا سگا چچازاد بھائی ہے عثمان، چار بچے ہیں بیوی تو مر گئی، سمجھیں بچوں کے لئے ہی اسے اک اچھی اور غمگسار بیوی کی ضرورت ہے جو اچھے دل کی مالک ہو، ان کو ماں کا پیار دے سکے، گھر بار اپنا ہے بزنس بس ذرا عمر بڑی ہے، تو یہ کوئی عیب نہیں، مرد کماؤ پوت ہو سمجھ دار ہو تو چھوٹی عمر کی بیوی کو بھی خوش رکھنے کا ہنر جانتا ہے، میری مانیں تو ہاں کر دیں۔'' رحمان صاحب کو سوچ میں پڑتا دیکھ کے مزید اضافہ کر دیا۔

''عثمان بھائی کو بھی نور بہت پسند ہے کہتے ہیں بڑی سلجھی ہوئی خدمت گزار لڑکی ہے نور، بہت خوش رہے گی ہماری نور، میں اس کے بھلے کو کہہ رہی ہوں، رشتوں کا حال آپ دیکھ چکے، صبوحی اور صنوبر کے لئے آتے ہیں مگر نور کو پسند کر کے چلے جاتے ہیں، نور صبا خیر سے اپنے گھر کی ہو جائے تو میں بھی سکھ کا سانس لوں، ہے بھی تو بہت حسین کب تک ذمہ داری لوں، مجھ بڈھی سے اب مزید یہ نہیں ہو سکے گا اور آپ بھی اتنا ناں سوچیں، عثمان کو دیکھ رکھا ہے، ہیرا ہے ہیرا۔'' لوہا گرم دیکھ کر انہوں نے مزید ضرب لگائی تھی، نور صبا کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے لرز کر رہ گئی تھی۔

''مگر مہر النساء بیگم، نور تو ابھی بہت کم عمر ہے، میرا دل نہیں مانتا۔'' ابا کی کمزور سی آواز سنائی دی۔

''عثمان بھائی کو کوئی جلدی نہیں، آپ کو جتنا سوچنا ہے سوچ لیں، ایسا رشتہ پھر نہیں ملے گا، اگر وہ میری بچیوں میں سے کسی کا نام لیتے تو میں بغیر سوچے جھٹ ہاں کر دیتی مگر ہک ہاں میری بدنصیب بچیوں کے ایسے بخت کہاں؟''

نور صبا میں مزید سننے کی تاب ناں تھی وہ دوڑ کر اپنے چھوٹے سے کمرے کی طرف گئی تھی۔

''یا اللہ یہ کیسی آزمائش ہے، کیا کروں میں، کیا جن کی مائیں نہیں ہوتی وہ میری طرح زندگی گزارتی ہیں، کیا میں اس کی حقدار ہوں اور عثمان ماموں ان کو شرم ناں آئی میرا نام لیتے ہوئے، ان کے سامنے کھیلتے ہوئے میں جوان ہوئی اور ابا ان کو تو اماں کو درمیان میں ہی ٹوک دینا چاہیے تھا، انہوں نے ایسی بات سنی ہی کیوں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

پوچھنے والے تجھے کیسے بتائیں آخر......؟
دکھ عبارت تو نہیں جو تجھے لکھ کر دیں
یہ کہانی بھی نہیں ہے کہ سنائیں تجھ کو
نہ کوئی بات ہی ایسی کہ بتائیں تم کو
زخم ہو تو تیرے ناخن کے حوالے کر دیں
آئینہ بھی نہیں کہ دکھائیں تجھ کو
یہ کوئی راز نہیں جس کو چھپائیں تو وہ راز
کبھی چہرے کبھی آنکھوں سے چھلک جاتا ہے
یوں کہ جیسے آنچل کو سنبھالے کوئی
اور تیز ہوا جب چلتی ہے تو شانوں سے ڈھلک جاتا ہے
اب تجھے کیسے بتائیں کہ ہمیں کیا دکھ ہے......؟

☆☆☆

آج وہ پھر اس کے رستے میں درخت سے ٹیک لگائے منتظر کھڑا تھا، اس پر نظر پڑتے ہی وہ بیتابی سے پاس آیا تھا۔

''پلیز آپ سے ریکویسٹ کرتا ہوں، میری بات سن لیں، پلیز مجھ سے خوفزدہ ناں ہوں، میرا مقصد ہرگز آپ کو نقصان پہنچانے کا نہیں۔'' وہ عاجزی سے درخواست کر رہا تھا۔

''مگر مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی، میرا راستہ چھوڑیئے۔'' اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے تھے وہ خود کو بہادر ثابت کر رہی تھی مگر ہو نہیں پا رہی تھی، وہ مسکرایا تھا۔

''کل آپ مجھے چکما دے کر بھاگ گئیں تھیں، مگر آج میں آپ کو اپنی سنائے بغیر جانے نہیں دوں گا۔'' وہ شریر ہوا۔

''پلیز کوئی دیکھ لے گا، راستہ چھوڑیں میرا، آپ کیوں میرے پیچھے پڑے ہیں؟'' وہ جھنجھلا ہوئی۔

''یعنی آپ کو صرف اپنی پڑی ہے، کسی کی جان چلی جائے آپ کو کوئی پرواہ نہیں، کتنی ظالم ہیں آپ۔'' وہ بے ساختہ شکوہ کر گیا۔

''جی ایں؟'' نور ناسمجھی والے انداز میں بے ساختہ اس کی طرف دیکھا جانے ان آنکھوں میں ایسی کیا بات تھی کہ وہ بے ساختہ نگاہیں جھکا گئی، اس شخص سے نور کا یہ انداز چھپا ناں رہ سکا۔

''آپ کو خدا کا واسطہ میرا راستہ چھوڑ دیں، پہلے ہی میں بہت مشکل میں ہو، میری مشکلات میں اور اضافہ ناں کریں۔'' نور کی آواز کوشش کے باوجود بھی بھرانے سے ناں رہ سکی۔

وہ اس کی مشکلات کی نوعیت جاننا چاہتا تھا مگر مقابل وہ لڑکی تھی جو اس کے دل کی سننے کو تیار نہیں تھی کجا کے اپنی مشکلات اسے بتاتی۔

''یہ میرا کارڈ ہے، رکھ لیں، شاید کبھی ضرورت پڑ جائے، میں منتظر رہوں گا، جو بھی کام پڑے فون کر دیجیئے گا، آپ کی ہر مشکل میری مشکل ہے۔'' اس نے کارڈ آگے بڑھایا۔

نور صبا نے ناں چاہتے ہوئے بھی ہاتھ

بڑھا کر کارڈ تھام لیا وہ اس کے راستے سے ہٹ کر اک طرف ہوا، نور آہستگی سے بڑھی، اس کے پاس سے گزرتے ہوئے نور صبا کی سماعتوں سے اس کی سرگوشی ٹکرائی تھی۔

''آج میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ میں اپنے دل کی بات کہنے تک آپ کو جانے نہیں دوں گا، آپ کو ہر صورت میں، میری بات سننا پڑے گی، مگر آپ نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں آپ کے رستے سے ہٹ جاؤں۔'' نور اس کی پاس سے گزر کر جا چکی تھی۔

اور وہ اس کی طرف دیکھتے سوچ رہا تھا کہ محبت کتنا طاقتور جذبہ ہے، پل میں کسی انجان اجنبی شخص کو اپنا بنا دیتا ہے۔

''یہ لڑکی جو کل تک میرے لئے اجنبی تھی آج کتنی عزیز اور اپنی اپنی سی لگنے لگی ہے کہ ایک پل بھی اس کا نظروں سے اوجھل ہونا کتنا کٹھن مرحلہ ہے۔''

☆☆☆

آج اماں نے اسے سینٹر جانے سے روک لیا تھا یہ کہہ کر کہ آج وہ آرام کرلے اور وہ اب تک حیران تھی کہ یہ مہربانی کیوں؟ مگر خوشی بھی تھی کہ چلو آج تو اس شخص سے جان چھوٹی رہے گی، وہ بھی مجھے نہ دیکھ کر دلبرداشتہ ہو جائے گا اور میرا پیچھا چھوڑ دے گا، مگر اس کی خام خیالی تھی، وہ چھت پر کپڑے پھیلانے گئی تھی کہ کہیں سے کٹی ہوئی پتنگ اس کے پاس آ گری، وہ جھک کر اٹھانے لگی کہ اس کی نظر اس تحریر پر ٹھہری جو اس پر لکھی ہوئی تھی اور ستم یہ کہ باقاعدہ اس کا نام لکھ کر اسے مخاطب کیا گیا تھا، اس نے کانپتے ہاتھوں پتنگ کو تھاما اس کی نظریں تحریر پر پھسلتی چلی گئیں۔

''قابل محترم نور صبا! اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ آپ کے روکھے رویے یا غیر حاضری سے میں دل برداشتہ ہو کر آپ کا پیچھا چھوڑ دوں گا تو یہ آپ کی بھول ہے، کوئی آپ کی محبت کی آگ میں پل پل جھلس رہا ہے اور آپ بے خبر رہیں، میں بے چین ہوں اور آپ سکون سے رہیں، میں یہ بے چینی آپ کی طرف منتقل کر کے آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ بھی میرے ساتھ اس آگ میں جلیں، آپ بھی ایسے ہی بیتاب ہوں جیسے کہ میں، مختصر یہ کہ میں آپ کو اپنانا چاہتا ہوں، مجھے جلد اپنے فیصلے سے آگاہ کیجئے، فقط آپ کا منتظر، اعظم ہمدانی۔'' اتنے واضح پیغام پر نور ششدر رہ گئی تھی، وہ گم صم سے انداز میں چلتے ہوئے منڈیر تک آئی، اس کی نظر نیچے کھڑے اسی شخص پر پڑی، جو اس کی زندگی میں ہلچل مچانے آیا تھا، وہ بھی اس کی سمت متوجہ کھڑا تھا۔

نگاہیں ملیں، تو بڑی دلفریب مسکراہٹ نور کی طرف اچھالی نور کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔

''اتنی جرأت کا مظاہرہ؟ یہ شخص اتنا نڈر ہے کہ اسے اپنے فعل کی سنگینی کا احساس تک نہیں؟ پہلے میرا پیچھا کیا، پھر مخاطب کرنے کی کوشش، راستہ روکنے کی جرأت اور اب اپنے دل کی بات مجھ تک پہنچا کر ہی دم لیا، ستم یہ کہ میرے گھر تک پہنچ کر، مجھے اپنی محبت سے آگاہ کیا، میرا نام تک جانتا ہے، کیا محبت اتنا ہی بہادر بنا دیتی ہے انسان کو، کہ وہ اپنے گرد و پیش کو بھول جاتا ہے؟ کوئی خوف کوئی خیال اسے روک نہیں پاتا؟ اگر اماں ابا کو پتہ چل گیا تو، مجھے جان سے مار دیں گے۔'' اس نے خوف سے جھرجھری لی۔

''یہ خوبصورت شخص میرے دل کی دنیا کو تہہ و بالا کرنے آیا ہے، کیا میں اس قابل ہوں کہ یہ میری طلب کرے؟''

وہ اس کے دل کی شفاف تالاب پر کنکر

پھینک کر ہلچل مچا گیا تھا، بیس سالہ زندگی میں پہلا براہ راست پتھر، اس کے دل پر پڑا تھا، پہلی بار وہ اس منہ زور جذبے سے آشنا ہوئی تھی، بارہا اس کے حسن کو سراہا گیا، چاہے نظر سے ہو، چاہے زبان سے، مگر وہ جس ماحول اور لوگوں میں رہ رہی تھی، وہاں اسے ہمیشہ دھتکارا گیا، حقارت کی نظر سے دیکھا گیا، وہ اس اذیت سے نکلتی تو اسے احساس ہوتا کہ وہ کتنی حسین ہے جو راہ چلتے ہوؤں کو روک لے، جو رکے ہوؤں کو مبہوت کر دے، پہلی بار اس کے حسن کو اتنا شاندار خراج پیش کیا گیا تھا، وہ خود پر ناز کیوں ناں کرتی؟۔

''اس شخص کی سچائی کی گواہ اس کی آنکھیں ہیں جن کی لو دیتی چمک مجھے پل بھر کو دیکھنے نہیں دیتی، آوارہ مزاج تو لگتا نہیں، اس کا بولنا، اس کا دیکھنا، اس کا مسکرانا اور اس کی شخصیت کہیں بھی تو کوئی جھول نہیں، تو کیا میں اتنی اہم ہوں اس کے لئے، کے وہ اپنا وقت مجھ پر صرف کرے۔

''مہارانی صاحبہ! تمہیں کوئی اور کام بھی ہے، سوائے یہاں آ کر مراقبے میں جانے کے؟ جب دیکھو چھت پہ کھڑی رہتی ہے۔'' اماں نے اپنے مخصوص طنزیہ لہجے میں پکارا، اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، لاشعوری طور پر دایاں ہاتھ جس میں تنکا پکڑا تھا، اپنے پیچھے کر لیا، جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔

''ج......ج......جج......جی...... اماں۔''

خوف سے اس کی گھگی بندھ گئی۔

''عثمان بھائی کے گھر والے آئے ہیں، تمہیں دیکھ چکے ہیں مگر دنیا داری بھی کوئی چیز ہے، اپنا حلیہ ٹھیک کر کے آنا ذرا، تمہارے ابا نے عثمان بھائی کو ہاں کر دی ہے، چھوٹا موٹا رسم کر کے جائیں گے وہ لوگ۔'' اس کے سر پر جیسے کسی نے دھماکہ کر دیا ہو، وہ بالکل سن ہو گئی تھی۔

آج تو کوئی نیا ہی دن تھا، صبح سے انوکھے انوکھے انکشافات ہو رہے تھے۔

پھر یہ کیا؟ صرف دو پل کی خوشیاں تھیں جو آنکھ کھلتے ہی منظر بدل گیا اور نیچے منتظر کھڑا شخص جو کچھ دیر پہلے پر امید تھا اس کی آنکھوں میں ویرانی اتر آئی تھی، وہ ان کی باتیں سن چکا تھا، اتنا ناسمجھ نہیں تھا کہ ان کی بات کا مفہوم ناں سمجھ پاتا، اعظم کو وہ جان سے پیاری لڑکی اپنی دسترس سے دور جاتی محسوس ہوئی تھی۔

☆☆☆

پتہ نہیں کس جذبے کے تحت وہ اسے فون ملا بیٹھی، اب جب وہ فون اٹھا چکا تھا، تو وہ خود کو اپنی بے اختیاری پر سرزش کرنے لگی، مگر اب وہ غلطی کر چکی تھی سو مجبوراً بات کرنا پڑی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ خوش بختی خود چل کر میرے دروازے پر دستک دینے آئی ہے۔'' بھرپور خوشی ان کی آواز سے نمایاں تھی، جیسے کوئی خزانہ ان کے ہاتھ لگ گیا ہو۔

''یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ میں کسی اور سے منسوب ہو گئی ہوں، کیا اس کے باوجود بھی آپ...... میری تمنا کریں گے؟'' بالآخر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد دل کی بات لبوں تک آ گئی تھی۔

''محبت کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی، نہ ہی کسی کے کہنے سے، محبت سے دستبردار ہوا جا سکتا ہے، آپ مجھے اپنی آراء سے آگاہ کیجئے؟ میرے لئے آپ کی رائے مقدم ہے۔'' وہ خاموش رہی۔

''آپ کا مجھے فون کرنا ہی اس بات کی علامت ہے کہ میں آپ کے دل تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا ہوں، مجھے خوش ہونے دیجئے، کیا آپ کی خاموشی کو میں رضا مندی سمجھوں؟'' اعظم پر یقین لہجے میں بولے

تھے۔

''میں جس ماحول میں رہ رہی ہوں، وہاں میرا اپنا کوئی نہیں، دور دور تک سوتیلے رشتوں کی زنجیریں ہیں جن کے نزدیک میں جانوروں سے بھی کمتر ہوں اور آپ میری رائے کی بات کرتے ہیں، میں کیا اور میری رائے کیا۔'' پر درد لہجے میں کہتے کہتے آخر میں آواز بھرا گئی، اعظم کے دل کو ٹھیس پہنچی۔

''میں اپنی زندگی میں حسین سے حسین اور لڑکیوں سے ملا ہوں، مگر جو حسن وسادگی آپ میں ہے وہ شاید ہی کہیں ہو، آپ کیا ہیں میرے دل میں جھانک کر دیکھیے تو آپ کو خود پر ناز ہوگا۔'' وہ عالم جذب میں بولی۔

نور صبا ان کے لہجے کی سچائی اور خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔

وہ بیچاری تو نفرت بھرے لہجوں اور طنزیہ طرز تخاطب کی عادی تھی، اسے کب اتنی محبت سے اتنے مان سے نوازا گیا تھا، وہ تو اعظم کے الفاظ اور محبت کی شیرینی میں ڈوبے لہجے میں کھو گئی تھی اور ''وقت'' نور صبا کے جذبوں کی حدت سے چمکتے حسین چہرے کو کینہ توز نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کی بے خبری اور قسمت کی ستم ظریفی پر مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

کسی خوش نگاہ سی آنکھ نے یہ مجھ پہ کمال کرم کیا
مری لوح جان پہ رقم کیا
وہ جو اک چاند سا حرف تھا جو اک شام سا نام تھا
وہ اک بھول سی بات پھرتی تھی در بدر
اسے گلستان کا پتا دیا
میرا دل تھا کہ شہر ملال اسے روشنی میں بسا دیا
مری آنکھ اور مرے خواب کو کسی ایک پل میں
مرے آئینوں پہ جو گرد تھی مہ سال کی
وہ اتر گئی
وہ جو دھند تھی میرے چار سو
وہ بکھر گئی
سب ہی روپ عکس جمال کے
سب ہی خواب شام وصال کے
جو غبار وقت میں سر بسر تھے اٹے ہوئے
وہ چمک گئے
میری بے گھری کو پناہ دی
میری جستجو کو نشان دیا
جو یقین سے بھی حسین ہے مجھے ایسا گمان دیا
اسے ایک نظر میں بہم کیا
کسی خوش نگاہ سی آنکھ نے
یہ مجھ پہ کمال کرم کیا

زندگی اتنی بھی حسین ہوسکتی ہے، زندگی کا اتنا خوش کن پہلو بھی ہوسکتا ہے؟ اس کا اندازہ نور صبا کو اب ہو رہا تھا۔

اسے لگتا جیسے وہ کسی حسین خواب میں کھوئی ہوئی ہے، جہاں آنکھ کھلے گی تو وہاں وہی حالات کی تلخیاں اس کی منتظر ہوں گی، مگر یہ خواب نہیں حقیقت تھی۔

قدرت نے ان کو باہم یوں ملا دیا تھا کہ لگتا جیسے وہ برسوں سے اک دوجے کے شناسا ہوں، رفتہ رفتہ ان کی شناسائی بڑھتی گئی۔

وہ فون پر بھی گفتگو کرنے لگے اور اکثر سینٹر سے واپسی پر اعظم ہمدانی اس کا منتظر رہتا۔

جاڑے کی خاموشی اور سنسان راتیں تھی جس میں ہر سو تنہائی کا راج رہتا ہے، سنسان شاموں میں دونوں فون پر باتیں کرتے جاتے اور کب رات بیت جاتی، انہیں احساس تک ناں رہتا۔

رات کو فون سیٹ کی طرف دبے پاؤں چوروں کی طرح آتے ہوئے ادھر ادھر دیکھتی کہ

کہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا، خوفزدہ ہونا فطری سا امر تھا۔

یہ اور بات کہ وہ ماں بیٹاں تو دن کو بھی گرم بستر سے ناں نکلتی، کجا کے رات کے سرد پہر وہ اپنا آرام خراب کرتیں۔

پھر بات کرتے کرتے وہ خوف کو بھول جاتی، اسے یاد رہتا تو وہ اعظم کا لہجہ تھا جو محبت کی شیرینی سے چور، اس کی سماعتوں پر پھوار کی صورت برستا اور اس کا تن من اندر باہر ہر عضو اس معطر پھوار میں بھیگتا رہتا۔

جو لڑکی جو ہر وقت تقدیر سے شاکی رہتی تھی اب مقدر کی اس مہربانی پر شکر ادا کرتے نہ تھکتی۔

☆☆☆

اعظم ہمدانی جیسا، والدین کا اکلوتا بیٹا، ان کی جائیداد کا اکیلا وارث اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خوبصورت شخص نور صبا کے حسن کے سحر کا دیوانہ ہو چلا تھا، اس کی محبت میں ہر شے سے بیگانہ ہو گیا تھا یہاں تک کہ اپنی پیاری ماں سے بھی۔

وہ ماں بیٹا اک دوسرے سے مثالی محبت کرتے تھے، ان کی اس قدر محبت کا گواہ سارا زمانہ تھا، جو انہیں اک جان دو قالب کہہ کر پکارتا۔

نور صبا کی شادی اک ماہ بعد رکھی گئی، یہی پریشان کن بات نور نے اعظم سے کہی تو وہ بے چین ہو گئے، تب انہیں اپنی ماں یاد آئی، تو انہوں نے خود کو سخت لعنت ملامت کی، اتنی بڑی کوتاہی جو کی تھی۔

اعظم نے ماں کو فون کیا تو وہ بھی شکوہ کناں تھیں، ایبٹ آباد وہ کام کے سلسلے میں آئے تھے مگر نور صبا نے سارے کام بھلا دیئے، انہوں نے ماں کو اپنی محبت سے آگاہ کیا یہ بھی بتایا کہ اس کے والدین کبھی راضی نہیں ہوں گے بلکہ اس کا رشتہ اک دگنے عمر کے مرد سے طے کر دیا گیا، اس لئے وہ اپنی محبت اپنی نور کو کراچی اپنے ساتھ لے جا کر کورٹ میرج کر لیں گے۔

وہ اس بات سے پریشان ہو گئیں تھیں کہ اعظم کو گاؤں کی اک سادہ سی لڑکی نے متاثر کر لیا ہے۔

ان کا معیار بہو کے معاملے میں بہت اونچا تھا بھلا اعظم ہمدانی میں کمی کسی چیز کی تھی جو وہ معیار سے کم پر سمجھوتا کر لیتیں؟

انہیں اچھے خاندان کی پڑھی لکھی اپر کلاس کی اک ماڈرن لڑکی کے اکلوتی بہو بنانا تھا جو اعظم کے پہلو میں کھڑی اس کے معیار کی ہو، پتہ نہیں کس خاندان اور کس قسم کی لڑکی سے دل لگا بیٹھا تھا اعظم، یہی خدشہ ان کو پریشان کر رہا تھا۔

وہ ایسا رشتہ ہرگز نہیں چاہتی تھیں جس میں اک دوسرے کو دیکھے بغیر، خاندانوں سے ناواقف ہونے کے باوجود رشتہ جوڑا جائے اور سب سے بڑی بات جس میں لڑکی اور لڑکے کے والدین راضی نہ ہو، شادی صرف دو لوگ نہیں کرتے، صرف دو لوگوں کے ملاپ کا نام ہی تو شادی نہیں، دو خاندانوں کے جڑنے کا نام شادی ہے، کجا کہ ان کا اتنا فرمانبردار لائق اور اکلوتا بیٹا یہ کام کرے، ہرگز نہیں، انہوں نے اعظم کو منع کر دیا تھا۔

صرف یہی نہیں، اعظم نے اس کے بعد بھی ان کو فون کیا مگر انہوں نے کوئی مثبت تاثر نہیں دیا۔

اعظم کا خیال تھا کہ وہ نور صبا جیسی پیاری لڑکی کو دیکھیں گی تو انکار نہیں کر سکیں گی اور بے اختیار اسے اپنا لینے کو تیار ہو جائیں گی، اعظم اسے وقتی کیفیات پر محلول کر رہے تھے۔

☆☆☆

اعظم نے جب نور صبا سے کورٹ میرج کا ذکر کیا تو وہ خوفزدہ ہوگئی اور صاف منع کر دیا تھا۔

اعظم نے اسے یقین دلایا کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، اگر یہ قبول نہیں تو چار بچوں کے باپ سے اس شخص سے چپ چاپ شادی کر لے اور دونوں کے راستے الگ الگ، نور صبا یہ بات سن کر خوفزدہ ہوگئی تھی وہ اب کسی صورت اعظم سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھی۔

بہت سوچ بچار اور دلائل کے بعد وہ کراچی جانے پر رضا مند ہوئی، اس نے کبھی اپنے لئے ایسا نہیں سوچا تھا، مگر آج اس نے وہی کیا جو اس کے دل نے کہا، آج تک سوتیلے رشتوں سے سمجھوتا کرتی آئی تھی اس کے بدلے ان لوگوں نے اسے کیا دیا تھا؟

اک اذیت بھری زندگی گزارنے کے بعد دوسری اذیت بھری کٹھن زندگی اس کے نام کرنے جا رہے تھے۔

اس کی قربانیوں کا یہی صلہ تھا کہ اسے اک چار بچوں کے باپ کے پلے باندھ دیا جاتا جو اس سے دگنی عمر کا تھا۔

ان جیسے ظالم اور مفاد پرست لوگوں کے لئے اعظم جیسے شخص کو چھوڑ دیتی، خود اپنے لئے کانٹے چن لیتی؟ ہرگز نہیں۔

''مجھے اب کسی کے بارے میں نہیں سوچنا نہ ہی کسی کی پروا کرنی ہے اور ابا ان کو ان کی بیوی اور بیٹیاں مبارک، وہ تو کبھی میرے ساتھ ہی نہیں پھر میں ان کا کیوں سوچوں؟'' اور پھر وہ نئے رستوں نئے خوابوں پر اعظم کے سنگ چل پڑی اس کے قدموں سے قدم ملا کر۔

☆☆☆

محبت نے اس کو اتنا نڈر اور بے خوف کر دیا تھا کہ وہ کبھی کبھی اپنی بے خوفی پر خوفزدہ ہو جاتی تھی۔

اعظم کے ساتھ آنے والی نئی زندگی کے خواب بنتی، باتیں کرتیں، خوابوں کے تانے بانے بنتی، اسے پتہ ہی ناں چلا کہ وہ منزل پر پہنچ چکی ہے، چلتی ہوئی ریل گاڑی سے نظر آتے حسین بھاگتے دوڑتے مناظر سے غافل وہ دونوں محبت کے کسی اور جہاں میں محوسفر تھے۔

پلیٹ فارم پر اچھا خاصہ رش اور شور شرابا تھا، کوئی مل رہا تھا تو کوئی رخصت ہو رہا تھا، نور نہیں جانتی تھی کہ ان دونوں میں سے کون سی بات اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے، انسان کو اگر اپنے اگلے ایک پل کی بھی خبر ہوتی تو وہ سوچنا خواب دیکھنا اور خواہش کرنا چھوڑ دیتا۔

اعظم اسے اک بینچ پر بٹھا کر اک نسبتاً ویران گوشے کی طرف چلے گئے وہ اپنی ماں کو فون پر نور صبا کے سنگ آنے کی نوید سنانے کے لئے بے چین تھے، مگر تقدیر ان کے لئے کچھ اور ہی سوچ کر بیٹھی تھی۔

ان کی محبت کرنے والی مشفق ماں ان کی بات سن کر ہتھے سے اکھڑ گئی تھیں، اعظم کو شک ہوا کہ یہ وہی ممی ہیں جو محبت سے بہت دھیمے لہجے میں گفتگو کرتی تھیں۔

''تم اس لڑکی کو میری بہو بنانا چاہتے ہو جو اپنے ماں باپ کے منہ پر کالک مل کر آ گئی، جس کے خاندان کا کچھ اتا پتہ نہیں کہ وہ کون ہے کس قبیل سے اس کا تعلق ہے، کل کو تمہیں بھی اسی طرح چکما دے کر بھاگ جائے گی، تم نے آج فیصلہ کرنا ہے، ہم دونوں میں سے کس کو چنو گے، اپنی ماں کو یا اس آوارہ لڑکی کو؟''

''یاد رکھو اس لڑکی کو اپنانے کے بعد اگر تم ساری عمر بھی میرے پیروں پر سر رکھے گڑگڑاتے ہو تب بھی میں تمہیں ہرگز نہیں بخشوں گی، قیامت

کے دن بھی نہیں، جس بیٹے نے میرے بارے میں نہیں سوچا میں بھی اس کے بارے میں نہیں سوچوں گی سن لو۔''

''مجھ سے ملنے یا فون کرنے کی زحمت بھی مت کرنا اگر کوشش کی تو میں زہر کھا لوں گی، یہ مت سمجھنا کہ یہ وقتی غصہ ہے یہ میرا اٹل فیصلہ ہے اسے میں کبھی بہو کے روپ میں قبول نہیں کروں گی، یہ تو تم بخوبی جانتے ہو کہ میں جو فیصلہ کرلوں اک بار اس سے نفی مر کر بھی نہیں کرتی، اب یہ تمہارے ہاتھ میں ہے اسے اکیلا چھوڑو گے یا اپنی ماں کو، دنیا کا سودا کرو گے یا آخرت کا، دنیا کی کرو گے تو تم میرے بیٹے نہیں۔'' وہ ششدر تھے، ہاتھ میں پکڑے موبائل کو گم صم سے انداز میں گھورتے رہے، ماں جانتی تھی کہ اس کا بیٹا نافرمان نہیں اسی لئے ایسا وار کیا تھا۔

وہ اپنی ماں کی ضد سے بخوبی آگاہ تھے، ان کی ضد کے آگے تو ان کا باپ ہار گیا تھا پھر وہ تو ان کے بیٹے تھے کیسے اپنی ماں کو اکیلا چھوڑ کر اپنی جنت آباد کر لیتے، کس خوش رہ پاتے انہیں چھوڑ کر جن کے پیروں تلے جنت تھی ان کی، ان کی بڑی بڑی ساحر آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

پلٹ کر نور صبا پر نظریں جمائیں جس کا روشن چہرہ آنے والی خوشیوں کے تصور سے جگمگا رہا تھا، انہوں نے تکلیف کی شدت اور بے بسی سے چہرہ موڑ لیا، فیصلہ ہو چکا تھا، وہ تھکے تھکے قدموں سے چل پڑے واپسی کی راہ پر، جیسے وہ شخص چلتا ہے جس نے اپنا سب کچھ ہار دیا ہو۔

انہوں نے محبوب کو چھوڑنے کا گناہ کر کے ماں کو اپنانے کا ثواب کما لیا تھا۔

وہ بوجھ جو اب ساری عمر ان کے کندھے جھکانے والا تھا، ایک معصوم لڑکی کو بیچ راہ میں چھوڑ دینے کا گناہ، ان کے ضمیر کو تا عمر کچوکے لگانے کو تیار تھا۔

☆☆☆

صبح سے شام ہو گئی مگر اعظم نے ناں آنا تھا وہ نہ آئے، نور صبا کا انتظار، انتظار ہی رہا، اسے تشویش نے گھیر لیا تھا۔

پلیٹ فارم پر اکا دکا لوگ نظر آ رہے تھے، وہ کس سے اعظم کا پوچھتی، انجان شہر، اجنبی لوگ اور وہ اکیلی لڑکی، خوفزدہ ہونا فطری امر تھا کہ وہ کبھی اپنے گاؤں میں دور تک ناں گئی تھی، یہ تو پھر دوسرا شہر تھا، ہر سو شام کے سائے پھیل رہے تھے۔

اس کے صبیح چہرے پر آنسو پھسلتے جا رہے تھے، قدرت نے اک اور دکھ اس کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔

مقدر کے اس مذاق پر وہ حیران و پریشان کھڑی تھی، اس نے تو اک نئی زندگی اک خوشگوار جیون کے سپنے دیکھے تھے اور قدرت نے کیسا زور دار طمانچہ اس کے منہ پر مارا تھا کہ تم خواب دیکھنے چلی تھی، تمہیں خواب دیکھنے کا کوئی حق نہیں۔

''باجی! تم کیوں رو رہی ہو؟'' اک ہاتھ اس کے سر پر آ رکا۔

اس نے اپنی آنسوؤں بھر خالی نگاہیں اٹھائیں، اک ادھیڑ عمر شخص کھڑا تھا اور وہ جو دور سے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا، وہ اتنی حسین ہو گی یہ تو اس نے خواب میں بھی ناں سوچا ہو گا، بس مبہوت سا اسے دیکھے گیا۔

''تم کیوں رو رہی ہو باجی؟ اکیلی ہو؟'' اس نے خود کو سنبھال کر قدرے فکرمندی سے پوچھا۔

''ہمیشہ سے ہی اکیلی تھی، اب بھی اکیلی ہی رہ گئی۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں کھوئے کھوئے انداز میں بولی تھی۔

''پریشان نہ ہو باجی! میرا یہاں نزدیک گھر ہے، میرے ساتھ چلو، اپنا بڑا بھائی سمجھو ہم کو آؤ، آؤ شاباش۔'' وہ نور کو بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے بولا۔

وہ ٹھس بیٹھی رہی، (خود پر حیرت بھی تھی کہ وہ اب تک حواسوں میں کیسے ہے، اسے تو اسی پل مر جانا چاہیے تھا جب وہ اسے اجنبی شہر اجنبی لوگوں میں چھوڑ گیا تھا)۔

''کیا سوچ رہی ہو باجی؟ آؤ ناں شاباش گھبراؤ نہیں۔'' نور کے پاس واپسی کا کوئی راستہ بچا ہی نہ تھا جو وہ کچھ سوچتی، کھوئے کھوئے سے انداز میں اٹھی اور اس اجنبی کے ساتھ چل پڑی۔

☆☆☆

تین چار دن وہ اس شخص کے گھر رہی، وہ اس کی ہر ضرورت و خوراک کا خیال رکھتا، اس کا حال چال پوچھتا چلا جاتا۔

وہ اس دن کسی کام سے کمرے سے نکلی کے لاؤنج سے اس شخص کی آواز آئی، اس نے نور صبا کو اپنا نام فہیم بتایا تھا وہ اسے فہیم بھائی کہتی تھی۔

وہ کسی سودے کے بارے میں بات کر رہا تھا، کہ سودا مہنگا اور خوبصورت ہے اور تم کیسے کوڑھیوں کے دام دے رہے ہو، اسے دیکھ کر وہ چپ ہو گئے تھے، ایک ہفتے بعد فہیم بھائی کے ساتھ دو مرد اور اک ادھیڑ عمر عورت آئی تھی، فہیم بھائی نے اس کا سودا ان لوگوں کے ساتھ طے کر دیا تھا، ان کا تعلق کوٹھے سے تھا۔

نور صبا بہت گڑگڑائی اسے واسطے دیئے کہ تم نے مجھے بہن کہا ہے، بھلا کوئی یوں بھی بہنوں کے سودے کرتا ہے، اس نے جواباً قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

''ہم جیسے کسی کے بھائی نہیں ہوتے، ہمیں پیسوں سے غرض ہوتی ہے، بہن بھائی کس بلا کو کہتے ہیں ہم کیا جانے۔'' وہ بہت روئی منت سماجت کی، مگر کسی نے ایک ناں سنی اور اس کے بے مثال بے داغ حسن کو کوٹھے کی زینت بنا دیا گیا۔

پہلی بار جب اس کے پیروں میں بیڑیاں باندھی گئیں وہ زار و قطار روئی تھی، کہ اگر زمین و آسمان اپنے سینے میں دل رکھتے تو اس کے ساتھ نوحہ کناں ہو جاتے، اس نے اپنے سوتیلے رشتوں کو بہت یاد کیا تھا۔

چاہے وہاں اس پر ظلم ہوتا، اسے جانور سمجھ کر کام لیا جاتا، مگر وہ محفوظ چار دیواری تو تھی اس کے اردگرد، اسے یہ خوف تو نہیں ستاتا تھا کہ کوئی وہ دیواریں پھلانگ کر اس تک پہنچ جائے گا، اس کی عزت تو کم از کم محفوظ تھی۔

چاہے نام کا ہی سہی پر باپ نام کا سایہ سر پر موجود تھا، اس روز روز کی بے عزتی اور بے غیرتی کی موت سے تو وہ تکلیف کم ہی تھی۔

وہ تکلیف تو اس روز روز کی اذیت کے مقابلے میں بہت کم تھی بلکہ کچھ بھی نہیں تھی، ایک عورت دوسری عورت پر ظلم کیوں کرتی ہے، یہ آج تک اس کی سمجھ میں ناں آیا تھا۔

اگر اس کی سوتیلی ماں اس پر اتنا ظلم ناں کرتی، تو وہ کبھی اعظم کی محبت میں پناہ نہ ڈھونڈتی، نہ کبھی گھر سے فرار ہوتی، نہ ہی اس نئی خوشگوار زندگی کے خواب بنتی۔

اس اذیت بھری زندگی سے تو بہتر تھا کہ وہ چار بچوں کے باپ کو اپنا لیتی، کم از کم اس کی نسوانیت روز روز تو ناں سسکتی، اس کا حسن یوں روز روز اس طرح کا خراج ناں دیتا، عزت کی چار دیواری کا تحفظ حاصل ہوتا، عزت تو عورت کا حسن ہے، عزت جو عورت کا وقار ہے، جو عورت کی دولت ہے، تو جب عزت ہی عورت کے پاس

ناں رہے تو وہ کس کام کی؟ وہ تو پھر کھوکھلی ہے، ایسی زندگی بھی کسی کام کی نہیں، یہاں بھی مقدر نے اسے مات دے دی تھی، وہ چاہ کر بھی موت کو گلے سے نہیں لگا سکتی تھی۔

☆☆☆

وقت گزرتا رہا، اسی ماحول میں نور صبا نے دو بیٹیوں اور اک بیٹے کو جنم دیا، کسی تیز رفتار پہیے کی طرح گھومتے وقت نے ان تینوں کو بھی جوان کر دیا۔

تینوں ہی نور صبا کا عکس تھے، بلا کے حسین، نور صبا کا بڑھتی عمر نے کچھ ناں بگاڑا تھا، وہ آج بھی بے انتہا حسین دلکش و باوقار دکھتی تھی۔

مگر جو بھی اس دلدل میں اک بار پھنس جاتا، وہ دوبارہ نکل نہیں سکتا، انہوں نے کبھی اس ماحول کو قبول نہیں کیا، پہلے پہل وہ لوگ نور صبا پر تشدد کرتے تھے، پھر جب پہلی بار اسے زبردستی آمادہ کیا گیا تو وہ بھاگ نہیں سکتی تھی، اس پر کڑی نگاہ رکھی جاتی۔

وہ موت کو گلے لگانا چاہتی تھی مگر وہ اسے مرنے نہیں دیتے تھے، وہ جتنی حسین تھی اس مناسبت سے اس کی قیمت بھی زیادہ تھی، ہر کوئی اسے قریب سے دیکھنا چاہتا تھا، اس کی قیمت لگانا چاہتا۔

پھر اولاد کی زنجیر پیروں میں پڑی، اب تو وہ چاہتی بھی تو زہر نہیں کھا سکتی تھی، اب انہوں نے اپنے لئے نہیں اپنی اولاد کے لئے جینا تھا۔

وہ جیسی بھی تھیں، جس ماحول میں بھی پیدا ہوئے تھے، تھے تو ان ہی کے اولاد، ان کے وجود کا حصہ۔

اولاد کے جوان ہونے کے بعد وہ بالکل ریٹائر ہو گئیں، یہ کام تو ویسے بھی ان کی مجبوری تھا، اپنی مرضی سے تو نہیں کرتی تھیں۔

دن جیسے تیسے گزر جاتا، مگر رات کو تنہائی میں وہ بارگاہ الٰہی میں روتی گڑگڑاتی، اپنی نا کردہ گناہوں کی معافی مانگتیں، ساری رات وہ عبادت میں مشغول رہتیں۔

کوٹھے والوں کو تو ان کی بیٹیوں کا انتظار تھا جیسے ہی وہ جوان ہوئیں ان کو ان کی ماں کا کام سونپ دیا گیا۔

کوٹھے والوں کو بھی اب نور صبا کے کام سے کچھ غرض ناں تھا انہیں نور صبا کے توسط سے دو جوان حسین و فریش چہرے مل چکے تھے، یہاں لحاظ مروت کسی کام کی نہیں، بس پیسے سے غرض تھی ہر کسی کو۔

ان کا جوان حسین بیٹا جب طبلہ بجاتا اور اس کی بہنیں طبلہ کے تال پر ناچنے لگتیں، نور صبا کا کلیجہ شق ہو جاتا۔

وہ انہیں کیسے بتاتیں، کہ ان کی ماں اک پرہیز گار عورت کی اولاد تھی، باپردہ اور نمازی عورت اور خود ان کی بدنصیب ماں بھی اک عزت دار گھرانے سے ہیں، اسی پاکیزہ عورت کی اولاد۔

وہ ان تینوں کو کیسے بتاتیں کہ اس کوٹھے سے باہر جو دنیا ہے اس میں ایک ایسا طبقہ بھی بستا ہے جو عزت دار کہلاتا ہے، جو عزت کی زندگی کو ترجیح دیتا ہے، جس کے لئے عزت دار ہونا زندگی اور موت کی طرح سنگین ہوتا ہے اور جس کا حصہ کبھی تمہاری ماں بھی رہی تھی۔

وہ عزت دار طبقہ اس کوٹھے پر اور اس کے رہنے والے لوگوں پر تھوکتا ہے انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، ان کے لئے اس کوٹھے کی طرف دیکھنا بھی گناہ کرنے کے مترادف ہے اور اگر ان کو یہ معلوم پڑ جائے کہ یہاں اک بھائی طبلہ بجاتا ہے اور اس کی تاپ پر اس کی بہنیں

رقص کرتی ہیں تو وہ ایسے بھائی کو واجب القتل قرار دے دیں۔

اور یہ تینوں بدنصیب ایسے مگن ہیں، جیسے ان کی زندگی کا مقصد ہی یہی کچھ کرنا ہو، اس کے علاوہ ان کے لئے کوئی چیز اتنی اہم نہ ہو۔

ان کے لئے زندگی طبلے کی تاپ اور گھنگھروؤں کی جھنکار کے سوا کچھ بھی نہیں، یہاں کی یہ رونق اور شور شرابا ہی ان کے لئے اہم ہے، یہاں کسی نئے چہرے کا عروج، ماضی کے اک حسین چہرے کا زوال ہوتا ہے، یہی حسن جو عورت کے لئے اک اعزاز ہوتا ہے اور یہی حسن جو عورت کے لئے وبال جان بن جاتا ہے۔

یہ تینوں اگر جان جائیں عزت کی معیار زندگی کیا ہوتی ہے تو ان کو اپنے ہونے سے اپنے وجود سے بھی نفرت ہو جائے، یہ زندگی بھی میں نے ان کے لئے چنی ہے اور اب میرے سوا کوئی بھی ان کی اس طرز زندگی پر دکھی نہیں۔

یہ تینوں تو معصوم ہیں، یہاں سے باہر کی وہ حسین دنیا انہوں نے کب دیکھی ہے، اپنی من مرضی کی وہ پاکیزہ زندگی، یہ تو کچی مٹی کی مانند تھے جس شکل میں ڈھالا، ڈھل گئے۔

بچپن سے یہی ماحول دیکھا، ان کے اردگرد جو ہو رہا ہے اسی کو حقیقت جانتے ہیں، اس کام کے علاوہ دنیا میں جیسے اور کوئی کام ناں ہو، ان معصوموں پر یہ ظلم کرنے والی، ان کو یہ زندگی دینے والی دراصل میں ہوں، صرف میں۔

کسی کو بھی الزام نہیں دوں گی میں، ناں ہی میں وہ گھر چھوڑتی نہ ہی میں اس دلدل میں دھنستی، ناں ہی اولاد میری پیروں کی بیڑیاں بنتی، ناں ہی میں اس آگ میں بھڑ بھڑ جل رہی ہوتی، جو مستقل میرے تن من کو سلگائے رہتی ہے، کہ جس بھنور میں ساری زندگی میں دھنسی رہی، میری آئندہ نسل اس بھنور میں ڈوب جائے گی، کہ جہاں اچھائی اور برائی کا کوئی شعور ہی نہیں، کوئی یہ دکھ میرے دل سے پوچھے، کیسا ہوتا ہے؟ میری جیسی خواہشوں کی تتلیوں کے پیچھے بھاگنے والی سطحی لڑکیوں کا انجام میرے جیسا ہی ہوتا ہے، میں جو اک باپردہ پرہیزگار عورت کی بیٹی تھی، ایک عزت دار خاندان کی فرد، میں نے خود اپنے لئے یہ رستہ منتخب کیا، چاہے...... دانستہ یا ناں دانستہ، مگر قصوروار میں ہی ہوں۔

اس شخص کو بھی کوئی الزام نہیں دوں گی کہ جس کے خواب مجھے اس راہ پہ لائے، جس نے مجھے خواب دکھا کر بیچ منجدھار میں اکیلا چھوڑ دیا۔

☆☆☆

اک دن اماں رستے میں اس سے ٹکرا گئی تھیں، وہ کسی کام سے کراچی آئیں تھی۔

ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ گئی تھیں، جنہیں دیکھ کر کبھی گماں بھی ناں ہو، کہ وہ کبھی بہت طاقتور رہا کرتی تھیں۔

نور صبا سے گڑگڑا کر اپنی غلطیوں اور گناہوں کی معافی مانگ رہی تھیں، ابا کا انتقال ہو چکا تھا، صبوحی اور صنوبر اپنے گھر کی ہو کر بھی آسودہ نہیں تھیں۔

صبوحی کا شوہر نشے کا عادی تھا، وہ اپنا اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے کسی پرائیویٹ اسکول میں جاب کر رہی تھی، صنوبر دو بچوں کے ساتھ ماں کے گھر بیوگی کی زندگی بسر کر رہی تھی، دونوں کا بے حد برا حال تھا۔

ان کو اپنے گناہوں کا احساس بخوبی ہو چکا تھا اور اپنے کیئے کی سزا بھی مل رہی تھی۔

جب یہ اٹل ہے کہ برائی کا انجام برا ہے تو لوگ کیوں برائی کرتے ہیں؟ کسی کی ساری زندگی تباہ و برباد کر کے، آخر میں نادم ہو کر

گڑگڑاتے ہیں اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے ہیں؟ وہ اگر نور صبا کے ساتھ ظلم وزیادتی نہ کرتیں تو بہت سی زندگیاں تباہ ہونے سے بچ سکتی تھیں۔

نور صبا کیا کہتی، اب تو کچھ نہیں ہوسکتا تھا، وقت گزر چکا، جو ہونا تھا ہو چکا، نور نے انتقام لینا کب سیکھا تھا، ان سب کو معاف کر دیا، کیونکہ وہ جان گئی تھی ضمیر کی ملامت اور اس کا بوجھ کیا ہوتا ہے۔

☆☆☆

نور نے اپنی کہانی مکمل کر کے یوں گہری سانس بھری جیسے لمبی مسافت طے کر آئیں ہوں۔

دونوں کے پاس جیسے الفاظ ختم ہو چکے تھے، دونوں ہی گہری خاموشی کی زد پر تھیں۔

خلیل جبران کہتا ہے اور بہت ٹھیک کہتا ہے۔

''کہا جاتا ہے کہ زندہ رہنے کے لئے خوشی اک امر لازمی ہے، ایسی خوشی جو رنج کی گھڑی میں اپنے تصور ہی میں گزار دے، کہتے ہیں قدرت ہر وقت متبسم رہتی ہے اور مسرور مجسم ہوا مسرت سے اٹھکیلیاں کرتی چلتی ہے، لیکن کون کہتا ہے کہ قدرت رنج والم سے بے نیاز ہے ورنہ بادلوں کی آنکھوں سے پٹ پٹ آنسو کیوں گرتے ہیں؟ ہوا کے جھونکوں پر غم کا عنصر کیوں چھا جاتا ہے، پتے ساکت ہو جاتے ہیں، چاند کی زردی بڑھتی جاتی ہے اور حسین چاند اداس اداس، اکثر یہ کہہ کر تسلی دی جاتی ہے کہ اگر موسم سرما آ سکتا ہے تو بہار کیا کہیں دور رہ گئی؟ لیکن اس پر بھی کبھی غور کیا جاتا ہے کہ بہار کے بعد خزاں کس انداز سے آتی ہے، افسردہ سا ماحول لے کر اور بلائے جان بن کر، پتے شاخوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر علیحدہ ہو جاتے ہیں اور پرندے آشیانوں میں نہاں، تر و تازگی کی بجائے بے سرو سامانی چھا جاتی ہے اور عیش و مسرت کی جگہ رنج و کلفت، آہ، جب ناسازگی روزگار، کوہ عظیم کا قلب چور چور کر دیتی ہے اور وہ اپنے غم و غصے کا اظہار بڑے بڑے پتھر لڑھکا کر کرتا ہے، موسم پر بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تو انسان کو تو پھر ہستی ہی کیا ہے۔'' خاموشی کو توڑنے میں پہل ان کی ہم نام اداس آنکھوں والی لڑکی نے کی تھی۔

''تعجب ہے زندگی کا یہ انتہائی سفاک پہلو بھی ہوسکتا ہے میں حیرانگی کی انتہا پر ہوں، ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر دکھی ہوتے ہیں، کتنے خوش نصیب ہے ہم اور پھر بھی اتنے بے خبر۔''

''آپ کو تو دیکھ کر لگتا ہی نہیں کہ اتنی مکمل عورت کے اندر اک دریا موجزن ہوسکتا ہے، غم کا اک جہاں آباد ہوسکتا ہے۔''

''آپ کہ جس کو دیکھ کر کوئی بھی رشک کر سکتا ہے اس بات سے بے خبر کہ اپنے اندر کیسے کیسے دکھ چھپائے بیٹھی ہیں۔'' دکھ سے اس کی آواز بھرا گئی وہ خاموش ہوگئی تھی۔

''قیامت جو اک لفظ لگتا ہے، مگر اس کے اندر کتنے معنی اور مفہوم چھپے ہوئے ہیں یہ کوئی مجھ بدنصیب سے پوچھے، جس کی سزا ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہی۔'' نور صبا کے صبیح چہرے پر آنسوؤں کی لڑی پھیلتی جا رہی تھی۔

اک بار پھر دونوں کے درمیان خاموشی در آئی، ہر سو رات کے تاریک سائے پھیل گئے تھے، فضا میں خشک پتوں کا شور اک عجیب سی پراسراریت پھیلا رہا تھا۔

فضا کے سکوت کو پھر اسی اداس آنکھوں والی لڑکی نے توڑا۔

''کل میں اسی جگہ آپ کا انتظار کروں گی،، آپ کو کسی سے ملوانا ہے مجھے۔''

☆☆☆

گھر جا کر نورصبا نے اپنے پاپا سے ماضی کی نورصبا کی ساری داستان کہہ سنائی، وہ ان کی کہانی میں اپنے پاپا کا نام سن کر ہی چونک گئی تھی مگر کچھ بولی نہیں، اسے اپنے سوالوں کے سارے جواب مل گئے تھے، اپنے پاپا کے بے اعتنائی کا جواز مل گیا تھا۔

وہ درد اور اداسی جو اسے اپنے پاپا کے سحر انگیز سیاہ آنکھوں میں ہلکورے لیتی محسوس ہوتی تھی وہ سمجھ آ گئی تھی۔

کتنے عظیم تھے اس کے پاپا جنہوں نے اپنی ماں کے حکم کو اپنی محبت اور زندگی پر ترجیح دی اور کبھی حرف شکایت لبوں پر نہ لائے، وہ یہ دکھ اور بے سکونی تھی جو ان کو در بدر گھومنے پر مجبور کرتی رہی اور وہ ساری زندگی بزنس کے سلسلے میں ملکوں ملکوں پھر کر خود کو مصروف رکھنا چاہتے تھے۔

کتنی شکایتیں تھیں اسے اپنے باپ سے، مگر اب اسے اپنے باپ پر ترس آ رہا تھا۔

ان کی آنکھوں کے کنارے ہمیشہ سرخ لکیر کی موجودگی کس دکھ کے سبب تھی اسے اب سمجھ آ چکا تھا۔

محبت کو پا کر کھو دینا کتنا بڑا سانحہ ہے، یہ وہی جان سکتا ہے جس پر بیتی ہو یا جس نے اپنے کسی پیارے کو اس عظیم سانحے سے گزرتے دیکھا ہو۔

اس کے پاپا نے اپنی محبت کا نام اپنی بیٹی کو دیا تھا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ ان کی محبت میں کتنی سچائی تھی جسے وہ بھول نہ پائے تھے، کڑی سے کڑی ملتی گئی اور وہ اسے جوڑتی گئی، وہ کوئی دو سالہ بچی نہیں تھی، اک سمجھدار لڑکی بن چکی تھی۔

☆☆☆

اداس آنکھوں والی لڑکی کے سامنے اپنے باپ کے ماضی کا پردہ الٹ چکا تھا۔

اس نے اس خوبصورت اور باوقار خاتون کو دیکھا جو دکھوں کے گرداب میں دھنسی کھڑی تھی اور اپنے گریس فل پاپا کو دیکھا، جو بے حد آزردہ اور شرمندہ سر جھکائے محبت کی عدالت میں کھڑے تھے۔

وہ محبت کے مجرم تھے، اس عورت کے مجرم تھے، جس کا خوبصورت وجود گندگی میں لتھڑ چکا تھا، جیسے گندے تالاب میں خوبصورت کنول کا پھول، وہ ایک دوسرے کے سامنے ایسے خاموش کھڑے تھے، جیسے صدیوں سے ایسے ہی کھڑے رہیں ہوں اور جیسے ان کی زبان کے یہ زنگ آلود تالے کبھی نہیں کھلیں گے۔

وہ اداس آنکھوں والی کم عمر مگر ذہین سی لڑکی ان کو اکیلا چھوڑ کر جا چکی تھی۔

کہ اس کے گریس فل پاپا محبت کی عدالت میں اپنی صفائی پیش کریں، انہیں معافی مل جائے، ان کی نا ختم ہونے والی یہ سزا ختم ہو جائے، وہ ناسمجھ یہ نہیں جانتی تھی کہ محبت تو اک ایسی اسیری ہے کہ اس میں کوئی بھی گرفتار ہونا چاہے گا، یہ جذبہ جو اک پر لطف سا درد جگاتی ہے دل میں اور اگر اس محبت میں نارسائی کا دکھ ملے تو کیسا انوکھا درد ہوتا ہے۔

دل کے اک مخصوص گوشے میں محبت کی یاد کے چراغ صدا جلتے رہتے ہیں، اک کسک ہمیشہ رہتی ہے، یہی کسک جو محبت کو دل سے نکلنے نہیں دیتی، یہی کسک جو انسان دل میں دفن کیے اس دنیا سے فنا ہو جاتا ہے اور اسی کسک کو کچھ کم کرنے کے لئے اعظم ہمدانی اس عورت کے روبرو کھڑے تھے، جس کی تباہی کا سبب وہ بنے تھے۔

انہیں آج بھی وہ لمحہ اچھی طرح یاد تھا کہ جب انہوں نے اک پری چہرہ لڑکی کو اپنی چاہت

کا مان دیا تھا، وہ محبت کی شدت سے تمتماتا چہرہ لئے ان کی راہ تھک رہی تھی، کہ دونوں محبت کی وادی میں ساتھ قدم رکھے، وہ اسے انتظار کی سولی پر لٹکا کر پلٹ آئے تھے۔

وہ رات، اجنبی شہر، اجنبی لوگ، اس معصوم لڑکی نے کس قیامت سے گزاری ہو گی؟ یہی روگ ہمیشہ ان کے دل کو بے چین کیئے رکھتا، وہی محبت سے جگمگاتا چہرہ، آنکھوں میں انتظار کی جوت جگائے چہرہ، ان کی راتوں کی نیندیں چرا لیتا، اس سیاہ دن سے لے کر آج تک ان پر چین وسکون کی نیند حرام تھی۔

کیا کیا ناں سوچا تھا، کہاں کہاں ان کی متلاشی نگاہوں نے اس لڑکی کو ناں ڈھونڈا ہو گا، جب بھی اس سے سامنا ہو، وہ اس کے پاؤں پکڑیں گے، کہ انہیں معافی مل جائے، یہ بے سکونی یہ اذیت ختم ہو جائے، ضمیر کی اس چبھن سے رہائی مل جائے، اب سارے الفاظ، ساری سوچیں کہیں کھو گئی تھیں۔

''میں بہت شرمندہ ہوں تم سے، مجھے معاف کر دو۔'' ان سے جھکا ہوا سر اور جھکی نظریں ناں اٹھائی گئیں۔

گرے بال ان کے وقار میں مزید اضافہ کر رہے تھے، کبھی اس شخص کی سنگت کے خواب دیکھے تھے نور صبا نے۔

''زمین ہو کر آسمان کی تمنا کرنے چلی تھی میں۔'' اک تکلیف دہ مسکان ان کے لبوں پر آئی تھی، انوکھا لاڈلہ، کھیلن کو مانگے چاند، جب اک لڑکی کی سوچ باغیانہ ہو جائے اور بغاوت پر اتر کر اپنی زندگی کے سارے فیصلے اپنے ہاتھ میں لے لے، اپنی مرضی کا راستہ چن کر سراب کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتی جب وہ اک مقام پر ٹھہر کر، ہاتھ آگے بڑھا کے سراب کو تھامنا ہی چاہتی ہے کہ اس سرے پر ہی گہری کھائی میں جا گرتی ہے، وہ بہت شور مچاتی ہے، واویلہ کرتی ہے، مگر یہ گہری کھائی خود اس نے اپنے لئے منتخب کی ہوتی ہے۔

جس سے ناں وہ خود کو نکال پاتی ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا اس کی مدد کو نے کو آتا ہے۔

''آپ کس بات پر شرمندہ ہیں؟ کس بات کی معافی مانگ رہے ہیں مجھ سے؟ جبکہ آپ نے کچھ کیا بھی نہیں، میں خود اس راہ پر چلی تھی، میں نے خود اپنے لئے یہ رستے چنے تھے، یہ سراسر میرا اپنا ذاتی فعل ہے، میں نے جو کیا اس کی سزا ملی، میں نے جو بویا، وہی کاٹ رہی ہوں اور آخری سانس تک کاٹوں گی۔

''اک لڑکی کے لئے اس کے گھر کی چار دیواری ہی محفوظ پناہ اور ماں باپ ہی گھنا سایہ ہیں، چاہے وہ جیسے بھی ہوں اور یہی میں ناں سمجھ سکی۔''

''اس رات جب میں تنہا رہ گئی تھی اور آج تک کی زندگی میں، میں نے کبھی آپ کو قصور وار نہیں ٹھہرایا، آپ کو اپنی بربادی کا ذمہ دار نہیں سمجھا، گھر چھوڑنے کا فیصلہ میرا اپنا تھا، اپنے قول وفعل کا ذمہ دار انسان خود ہوتا ہے، انسان کو ہر فیصلہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے اور میرے انہی ہاتھوں نے مجھے تباہ وبرباد کر دیا، پھر بھی اگر آپ خود کو اس ناکردہ جرم کے مرتکب سمجھتے ہیں تو آپ کی تسلی کے لئے بھی میں تیار ہوں، میں دل سے آپ کو معاف کرتی ہوں۔'' اک بار پھر گہری خاموشی ان کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔

جس بات کے لئے وہ ساری زندگی خود کو دوش دیتے آئے تھے، کیسے پل بھر میں نور صبا نے ان کو بری ذمہ قرار دے دیا تھا، جس بوجھ کی گٹھڑی کو وہ تمام عمر کاندھوں پر اٹھائے پھرتے رہے نور صبا نے پل بھر میں ہلکا کر دیا تھا۔

''کتنی عظیم عورت ہے یہ، آہ، میں واقعی اس کے قابل نہیں تھا، جبھی تو یہ مجھے نہیں ملی جس بات کے لئے میں خود کو ساری زندگی مجرم قرار دے کر مجرموں کی سی زندگی گزارتا آ رہا تھا کیسے یہ کہہ رہی ہے کہ کبھی مجھے اس نے مجرم گردانا ہی نہیں، اس کی نظر میں، میں کبھی مجرم تھا ہی نہیں۔''

آسمان نے ہر سو سرمئی اندھیری چادر پھیلا دی تھی۔

پرندے بھی شور مچاتے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے، پارک میں تا حد نگاہ خشک پتے بکھرے پڑے تھے۔

کہیں درخت سونے تھے تو کہیں ٹہنیوں پر اک آدھ خشک پتے لٹکے بس گرنے کو تھے۔

ان دونوں کے اندر بھی خزاں کا موسم اپنے جوبن پر تھا، اندر باہر اک سی اداسی و ویرانی چھائی ہوئی تھی، نور صبا آہستگی سے آگے بڑھیں خشک پتوں نے صدائے احتجاج بلند کیا، وہ ان کے پاس سے گزر گئیں۔

اعظم کو بے ساختہ وہ لمحے یاد آ گئے جب نور صبا ان کے پاس سے خوفزدہ کانپتے قدموں گزر جاتی تھی۔

آج وہ کیسے مضبوط قدم جماتیں، اعتماد سے ان کے پاس سے گزریں تھی، وقت وقت کی بات ہوتی ہے، وقت جو ایک سا نہیں رہتا صدا ناں ہی جذبات اک سے رہتے ہیں۔

''آپ سے میری اک درخواست ہے اپنی بیٹی کو وقت کی اک اور نور صبا بننے سے بچا لیجئے گا، بہت معصوم ہے وہ۔'' اپنی پشت پر ان کو نور صبا کی ضبط کی منزلوں سے گزرتی لرزتی آواز سنائی دی تھی، ان میں پلٹ کر نور صبا کی طرف دیکھنے کا حوصلہ ناں تھا۔

اور جب پلٹے تو بہت دیر ہو چکی تھی، وہ بہت دور جا چکی تھی، اس کے پل پل دور ہوتے مضبوط قدم اعظم ہمدانی کو اپنے دل کو روندتے محسوس ہو رہے تھے۔

حال کی نور صبا نے باپ کی طرف دیکھا، اسے ان کی شاندار شخصیت برسوں کی بیمار لگی، انہیں اس وقت سہارے کی ضرورت تھی، اس نے آگے بڑھ کر ان کا مضبوط بازو تھاما اور چل پڑی۔

ان سے بہت آگے وہ عظیم عورت تھی، جو اعظم ہمدانی کے دل میں اونچا مقام رکھتی تھیں، ان کی نظروں اور ان کے دل میں جس کا مقام اور بھی عظیم ہو گیا تھا، جس سے گناہ سرزد ہوا اور وہ اس پر ڈٹی نہیں بلکہ اعتراف کیا کہ وہ قصور وار ہے۔

جو ہمارے طرح کی دوہرے معیار کی ناں تھی، جو اس معاشرے کی عورت کے لئے گالی سمجھی جاتی تھی، جس کو یہ معاشرہ قبول نہیں کرتا، جو طوائف کہلاتی ہے، جو خاندانی طوائف نہیں تھی، جس کو ان کے اپنے غلط فیصلے اور ہمارے درمیاں موجود بھیڑیوں نے گالی بنا دیا تھا۔

کچھ لوگ دکھوں کو سہنے کے لئے ہی اس دنیا میں آتے ہیں، خوشی کا ان کے پاس کوئی گزر نہیں ہوتا۔

ایک شے ہوتی ہے قسمت، جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہوتی ہے مگر دوسری شے ہے اختیار، جو ہمیں بھی دیا گیا، یہی برے کی پہچان ہمارے اندر رکھ دی گئی، جب ہم اپنے اختیار سے کچھ غلط کرتے ہیں تو پھر واویلہ بھی خوب کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ برا ہوا مگر نور صبا نے ایسا کچھ نہیں کیا، کسی کو کٹہرے میں کھڑا نہیں کیا بلکہ وہ جان گئی تھی کہ قسمت سے انحراف کرنے والوں کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔

☆☆☆

سدرۃ المنتہیٰ

بارہویں قسط کا خلاصہ

عمارہ اور امرت گوہر کے جذبات امر کلہ کے لئے دیکھ کر متفکر ہیں۔

عمارہ، امر کلہ کو تلاش کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔

نواز حسین، علی گوہر کو کبیر بھائی سے ہوئی پہلی ملاقات کا احوال بتاتا ہے، پھر واپسی پر وہ مزار کی طرف لمبے سفر پہ جانے کا بتاتا ہے۔

ھالار، علی گوہر، پروفیسر غفور کھانے کے دوران جب وقت اور تاریخ کی بات ہوتی ہے تو فنکار کو سکتہ ہو جاتا ہے۔

حنان، امرت کو اپنے ساتھ شادی کی شاپنگ پر لے جاتا ہے راستے میں وہ اس کے گھر سے واپسی پر گھر کا ماحول رہن سہن دیکھ کر بہت گھبرا جاتی ہے، راستے میں دونوں کا جہیز کے نام پر جھگڑا ہو جاتا ہے اور امرت گوہر کو وہاں پا کر اس کے ساتھ چلی جاتی ہے۔

امرت کی ماں کو خفیہ خانے سے ایک ڈائری ملتی ہے۔

امرت اور عمارہ، ھالار کے ساتھ ہسپتال پہنچتی ہیں جہاں فنکار قابل رحم حالت میں ہے۔

نواز حسین کو مزار کے پاس اندھیرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے، اسے ایک سیاہ کپڑے کی گٹھڑی ہلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

تیرہویں قسط

آنکھیں موندلی جائیں اور نیند مہربان ہو جائے، کیا خوش قسمتی سمجھی جاتی ہے، انہوں نے آنکھیں موندیں تو کئی آنسو لڑھک کر بہہ گئے اور کہیں کونوں کھدروں میں کوئی گردن کے پاس، کوئی کالر میں جذب ہو گیا کوئی تیرتا ہوا چہرے پر پھیل گیا، ہونٹ بند کیے ہوئے وہ آنکھیں موندے لیٹے تھے اور کچھ ہی لمحات میں ہلکا سا خراٹہ گونجا اور سر نے جنبش کی نیند کی نشانی واضح تھی، علی گوہر نے عمارہ کو باہر آنے کا اشارہ کیا، وہ باہر آئی۔

''آؤ نیچے ایک کپ کافی پی کر آتے ہیں۔'' وہ اسے نیچے کیوں لے کر جا رہا تھا، وہ کہنا چاہتی تھی کہ امرت اکیلی ہے مگر اس سے پہلے اس نے کہہ دیا وہ بچی نہیں ہے۔

امرت کمرے کے ساتھ بنی بالکونی میں آ گئی اور ھالار اس کے پیچھے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔

''جو کام ایلوپیتھی کی دوائیں نہ کر پا رہی تھیں وہ آپ نے کر دیا ان کو سلانے کا۔'' وہ آہستگی سے بات کر رہا تھا۔

''وہ جب سو کر اٹھیں گے تو اچھا محسوس کریں گے۔'' وہ کہتا ہوا کچھ آگے آیا۔

''میں نہیں جانتا آپ ان کو کب سے جانتی ہیں شاید کچھ ماہ سے، اصل میں ابا نے مجھ سے کبھی ذکر نہیں کیا آپ کا، ورنہ علی گوہر کا ذکر تو کرتے تھے۔''

اسے بس بات کرنے کا بہانہ چاہیے تھا امرت سے۔

''جو کہنا چاہتے ہیں وہ کہہ دیں، مجھے صاف بات کرنے والے پسند ہیں اس سے کم از کم کوئی الجھتا نہیں ہے۔'' یہ بات عمارہ نے کہی تھی جو اس نے ابھی دہرائی، حقیقت میں خود اس کی بھی یہی سوچ تھی۔

''امرکلہ کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔'' اس کی زبان کیوں نہ ہکلائی، وہ بات کرتے ہوئے جھجک کا شکار کیوں نہ ہوا۔

''اس نے یہ کہنے سے پہلے سو دفعہ نہیں تو دو دفعہ کیوں نہ سوچا۔'' امرت کو مڑ کر اس کی طرف دیکھنا پڑا۔

''آپ نے کہا تھا آپ اسے زیادہ جانتی ہیں، مجھ سے زیادہ۔''

''آپ سے زیادہ تو اسے ہر کوئی جانتا ہے، علی گوہر، پروفیسر صاحب، پروفیسر غفور، کبیر بھائی سب ہی، آپ کتنا جانتی ہیں، کب سے جانتی ہیں؟''

''اس سے پہلے جب آپ پہلی بار اس کی زندگی میں آئے تھے اس سے بہت پہلے۔'' امرت نے تلخی سے کہا اور کمرے سے نجانے کیوں باہر نکل آئی، جہاں علی گوہر، عمارہ کھڑے تھے۔

''کیا ہوا؟ گھر چلیں؟'' عمارہ نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ یہ کیوں چاہتا ہے کہ میں اسے امرکلہ کے بارے میں بتاؤں کیوں چاہتا ہے وہ اب، میں نے کہہ تو دیا کہ اس سے پہلے کہ جب وہ اس کی زندگی میں آیا تھا، اس سے بھی پہلے۔'' امرت، امرکلہ کے نام پر اتنی ہی جذباتی ہو جاتی تھی۔

''گھر چلتے ہیں۔'' عمارہ نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''چلو میں تم دونوں کو چھوڑ آؤں گھر۔'' گوہر نے امرت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''چابی لے جاؤ علی گوہر۔'' ھالار نے دروازہ کھول کر جھانکا تھا اور چابی اس کی طرف بڑھائی۔

''فجر تک آجانا بس۔''

''تم جاگتے رہے ہو، اب باری میری ہے، فجر پڑھ کر آجانا تاکہ ابا کو گھر لے چلیں صبح کو۔''

یہ سب کہتے وہ کسی کی طرف بھی دیکھنے سے پرہیز کر رہا تھا سوائے گوہر کے۔

گوہر نے چابی لے لی تھی اور وہ تینوں چپ چاپ نیچے تک آئے تھے پھر ھالار نے دروازہ بند کر دیا اور کرسی پر سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔

آنکھیں مونددی جائیں اور نیند نہ آئے، بدقسمتی سمجھا جاتا ہے، ھالار کی آنکھیں خشک تھیں، مگر دل کیوں رو رہا تھا۔

اسے سرخ کوٹ میں ٹہلتے ہوئے خزاں کے موسم کی وہ پہلی شام یاد تھی، جب وہ امر کلہ سے ملنے آیا تھا۔

☆☆☆

سنگ مرمر کی سلاخوں کے پیچھے سسکیاں دب گئیں اور نواز حسین کی نظر جیسے سورج سے ٹکرا کر پلٹتی ہے بعض دفعہ اندھیرے میں بھی یہی حال ہوتا ہے کہ نظر دھندلا کر واپس پلٹتی ہے، مگر کچھ دیر بعد نظر اندھیرے میں جگہ بنانے میں کچھ کامیاب ہو بھی جاتی ہے۔

وہ سلاخوں کو تھامے اٹھا اس سے پہلے کالی چادر والی سیاہ مخلوق اپنا پر گھماتی ہوئی دروازے سے باہر ایسے نکلی جیسے پنجرے سے پرندہ پھڑکتا ہے، پھر وہ سامنے چھوٹا سا صحن تھا اور ساتھ میں وسیع قبرستان بھی، بدروح جیسے قبرستان میں کھو گئی تھی۔

وہ اٹھا اس نے تعاقب کیا اور کچھ فاصلے پر جا کھڑا ہوا، قبروں کے درمیان وہ کھلی جگہ تھی جہاں وہ بیٹھی تھی، اسے لگا وہ ہاتھ بڑھا کر چادر چھونے کی کوشش کرے گا تو سایہ غائب ہو جائے گا، وہ پیچھے بیٹھ گیا اور بلاوجہ گلہ کھنکارنے لگا۔

''نواز بھاء کیا چاہیے، لو جی سیاہ مخلوق بھی بولتی تھی، آواز تو جانی پہچانی تھی پھر کیسے نہ منہ سے نکلتا اس کا نام امر کلہ، کاش مجھے کوئی عائشہ کہے، کوئی کہے زینب اور کوئی جویریہ، کبھی کلثوم، کبھی آمنہ، کبھی مریم، کبھی فاطمہ، کاش کہ ایسا ہو، مگر نہیں ہوگا، وہ تو مر گئے۔'' وہ ابھی تک پشت کیے بیٹھی بات کر رہی تھی۔

''میری بہن امر کلہ۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکا۔

''قبروں کے درمیان وقت گزارنا کیسا لگتا ہے نواز بھائی؟'' وہ اب اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

''بہت ہولناک، ہر ایک آدمی یہی کہے گا، مجھے اگر یہاں سلام کرنے کا حکم نہ ہوتا تو شاید ہی میں آتا اور آتا بھی تو دن میں، رات کو میں نے کبھی قبرستان میں قیام نہیں کیا ہے۔''

''میں نے بھی اس سے پہلے کسی قبرستان میں قیام نہیں کیا مگر اب خود کو عادت ڈال رہی ہوں۔'' وہ چل کر مزار کے بیرونی احاطے سے گزر کر وسیع برآمدے کے کھلے دروازوں کے ستونوں کے پاس آکھڑی تھی اور نواز حسین اس کے پیچھے پیچھے آیا تھا۔

''کبیر بھائی کہتے تھے تم یہاں آؤ گی اور اندر جا کر سلام کرو گی۔''

''میں چاہتی تھی انہوں نے جو کہا ہے اسے کر دکھاؤں، نواز بھائی کسی صوفی کے مزار پر آنے کے لئے مذہب کی کوئی قید نہیں ہوتی یہاں پر کئی طرح کے ہندو بھی دیکھے جا سکتے ہیں، ہر وہ انسان جو مذہب رکھتا ہے وہ پرستش کی خواہش لئے لئے پھرتا ہے، فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ کوئی ہر کسی کے سامنے جھک جاتا ہے اور کوئی اسی کے سامنے جھکتا ہے جس کے آگے جھکنا واجب ہے، میں نے جھکنے میں ایک عجیب طرح کی لذت کو بیدار ہوتے ہوئے محسوس کیا ہے، جھکنے میں شاید عافیت ہے۔''

نواز حسین ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، سامنے امر کلہ دوسرے ستون کے پاس ٹک گئی، وہ دونوں کھلے دروازے میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

''میرے اندر باتوں کا سمندر بہہ رہا ہے نواز بھاء، دل چاہتا ہے کہ اتنا بولوں کو تھک جاؤں، مگر تھکنے سے پھر بھی ڈرتی ہو، سمجھ نہیں آ رہا دل سکون کے کنارے آ لگا ہے یا پھر بے چینوں کے سمندر میں ڈوب گیا ہے، کیفیت جب طاقت ور ہو جائے تو معنی کھونے لگتی ہے، پہچان کھونے لگتی ہے، حواسوں کی جھنجھٹ سے باہر نکل جاتی ہے، احاطے توڑ ڈالتی ہے۔'' اسے بولتے بولتے کھانسی آنے لگی، پھر چپ ہو گئی۔

''پھر کہو میری بہن۔''

''چپ بہت اچھی ہے، پردے نہیں کھولتی، راز راز رہنے دیتی ہے، ڈانٹ پڑ جائے گی نواز حسین، ڈانٹ پڑواؤ گے کیا؟'' وہ اسے مصنوعی خفگی سے جھڑکنے لگی، نواز مسکرا دیا۔

''اب تم کہو، تمہیں کوئی نہیں ڈانٹے گا نواز بھائی۔''

''تم سے معافی مانگنا چاہ رہا تھا میری ادی، میرے گھر میں جو تکلیف تمہیں پہنچی۔''

''ایسا نہ کہو بھاء پھر تو میرے ذمے بھی بہت کھاتے نکل آئیں گے، کس کس کے پاس جا کر معافی مانگوں گی۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

☆☆☆

''یہ وہی تھی نا جس کے لئے تم اپنا لنچ لے جایا کرتی تھیں، یہ وہی لڑکی تھی جس کی بیماری کے لئے تم نے زیور چرایا تھا۔''

عمارہ کو یاد تھا، حالانکہ وہ زیادہ اس سے مانوس نہ تھی مگر پھر بھی خالہ جب نانی سے آ کر اس کی باتیں کرتیں، امرت کی شکایتیں تو وہ اپنے حصے کی چارپائی پر کتابیں پھیلائے بظاہر اپنا کام کرتے ہوئے ان کی ہر بات توجہ سے سن لیتی بلکہ ان کی باتیں اس کی توجہ کھینچ لیتی تھیں۔

''ہاں وہ امر کلہ ہی تھی، مگر زیور میں نے چرائے نہیں تھے وہ میرے اپنے تھے میرے نام کے میرے حصے کے، مگر مجھ سے چھین لئے گئے، میں نے ان میں سے ایک انگوٹھی چرا لی تھی بلکہ چھپا لی تھی۔'' امرت نے ونڈ اسکرین سے نظر ہٹاتے ہوئے اسے جواب دیا۔

''وہ وہی ہیرا آباد کی پرانے محلے والی کوٹھی میں ہی رہتی تھی یا گھر بدل لیا تھا۔''

''آخری بار میں اسے وہیں ملی تھی، پھر اس کے ٹھکانے بدلتے رہے اس سے آگے گوہر کو پتہ

ہوگا، وہ کہاں رہی۔'' اس کا اشارہ گوہر کی طرف تھا جو گاڑی کو پرانے محلے کی سڑک کی طرف ڈال چکا تھا۔

''گوہر ہم کہاں جارہے ہیں؟'' عمارہ چونکی۔

''امرت تمہیں کوٹھی نمبر اور گلی یاد ہوگی، کیا گاڑی اس گلی تک جاسکتی ہے؟'' اب علی گوہر، عمارہ کے بجائے امرت سے مخاطب تھا۔

''تم ہوش میں تو ہو، رات کے اس پہر، پھر کون ہوگا وہاں، کیا وہ ہوگی؟'' عمارہ پھر چیخی۔

''گاڑی ایک گلی آگے تک روک دینا۔'' آگے بہت بڑا ہول تھا مین گٹر کا، امرت کی نظریں رستے پر تھیں۔

''تم دونوں پاگل ہوچکے ہو کیا؟'' عمارہ پھر چلائی اور بے کار چلائی۔

گاڑی ایک جگہ پارک کرکے وہ دونوں اترے نا چاہتے ہوئے عمارہ کو بھی اترنا پڑا، علی گوہر نے گاڑی لاک کی۔

ایک ایمرجنسی لائٹ اٹھائی اور امرت کی طرف دیکھا ایسے، جیسے کوئی کوئی سپاہی آفیسر کا اشارہ چاہتا ہوا ٹیک کرنے سے پہلے، امرت نے گلی کی جانب اشارہ کیا اور تینوں آگے بڑھے۔

''مجھے تو لگ رہا ہے تم لوگ چور پولیس کا کھیل کھیل رہے ہو، کاش امرت میں تمہیں آج نہ بتاتی مجھے کیا پتہ کہ میری ساری رات گھر کے بجائے سڑک پہ گزرے گی۔'' عمارہ بوکھلائی ہوئی تھی۔

وہ دونوں اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے اور گلی کے موڑ کے آگے ایک خستہ مکان جس کے لکڑی کے دروازے پر ایک موٹا سا تالا لگا رہتا تھا آج تالا کھلا ہوا تھا، بلکہ ٹوٹا ہوا تھا، علی گوہر نے تعجب سے تالے کو دیکھا ہاتھ میں لے کر۔

''یہ گھر شاید کسی ڈاکو کا نشانہ بن چکا ہے، اسے تالا کھولنا، بلکہ توڑنا آتا تھا، یہ کام اسے اس کے باپ نے سکھایا تھا، وہ چور تھا۔'' امرت نے تالے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

گوہر نے دروازہ کھولا، وہ اس کے ساتھ اندر آئی۔

عمارہ ڈرتے چھپتے اردگرد دیکھتے کہ آیا کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔

جاسوسوں کے بھی جاسوس ہوتے ہیں، سوچتی ہوئی اندر آئی، امرت نے بڑے سے کمرے کی کھڑکی میں ٹارچ گھمائی جو خالی تھا ایک ٹوٹی چارپائی پڑی تھی اور ایک سنگھار میز، پھر اس سے ملحقہ کمرہ چھوٹا سا اسٹور نما کمرہ، جس کا دروازہ پہلے سے کھلا تھا، وہ گوہر کے ساتھ اندر آئی، پلنگ پر چادر کا ایک صاف کونہ اور پھر سلوٹیں بے شمار۔

گوہر نے جھک کر فرش سے کوئی چیز اٹھائی، ایک ٹوٹی چوڑی اور ایک کان کی بالی، دوسری بھی یہیں مل گئی، اس نے ہتھیلی پر رکھ کر امرت کے سامنے کیں۔

''وہ یہاں آئی تھی؟'' امرت کی آنکھوں میں نمی تھی، اس نے دیکھا پلنگ کے نوک دار سرے سے ایک کالی چادر کا کونہ اٹکا ہے، اس نے کونہ کھینچ لیا، تھوڑا وہیں رہ گیا، تھوڑا ہاتھ لگ گیا، ناک کے قریب لے جا کر سونگھا۔

''یہ اسی کی خوشبو ہے جسے اس نے اوڑھ رکھی تھی، وہ یہاں آئی تھی گوہر، وہ اس دن کے بعد

زندہ تھی۔'' گوہر کا لہجہ کھوکھلا تھا۔

''اور اب...... کیا وہ پھر کہیں خودکشی کرنے......'' امرت کہہ نہ پائی گوہر نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا، ٹوک دیا۔

سامنے ایک دیوار سے ملحقہ پرانا گیٹ تھا، جس کے خانے کھلے تھے دو چھوٹے پٹ وا تھے اور ایک میرون کلر کی ڈائری سو رہی تھی۔

''یہ میں نے اسے دی تھی۔'' اس سے پہلے گوہر اٹھاتا، امرت نے کہا اور ڈائری لی تھی، اسے جھاڑا تو گرد اڑی اس کی کھانسی شروع ہوگئی۔

''آہستہ...... یہاں کسی کو ہماری موجودگی کا احساس ہوا تو تھانے بھجوا دیں گے ڈاکو سمجھ کر۔'' عمارہ جو پہلے سے ڈری تھی سہم گئی۔

''خدا کے لئے نکلو اب۔'' وہ بار بار دروازے سے باہر دیکھ رہی تھی، مبادا کوئی ان کی تلاش میں آنہ گیا ہو یہاں تک۔

''یہ تم رکھ لو، تم اسے پڑھ لینا، تمہیں زیادہ اچھا لگے گا، پڑھنے کے بعد ہم دونوں کا مذاق اڑانے کا موقع بھی مل جائے گا۔'' اس نے ڈائری گوہر کی طرف بڑھا دی، گوہر نے کسی قیمتی متاع کی طرح دل سے لگالی جیکٹ کے اندر والی جیب میں محفوظ کر لی۔

امرت نے اس کی ٹوٹی چوڑی جو چاندی کی تھی اور سونے کی وہ بالیاں جو اس کی ماں نے کمیٹی ڈال کر پیسے جمع کر کے اس کے لئے بنوائیں تھیں، وہ اپنے پرس میں محفوظ کر لیں۔

''پتہ نہیں وہ لوگ کہاں ہونگے، کیسے محلہ چھوڑ گئے۔'' وہ تینوں باہر نکل آئے تھے۔

''وہ یہاں آئی تھی، ہوسکتا ہے پھر آئے، ہمیں آتے رہنا چاہیے۔''

''پھر شاید نہ آئے امرت۔'' علی گوہر نے گاڑی کھولی، وہ دونوں پیچھے بیٹھ گئیں۔

''میں اسے ڈھونڈنے اب کہیں نہیں جاؤں گی، یہاں تک وہ خود ایک دن میرے پاس آجائے۔'' امرت کی آنکھوں میں نمی اور لہجے میں شکایت تھی۔

علی گوہر نے ایک لمحے کے لئے اس کی طرف دیکھا پھر سامنے نظر لگا دی نظر ٹکانا مجبوری تھی۔

''کبیر بھائی چلے گئے، پروفیسر غفور بھی نہیں، فنکار کے گھر تو جیسے وہ سیدھا سلام کرنے آئی تھی، گھر سے وہ نکل گئی ہے تو اب کہاں ہوگی۔'' گوہر سوچنے لگا۔

''وہ جہاں بھی ہو ہماری بلا سے، اسے ہماری نہیں پرواہ گوہر، تم اسے نہیں ڈھونڈو گے، بس بہت ہو گیا۔'' امرت کو غصہ تھا۔

''تم یہ ناراضگی دکھانے کا حق رکھتی ہو، میں نہیں، فی الحال مجھے کوئی جگہ نہیں سوجھ رہی جہاں میں اسے تلاش کروں گا، شاید اب نہ کروں، وہ میرے سامنے نہیں آتی، چھپ جاتی ہے، کہیں کونوں کھدروں سے اس کی آنکھیں مجھے دیکھتی ہیں، جو میں محسوس کرتا ہوں مگر اس نے میری وجہ سے طلسم چڑھا رکھا ہے، جس کا اثر مجھ پر ہی ہوتا ہے۔''

''تو یہ طے ہوا کہ ہم اسے نہیں ڈھونڈیں گے؟'' گوہر نے معصومیت سے پوچھا لہجہ سرد تھا، خفا ہونے کا کچھ حق اسے بھی تھا۔

''یہ طے ہوا۔'' امرت نے سر سیٹ سے ٹکا لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

''تو کیا یہ بھی طے ہوا کہ ہم اس کے بارے میں پریشان نہیں ہونگے، کوئی بات نہیں کریں گے، سوچیں گے تک نہیں، یہ طے کرنا مشکل ہے گوہر مگر کوشش کرتے ہیں ایسا ہی ہو۔'' امرت نے کہتے ہوئے آنکھیں کھولیں، آنکھیں دکھ رہی تھیں۔

''ہم دور نکل آئے بلاوجہ، گھر پہنچنے میں آدھا گھنٹہ مزید لگے گا، پھر وہاں سے فجر پڑھ کر نکلوں گا، (سب کچھ بکھرا بکھرا سا کیوں ہے)۔'' اس نے اپنے خالی دل سے پوچھا جہاں بہت پہلے اس کی نظریں پشت پر محسوس کرتے ہوئے دل سے کچھ ٹوٹ کر گرنے کی آواز آئی تھی۔

وہ جو ٹوٹا تھا، وہی دل تھا، باہر اندھیرا تھا، گاڑی میں فل والیم سے موسیقی پھیل گئی تھی، آدھا گھنٹہ گزارنا دشوار ہوا جا رہا تھا۔

نال سجن تیڈے لکیاں دیداں
نال رانجھن تیڈے لکیاں دیداں
اساں عشق دا کلمہ بھر بیٹھے
اساں سردا سودہ کر بیٹھے

مس یاسمین ہوتی تو سر دھنتی، یہاں کون تھا جو سر دھنتا۔

لکھیا جیویں قسمت کیتا
پیالہ عشق دا بھر کر پیتا
رنگ لگایا رانجھے مینوں

گوہر نے پلیئر بند کر دیا، اب خاموشی گانے لگی۔

کون چیخ چلا کر جھٹلاتا
رنگ لگایا رانجھے مینوں

نام تھا رانجھے کا، مگر ہر کسی کو اپنی اپنی محرومی نچائے ہوئے تھی، دل نے گھنگھرو باندھ لئے تو رقص نے روح کو جھنجھوڑ ڈالا، ایک سرد جنگ ہر جگہ چھڑی ہوئی تھی، دل صرف اذان فجر کے احترام میں تھما ورنہ اس کا یہ بھر بھروسہ کب تھا۔

☆☆☆

''انہوں نے تمہیں بہت ڈھونڈا، بہت تلاش کیا، اس دن وہ سب ساتھ تھے، میں بھی تھا وہاں پر اپنے گھوڑے تانگے سمیت۔''

''کون...... تھا...... کون کون۔'' اس کے حلق میں جیسے ہڈی پھنس گئی۔

''عبد الحادی، اس کا بیٹا ھالار بھی، علی گوہر بھی، عمارہ بھی، امرت بھی، سب تمہارا نام لیتے رہے۔'' رورونے لگی۔

''امرت تمہاری دوست تھی نا۔''

''امرت...... اس سے زیادہ اچھا دوست شاید کوئی نہ ہو، کہیں نہ ہو، میں نے اس کے ساتھ برا کیا، وہ بہت خفا ہو گی مجھ پر۔''

''کاش وہ مجھے مرنے کی بد دعا دے سکتی، اس نے میرے زندہ رہنے کے لئے کیا نہیں کیا جو ایک انسان کے بس میں ہوتا ہے، میں نے اسے ہمیشہ رلایا، کاش اسے میرے زندہ ہونے کا پتہ نہیں ہوتا، کاش وہ مجھے وہ گھڑی نہ دیتی، اب مجھے پھر سے درد رہنے لگا ہے، پتہ نہیں موت اتنا انتظار کیوں کرواتی ہے، زندگی سے زیادہ بے وفا ہے۔''

''موت ایک منتقلی ہے امر کلہ، آپ ایک دور سے دوسرے دور میں پہنچتے ہو، وہاں بھی زندگی کے امکانات پائے جاتے ہیں، ہم تب ہی منتقل ہونا چاہتے ہیں جب ہم اس زندگی کو نبا ہنے میں ناکامیاب ہوتے ہیں، موت ٹیومر کی یا حسرت کی محتاج نہیں ہوتی، اس میں اللہ کی مرضی شامل ہوتی ہے، آپ کو وقت دیا گیا ہے، اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا کام یہاں باقی ہے۔''

''اپنا کام انجام دینے کی کوشش کریں نہ کہ ساعتیں گنیں، یہ تھیوری فنکار کی سمجھ میں بھی نہیں آتی، یہ تھیوری آج سے پہلے میری سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی، میں کہتا تھا یا اللہ کیا تو نے مجھے صرف تانگہ چلانے کے لئے بھیجا ہے یہاں پر، لوگ تو بڑی بڑی موٹریں چلاتے ہیں، لوگ تو ہوائی جہاز بھی چلاتے ہیں اور نواز حسین تو...... تو تانگے تک ہی محدود رہنا۔''

''پھر ایک دن کبیر بھائی نے مجھے بلا کر ڈانٹا اور کہا تیری شکایت ملی ہے نواز حسین، تو یہ سوچتا ہے کہ تیری ترقی ہونی چاہیے، پگلے تیری ترقی تو ہو گی مگر فی الحال تو یہ جو تانگہ لیے پھرتا ہے نا اس میں کتنوں کا بھلا ہے، بات سواری کی ترقی کی نہیں ہوتی بات ہوتی ہے کسی کا رستہ آسان کرنے کی، کسی کو منزل تک پہنچانے کی، کچھ لوگوں کو اس کام پر رکھا جاتا ہے کہ وہ رستے آسان کریں اور یہ بہت بڑی سعادت ہوتی ہے عبادت سے بھی بڑھ جاتی ہے۔''

''تو نے جو اس دن فلاں عورت کو گھر تک پہنچایا تھا جسے بغیر پیسے کہ بس میں جگہ نہیں مل رہی تھی، وہ بروقت نہ پہنچتی دوا لے کر تو اس کا بچہ مر جانا تھا، زندگی تو اس کی لکھی گئی، پر وسیلہ تم ہوئے، اب بھی شکوہ نہ کرنا، ہاں ترقی کا دل چاہے تو دو نفل پڑھ لینا ترقی تیری ہو جائے گی، مگر سواری کی ترقی ہو گی، تو وہی ہو گا، تیرا کام وہی۔''

''اس دن کے بعد میں نے شکوہ نہ کیا نہ ہی ترقی کے لئے دو نفل پڑھے، بہت دفعہ دل چاہا نفل پڑھ لوں، پر سوچا ابھی نہیں ایک دن گھر میں ذکر کیا قرضہ لے کر بڑی گاڑی خریدنا چاہتا ہوں، سب نے اس سے پہلے حساب لگانا شروع کر دیا، کہ نواز کی آمدنی بڑھے گی تو یہ کام کر لیں گے، وہ کر لیں گے، سو کام نکل آئے جن کے لئے سو سال بھی بڑی سواری چلاتا تو شاید ہی پورا ہو پاتا خرچہ، حساب کیا تو میرے کھاتے میں بس مشقت ہی نکلتی تھی، میرے پاس شاید اتنے پیسے بھی نہ بچتے تھے جو کہ اب بچ جاتے ہیں، اب بھی کبھار گھر والے یہ ترس کھاتے ہیں کہ بیچارہ کرتا ہی کیا ہے تانگہ ہی تو چلاتا ہے، پیسے ختم ہو جاتے ہوں گے مگر تب یہ ترس بھی نہ کھاتے، سو چا میرے لئے تانگہ ہی اچھا ہے فی الحال تو، اگر اسی سے روزی روٹی ملی جاتی ہے۔''

''پھر ایک دن میرا تانگہ تمہارے کام آیا، پھر علی گوہر کو زخمی حالت میں اٹھا لایا۔''

''کب؟'' علی گوہر زخمی ہوا تھا۔

''ہاں کسی کو تلاش کرنے میں جب ناکام ہوا تو گر گیا سر پہ چوٹ آئی گھر لے آیا اسے،

دوسرے دن لے گیا اسے فنکار کے گھر جہاں لمحے میں سارے جمع ہو گئے، رستے میں پروفیسر غفور بھی ملے انہوں نے کوئی چٹ تھمائی گوہر کو، وہ بول رہا تھا۔" امر کلہ کی سانس جیسے تھم گئی تھی۔

پھر کہنے لگا کہ امانتیں لوٹانی ہیں، اس نے گٹھڑی فنکار کو دی مگر امرت نے اچک لی۔

"شکر ہے، جس کی امانت تھی اسے مل گئی۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر چھوڑ دی۔

"شکر کے لفظ کی کیفیت کس قدر میٹھی ہوتی ہے، مٹھاس بھر دیتی ہے اندر، لمحے کو سکون کی لہریں سارے جسم کے اندر دوڑ جاتی ہیں، کاش کہ ہمیشہ کے لئے ٹھہر جائیں تو بندہ پر سکون ہو جائے۔"

"میں سب کی مجرم ہوں، سب کا سامنا کرنے سے کتراتی ہوں، مجرم سامنے سے ڈرتا ہے، ڈرتی ہوں اس وقت سے جب تقدیر کٹہرے میں نہ لا کھڑا کر دے، سب کے سامنے، کیا کہوں گی نواز بھائی، بہت بری ہوں۔"

"وہ سب جن سے آپ ڈرتی ہیں میری ادی، وہ سب آپ سے محبت کرتے ہیں، کوئی ڈھونڈتے ڈھونڈتے زخمی ہو جاتا ہے، کوئی راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں کرتا ہے۔"

کوئی علی گوہر ہے

کوئی امرت ہے

وہ ھالار کا نام لیتے لیتے رک گیا تھا۔

"اس نے یہ کہا ہو گا کہ میں نے دھوکہ کیا ہے۔"

اسے علی گوہر نے کوٹ لوٹا دیا، اس نے زمین پر پھینک دیا، اس کے ابے نے سینے سے لگا دیا وہ کوٹ، اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے، وہاں کھڑے سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"میری آنکھوں میں بھی آ گئے۔"

تصویر جیسے پھر سے ساکت تھی، امر کلہ اور نواز کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"ان سب سے میری طرف سے معافی مانگنا نواز بھائی، مگر میرے ٹھکانے کا نہیں بتانا، جانتی ہوں ان سے بھاگ رہی ہوں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں، اس سے پہلے کہ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں ہو سکتا ہے اس سے پہلے وہ لوگ مجھے معاف کر دیں۔"

"ان سے ملو امر کلہ، ایک دفعہ تو مل لو۔"

"تم کیا سمجھتے ہو نواز بھاء اس دن سب کے ہوتے ہوئے صرف میں کیوں نہیں تھی، اس لئے کہ میری وہاں ضرورت نہ تھی جب میری ضرورت ہو گی تو میں وہاں موجود ہوں گی، مگر اس کے بعد کیا ہو گا؟"

"ان سب کو ایک بار پھر آزمائش میں ڈال دوں گی، علی گوہر گھر چھوڑ کر پریشان پھرے گا میرے پیچھے، امرت پھر سے میری زندگی کے لئے دن رات ایک کر دے گی، کوئی مجھ سے خائف ہو گا کوئی میرے لئے پریشان۔"

"انت کبھی نہیں سوچتے میری بہن، اختتام سوچنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے، جو خدا قبر میں بھی امن دے دیتا ہے وہ خدا زندگی کے کسی بھی کٹھن مرحلے میں قرار دے سکتا ہے۔"

''نواز بھاء، میں نہیں چاہتی ایک دفعہ پھر وہ سارے میری موت پر روئیں۔''

''اس سے زیادہ وہ اب رو رہے ہیں، کیا یہ اچھا نہیں کہ جئیں بھی تو اپنے پیاروں کے درمیان، مریں بھی تو ان کے لئے۔''

''نواز بھائی، یہاں سے جانے کو نہ کہو، کوئی کشش مجھے یہاں کھینچ لائی ہے اور چھٹی حس کہہ رہی ہے کچھ دن یہیں رکو، میں رکنا چاہتی ہوں، ان کو فی الحال نہ ہی پتہ چلے تو بہتر ہے وہ مجھے آکر لے جائیں گے اور پھر میری وجہ سے ان کے گھروں کا سکون تباہ ہو جائے گا، میں اس جگہ آن پہنچی ہوں، جہاں بے نام مسافر ٹھہرتے ہیں، ان سے یہ تو ہر کوئی پوچھتا ہے کہ کہاں سے آئے ہو، مگر یہ کوئی نہیں کہتا کہ کب تک رکو گے، کب جاؤ گے، یہ بے چین دلوں کا دار الامان ہے، جہاں مجھے امان چاہیے، جان کا خطرہ نہیں ہے نہ ہی دل کا، خطرہ کسی اور ہی چیز کا ہے، انت کا، انجام کا، اختتام کا، مگر تم نے آج کہا ہے کہ انت نہ سوچو، تو کوشش کروں گی نہ سوچوں۔''

فجر کی اذان ہونے لگی تھی، نواز حسین نماز کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور امر کلہ نے گھٹنوں میں سر دے دیا، دل بے تاب اسی سجدے کو ترس رہا تھا جو سجدہ ہزار سجدوں سے نجات دے دیتا ہے۔

☆☆☆

دن نکلتا ہے تو رات کی سیاہی چپ اوڑھ کر کسی کونے میں جا چھپتی ہے اور روشنی حرارت بھر کے کچھ زندگی کا پتہ دیتی ہے اور دے رہی تھی، اس نے پہلی نظر گھڑی پر ڈالی اور اٹھی کھڑکیاں بند تھیں اور دروازے بھی مگر روشنی کو چاہیے کہ درزیں چیرتی ہوئی گھس آئے اور کھڑکی کی درز سے روشنی پتلی لکیر کی صورت کمرے میں پھیلی ہوئی تھی، امرت نے پورا پٹ کھول دیا کھڑکی کا تاکہ روشنی کو اندر آنے کے لئے پوری جگہ مل گئی۔

تو گوہر کی دی ہوئی گولی کام کر گئی اور ساڑھے سات سے لے کر ساڑھے بارہ تک نیند پکی تھی پھر کچی اور ڈیڑھ بجے جب سورج پوری طرح روشنی دے رہا تھا اور اذان ظہر ہونے لگی تھی، اس نے سوئی ہوئی روشنی کے سبب کسمساتی عمارہ پر ایک نظر ڈالی تھی اور وضو کر کے ظہر ادا کی ظہر کے بعد وہ کمرے سے باہر آئی، چھوٹے سے گھر میں کس قدر سکون تھا جہاں نمود و نمائش کی کوئی جگہ نہ تھی، اس گھر کے مکینوں سے لے کر اینٹوں میں ایک عجیب رچاؤ تھا، گھر میں سے اپنائیت کی اصلی بو آتی تھی، احساس بہت اچھا تھا، وہ کچن میں آ گئی رات کا رکھا ہوا سالن بچا ہوا تھا، آٹا بھی تھا وہ نکال کر روٹی ڈالنے لگی پھر سالن گرم کیا جب تک عمارہ کمرے سے باہر آ گئی اور چوکی لے کر وہیں بیٹھ گئی۔

''تم کتنی اچھی ہو امرت سارا کچھ کر لیا اور مجھے آواز تک نہ دی۔'' دوسری چوکی امرت نے لی اور بیٹھ گئی۔

''سادگی میں کس قدر سکون ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے کھانا کھانے لگی۔

''اب تم نے کیا سوچا ہے، تم پھر اپنی چہیتی کے پیچھے تو نہیں جاؤ گی نا۔''

''میں اسے ڈھونڈنے نہیں جاؤں گی، میں تقدیر نامی چیز کو یہ ٹاسک دے رہی ہوں، وہ اسے کھینچ تک مجھ تک لائے یا پھر مجھے اس تک، ارادی طور پر میں نے ابھی ایسا کچھ نہیں کرنا، مگر میں اس کے لئے دعا کرنے سے خود کو نہیں روک سکتی نہ ہی یاد کرنے سے، کچھ باتیں انسان اپنی مرضی

سے نہیں کرتا، کچھ باتیں انسان پر مرضی چلاتی ہے۔"

"تم گھر جا کر بہت کچھ سوچو گی، میں چاہتی ہوں مت سوچو مگر ایسا ہو نہیں سکتا، تمہارا دوسرا مسئلہ حنان ہے جو کہ پہلا ہونا چاہیے، اس کے لئے تو تمہیں لازمی سوچنا ہوگا، تم نے مجھے آئیڈیا جو دے دیا ہے اسے ٹالنے کا۔"

"تو تم اسے ٹالو گی، مگر کب تک امرت، آخر سامنا تو کرنا ہے نا۔"

"ہاں کرلوں گی، مگر کچھ دن میں اس جیسے جھنجھٹ سے بچنا چاہتی ہوں، مجھے گھر جا کر وقار انکل سے بات کرنی ہے ان کا وکیل دو دن پہلے بھی آیا تھا۔"

"اس کا بیٹا بہت شور مچا رہا ہے، وہ مسئلہ سر پہ کھڑا ہے اس کے بعد نئے پرچے کا کام ہے، مگر وہاں تم میرے ساتھ جو ہو، مجھے اب تسلی ہے عمارہ۔" وہ روٹی ختم کر کے اٹھی۔

"اب چلنا چاہیے مجھے عمارہ، تم چلو گی ساتھ؟"

"نہیں گوہر آئے گا تو پریشان ہوگا بلاوجہ، پھر اماں ابا آجائیں گے چار بجے تک، جب تک میں گھر کا کچھ کام کرلوں گی اور پرچے کے سلسلے جو گھر لے آئی تھی اسے دیکھ لوں گی۔" وہ اٹھی برتن سنک میں رکھے اس کے ساتھ باہر آئی، امرت نے کمرے سے بیگ لیا اور سیل فون چیک کیا۔

"امی کی مسڈ کالز ہیں اور عبدالحنان کی ایک بھی نہیں ہے، یہ ناراضگی کا اظہار ہے۔" وہ کہتے ہوئے مسکرائی۔

"اور اسی میں عافیت ہے۔" عمارہ نے بے ساختہ کہا تو وہ ہنس دی، اسے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی تو عمارہ نے دروازہ بند کیا تب تک کھڑی تھی جب تک امرت دوسری گلی تک نہ پہنچ گئی تھی، وہ اندر آکر اپنے معمول کے کاموں میں لگ گئی، جب فون بجنے لگا اور بجتا ہی گیا، اس نے رسیو کیا تو آواز اجنبی تھی۔

☆☆☆

"حالی گڑبڑ تب ہوتی ہے جب ترتیب الٹائی جائے، محبت کی ترتیب ہی الٹا دی گئی ہو تو پہچان کیسے بنے گی اور پہچان نہ ہو تو تلاش کا مطلب مفقود ہو جاتا ہے، جب آخر کو اول یا اول کو آخر کر دیا جائے تو سب کچھ گڑبڑ ہو جاتا ہے، پھر ایسا ہی کرتے ہیں ھالار۔" وہ ہانپنے لگے تھے بات کرتے ہوئے، ھالار نے سہارا دے کر لٹایا، علی گوہر سوپ بنا لایا تھا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا ان کے پاس۔

"میں ٹھیک ہوں گوہر تم گھر جاؤ، عمارہ پھر پہنچ گئی تو تمہارے ساتھ ساتھ اب مجھے بھی ڈانٹ کھانی پڑ جائے گی۔" یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائے۔

"آپ کچھ کھالیں پھر چلا جاتا ہوں، عمارہ نہیں آئے گی، وہ دونوں فجر کے بعد سوئی ہیں لمبا سوئیں گی، پھر جب تک ابا جی اور اماں کی واپسی ہو جائے گی۔" وہ ان کو کھلاتے ہوئے تفصیل بتانے لگا، جب ھالار کا فون بجا تھا اور وہ سیل فون لیتا ہوا باہر نکل گیا، فنکار نے ایک نظر اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر گوہر کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم سے بہت راز کی باتیں کرنی ہیں گوہر۔"

"میں راز کی بات سننے کے لئے تیار ہوں۔" علی گوہر نے شرارتی انداز میں جھک کر سرگوشی

کی۔

''پہلے اپنے آپ کو انسان بنالو۔'' انہوں نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا تو وہ ہنس دیا یہ ہنسی برآمدے کے زینے پر بیٹھے ھالار کے کانوں تک پہنچی۔

''ہاں جوزف، ٹھیک ہوں، یہاں سب عجیب ہے، بہت سی باتیں، تمہیں کچھ نہیں سمجھ آئے گا میں خود بہت کچھ سمجھنے سے قاصر ہوں، بس ایسے لگتا ہے جیسے یہاں میری گھات لگائے بیٹھے ہوئے تھے سارے، میں ان میں بہت معمولی بہت عام سا لگنے لگا ہوں، لگتا ہے میری کوئی ضرورت نہیں ہے، میرا کسی سے کوئی رشتہ نہیں نہ تعلق، سب کچھ بہت الگ سا ہے، نہیں بتا سکتا کہ میں کتنا الجھا ہوا ہوں، تم کرسکو تو میرے لئے دعا کرنا۔'' اس نے اپنی بات ختم کی اور کمرے کی طرف آ گیا۔

''دوست کا فون تھا وہ واپسی کے بارے میں پوچھ رہا تھا، میں نے کہا شاید بہت جلد۔'' اس نے خود ہی بتا دیا اور فون رکھ کر اپنے سوٹ کیس سے کپڑے نکالنے لگا۔

''تم چاہتے ہو میں ایک دفعہ پھر تمہارے لئے تڑپوں، تمہاری شکل دیکھنے کو ترسوں، ایک لمبا انتظار پھر سے۔''

''شاید اب کی بار یہ سب نہ ہو، یہ سب لوگ ہیں نا آپ کے پاس آپ کا خیال رکھنے کے لئے، آپ میری سنتے کہاں ہیں اور نہ ہی میری کوئی بات آپ کو مطمئن کرتی ہے۔'' وہ بے ساختہ کہہ گیا تھا۔

''میں چلتا ہوں بارہ بج گئے ہیں، دیر ہو جائے گی، پروفیسر غفور کی خبر لینی ہے اس کے بعد گھر جانا ہے اماں ابا کے پہنچنے سے پہلے۔'' علی گوہر، ھالار کے تیور دیکھ کر فوراً کھڑا ہو گیا تھا سوپ کا آدھا پیالہ اسی طرح واپس رکھ کر۔

وہ چاہتے ہوئے بھی گوہر کو روک نہ سکے ھالار کا موڈ بہت خراب تھا جس کی کئی وجوہات تھیں مگر فی الحال سرفہرست علی گوہر کی یہاں موجودگی تھی۔

''وہ مجھے پہلے سے وہاں دیکھیں گے تو ان کو اچھا لگے گا، ویسے بھی اب ھالار آ گیا ہے ہماری کیا ضرورت۔'' وہ کہتے ہوئے اللہ کے حوالے کہتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

ھالار نے ایک عضیلی نظر اس پر ڈالی اور کپڑے لے کر واش روم میں گھس گیا۔

''پانی ٹھنڈا ہو گا ھالی۔'' انہوں نے وہیں سے اسے بتایا، اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، اس جواب میں پانی گرنے کی رفتار تیز ہو گئی تھی اور آواز باہر تک آ رہی تھی پانی کی۔

انہوں نے تھکی ہوئی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھا اور تھک کر ٹیک لگا لی تکیے سے، سب کچھ کتنا روکھا پھیکا سا کیوں لگنے لگا تھا جیسے احساسات سزائے موت کے ڈر سے چھپے ہوں۔

☆☆☆

عمارہ کے گھر سے وہ آئی تو ذہن میں کوئی ہنٹ مل رہی تھی کہ کوئی اہم کام ہے مگر فی الحال حنان سے کی ہوئی بحث دماغ پر حاوی ہو رہی تھی بار بار، کیونکہ ابھی کچھ دیر سے اس کے کئی ٹیکسٹ آئے ہوئے تھے الٹے سیدھے اور کئی خالی میسج تھے، اسے فوری طور پر کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے اسے، وہ گھر آئی تو ان کو نماز میں پایا وہ ظہر اتنا لیٹ پڑھ رہی تھیں، وقت ختم ہونے کو تھا، اس کی آواز سن

کر وقار صاحب نے اسے آواز دے کر بلایا تھا۔
''السلام علیکم انکل کیا حال ہیں؟''
''میں ٹھیک ہوں، تم آؤ مجھے تم سے بات کرنی ہے، بہت ضروری۔'' وہ کاغذات لے کر بیٹھے ہوئے تھے۔
''پراپرٹی پیپرز؟'' اس نے فائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔
''یس...... کم آن۔'' انہوں نے فائل اس کی طرف بڑھائی اس کے اندر آتے ہی۔
''یہ کیا ہے؟ آپ کی ٹوٹل پراپرٹی، تین دوکانیں، ایک فلیٹ، دو پلاٹس، ان میں سے عدنان کے نام ایک دوکان اور دو سو گز کا پلاٹ، یہ فیصلہ صحیح ہے آپ کا؟'' اس نے فائل دیکھتے ہوئے اعتراض کیا۔
''آگے پڑھو، ایک جو چار سو گز والا دوسرا پلاٹ ہے وہ عدنان کے علم میں نہیں ہے، وہ میں نے اپنے لئے اور تمہاری ماں کے لئے رکھا ہے، ہمیں اپنا بڑھاپا گزارنا ہے، میرا علاج اتنا مہنگا ہے، ہمیں اس سال حج پر بھی جانا ہے، ان سب کے لئے پیسہ چاہیے ہوگا، میں دو سو گز بیچ کر یا یہ چار سو گز کا پلاٹ سیل کر کے کوئی مکان یا پھر شاپ خریدنا چاہتا ہوں اور باقی کا پیسہ ہمارا حج، گھر کا بجٹ اور تمہاری شادی کے لئے کافی ہے۔''
''میں آپ کے نیک جذبات کی قدر کرتی ہوں مگر میرا ان سب میں سے شرعی یا قانونی طور پر کوئی حصہ نہیں بنتا، جو حق دار ہے اسے اپنا حق ملنا چاہیے۔'' اس نے فائل بند کر کے ان کی طرف بڑھائی۔
''دیکھا، میں نے کہا تھا نا یہ بہت ضدی ہے نہیں مانے گی۔'' وہ غالباً نماز ادا کر چکی تھیں، جبھی دوپٹہ کھول کر اوڑھتی ہوئی اندر آئیں۔
''تم چپ رہو، ہمیں بات کرنے دو۔''
''دیکھو اگر تمہارا حق نہیں ہے تو تم اپنی کمائی سے اس گھر کا راشن کیوں لاتی ہو، تم مجھے ہسپتال لے جاتی ہو، میرا ٹریٹ منٹ کرواتی ہو، میرے سارے کام کرتی ہو، اس گھر کو ایک بیٹے سے بڑھ کر اچھے طریقے سے سنبھال رہی ہو، تو کیا تمہارا اتنا حق بھی نہیں ہوگا مجھ پر۔''
''آپ اس سب کی تنخواہ دینا چاہتے ہیں مجھے۔''
''تم ہر بات کا الٹا مطلب کیوں لیتی ہو بیٹی۔'' وہ جیسے عاجز سے ہو گئے تھے۔
''یہ اس کی خاندانی عادت ہے۔'' وہ بولیں کچھ تلخی سے، ایسا کچھ بولتے ہوئے وہ اسے قطعی ماں نہیں لگتی تھیں فریق لگتی تھیں اپنی۔
''تم اسے زچ کرنا چھوڑ دو۔'' انہوں نے صنوبر بیگم کو گھر کا۔
''امرت میں یہ سب تمہیں اپنی مکمل رضامندی سے اور دل سے دے رہا ہوں اور کچھ خاص نہیں صرف ایک دوکان اور کچھ سرمایہ تمہاری شادی کے لئے، اس سے تمہارا فیوچر بن جائے گا۔''
''انکل فیوچر اگر پیسے سے بن سکتا تو سارے پیسے والوں کا مستقبل سنورا ہوا ہوتا اور کوئی غم انہیں چھو کر نہیں گزرتا۔''

''میں تمہیں اپنی بیٹی سمجھتا ہوں، سگی بیٹی کی طرح، میرا بیٹا نافرمان ہے بدتمیز ہے، مفاد پرست ہے، پلٹ کر خبر تک نہیں لیتا وہ میری، حال تک نہیں پوچھتا، بات تک ڈھنگ سے نہیں کرتا، جب بھی فون کرتا ہے مطلب کی بات کرتا ہے، ملنے آتا ہے تو دل دکھ کر رہ جاتا ہے، میرا دل چاہتا ہے میں اسے ایک کوڑی نہ دوں، محروم کر دوں اسے ایک ایک پائی سے، مگر میں اسے دے رہا ہوں، بس جو دے رہا ہوں وہ بہت ہے، اس سے آگے کی بات مجھ سے کوئی نہ کرے۔'' ان کی آنکھیں بھر گئیں تھیں پانیوں سے۔

''لوگ بیٹے مانگتے ہیں، مگر میں کہتا ہوں کاش میری کوئی بیٹی ہوتی، سگی بیٹی، تم جیسی، خوب سیرت، یا پھر تم ہی میری بیٹی ہوتیں، تو آج تم مجھے یہ نہیں کہتی کہ انکل میں اس سب کی حقدار نہیں ہوں، وہ میرا خیال رکھتی تو مجھے احساس نہ ہوتا کہ وہ دوہری ذمہ داری اٹھا رہی ہے، مجھے لگتا میری بیٹی ہے میرا اس پر حق ہے، میں جب چاہتا اسے ڈانٹ دیتا، سمجھاتا اور اسے میری بات ماننی پڑتی میری بات اس کے لئے حکم آخر ہوتی اور وہ میری کسی بات کو ماننے سے انکار نہ کرتی اور مجھ سے اپنی ساری باتیں منواتی۔'' امرت حیرت اور دکھ سے سنتی رہی اور کہہ نہ سکی کہ میں آپ کی وہی بیٹی ہوں۔

''بعض اوقات سچ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔''

''نہیں بلکہ ہمیشہ ہی سچ تکلیف دہ ہوتا ہے۔''

''مگر مجبوری یہ ہے کہ سچ پھر بھی ایسی حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا نہ ٹالا جاتا ہے، نہ بدلا جاتا ہے اور اگر اسے ٹالا جائے، تو یہ خفیہ دروازوں سے بھی سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔''

''اگر جھٹلایا جائے تو بھی، اگر بدلا جائے تو بھی اپنا اصل روپ نہیں کھوتا اور سارے جھوٹ کے لباس اتار کر اصل شخصیت کا آئینہ بن کر ہر وقت جتلاتا رہتا ہے۔'' وہ صرف اٹھی، ان کا ہاتھ تھاما بہت مضبوطی سے۔

''کاش میرا باپ میرے سامنے ہوتا اور مجھے یہ سب کہتا اور کہتا کہ کاش میری ایک بیٹی تم جیسی ہوتی، یا پھر وہ تم ہی کیوں نہیں اور میں کہتی کہ میرا باپ میرے سامنے ہوتا میرے لئے سوچتا پریشان ہوتا، آپ جیسا ہوتا اور شاید آپ ہی ہوتے، مگر یہ سب نہ کہنے کے باوجود بھی آپ میرے باپ نہ سہی، باپ جیسے ہیں، میں بیٹی نہ سہی بیٹی کی طرح ہی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے پتہ نہیں کیوں اس کی آنکھیں بھی گیلی تھیں۔

☆☆☆

''میرے گھر کے ٹیلی فون بحال ہو گئے ہیں، کیلنڈر آ گیا ہے علی گوہر گھڑی بھی لگی ہے، امرت ملے تو اسے بتا دینا۔''

کئی دنوں بعد فون کی رنگ بجی تھی، جیسے ویرانے میں بہار آتی ہے، جیسے اسکول سے چھٹی پر بچے دوڑتے بھاگتے جاتے ہیں، اسی طرح فنکار بچوں کی طرح فون کی طرف بڑھا تھا، رستے میں کرسی سے ٹکر ہوئی پھر سنبھلے، اف آئی کرنے کا وقت نہ تھا اس سے پہلے کہ آخری رنگ بند ہوتی انہوں نے جھپٹ کر فون اٹھا لیا۔

ھالار جو بظاہر کتاب چہرے پر رکھے سوتا ہوا بنا تھا ان کے کرسی سے ٹکر پر کتاب نیچے آ گئی آدھے کھلے دروازے سے جھانکا اور آہستگی سے اٹھا، دروازے کے درمیان اوٹ میں کھڑا ہو گیا اور دیکھنے لگا ایک آنکھ سے، تصور کیا، اس کا فون بھی کبھی اسی بے قراری سے اٹھاتے ہونگے کہنا چاہا تھا کہ سنبھل کر محبوبہ کا فون ہے کیا مگر فی الحال موسم سرد تھا۔

''اور سب ٹھیک ہے، ہاں وہ خفا ہے، اسے مجھ پر بہت غصہ ہے گوہر، وہ سمجھتا ہے میں نے اسے یہاں بلا کر گناہ عظیم کر دیا ہے، میں تو اسے کب سے بلا تا رہا تھا، مگر وہ نہیں آتا تھا، یقین جانو اس منظر نامے میں اسے خوف کھینچ کر لایا، نہیں بلکہ تقدیر کھینچ کر لائی ہے، وہ سمجھتا ہے، منظر میں نے بنایا جس میں تم تھے، سارے تھے، تم سب تھے، وہ سمجھتا ہے میں تنہائی کا ناٹک کرتا ہوں، میرے گھر پہ ہر وقت محفل سجی رہتی ہوگی اس کی غیر موجودگی میں۔''

''ایسا کچھ نہیں گوہر میں نے تنہائی کے بڑے دن گزار دیئے، مگر کبھی کبھار خدا کسی کو میرے پاس بھیج بھی دیتا تھا، گوہر...... اسے میری محبت پر یقین ہی نہیں رہا، بے مروت محبوبہ کا سا سلوک ہے میرے ساتھ اس کا۔'' ھالار جم گیا تھا دروازے کے بیچ، سن رہا تھا، ہول رہا تھا۔

''کھانا نہیں کھایا ٹھیک طرح سے، بغیر چائے پیئے باہر نکل گیا، اکیلے ناشتہ کر آیا، دیر سے آیا اور سو گیا یہ سوچے بغیر کہ میں کھانے پر انتظار کرتا رہا تھا، تم اسے کیا سمجھاؤ گے گوہر، جب تک وہ خود نہیں سمجھتا۔'' ھالار نے سامنے آ کر ایک کڑی نگاہ ان پر ڈالی جیسے شاباشی دے رہا ہو کہ بہت خوب اور آنکھوں سے ہی شکوے کہہ کر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا، وہ ریسیور ہاتھ میں لئے دیکھتے رہے، دوسری طرف گوہر ہیلو ہیلو کرتا رہا، مگر وہ کچھ نہ بول سکے سردیوں کے موسم بھی پتھر کی طرح جم گئے، یا پھر پتھر ہی ہو گئے، برف کا پتھر۔

☆☆☆

گوہر نے فوراً ھالار کا نمبر ڈائل کیا۔

''کیا ہے، کیا بات کرنی ہے، کیا سمجھانا ہے۔'' تلخی کھل کر سامنے آ رہی تھی، وہ کھل کر بول رہا تھا۔

''ھالار ان کے پاس جاؤ۔'' گوہر سڑک پر سے گزرتی گاڑی کا ہارن سن چکا تھا، اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ کہیں باہر ہے۔

''تم کون ہوتے ہو مجھے یہ سب کہنے والے۔''

''ھالار!'' اسے افسوس ہو رہا تھا اس کے لہجے پر۔

''وہ تمہارا باپ ہے ٹھیک ہے تم ہم سب سے برہم ہو مگر ان کو سزا نہ دو، ھالار بات کو سمجھنے کی کوشش کرو، احمق نہ بنو۔'' وہ کہتا رہا اور لائن کٹ گئی اس نے کئی بار ٹرائی کیا نمبر بند جا رہا تھا۔

''اب کیا ہوا؟'' عمارہ اس کے سامنے ہی کھڑی تھی۔

''ھالار اچھا نہیں کر رہا، ان کے ساتھ، اس طرح وہ مزید بیمار پڑ جائیں گے، وہ بمشکل ٹھیک ہوئے ہیں، وہ زندگی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔''

''اب تم نہ پہنچ جانا فوراً سے، وہ بیٹا ہے ان کا آپس کا معاملہ ہے خواہ مخواہ الجھتے رہتے ہو ہر کسی

کے معاملے میں، کوئی ضرورت نہیں ہے سب کے مسئلے سر لینے کی۔''

''تم اتنا زیادہ بولتے ہوئے ذرا نہیں جچتیں، ویسے میں نے سمجھا تھا کہ تم عقلمند ہوگئی ہو، مگر نہیں، قطعی نہیں، امرت کی صحبت شاید تمہیں بدل دے مگر کبھی نہیں۔'' وہ سیل فون پر ایک اور نمبر ڈائل کرنے لگا، نمبر بزی جارہا تھا۔

''اٹھاؤ فون۔''

''اب کس کو کررہے ہو، امرت کو؟'' اس نے بڑھ کر اسکرین دیکھی اس سے پہلے وہ فون جھپٹتی گوہر نے فون جیکٹ کی جیب کے قریب کرلیا، رنگ جارہی تھی۔

''تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم اسے پریشان کرنے لگے ہو اس کا کیا جاتا ہے اس سارے معاملے میں آخر، وہ پہلے سے کیا کم پریشان ہے، حد ہوتی ہے احمق پن کی۔'' وہ بول رہی تھی کال رسیو ہوگئی تھی، عمارہ اور بھی نجانے کیا کیا کہہ کر چلی گئی۔

گوہر نے فون کی اسکرین سامنے کی تو کال رسیوڈ تھی اور تیرہ منٹ چھ سیکنڈ نمایاں تھے، اس نے ساتویں سیکنڈ میں کال اینڈ کی اور سیل فون جیب میں ڈالا، جو پھر سے بجنے لگا تھا اور حسب توقع کال امرت کی تھی اسے فوری طور پر کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے اس لئے فون بند کردیا اب مورد الزام ایک حالار تو نہیں تھا وہ واقعی سوچنے لگا کہ اس نے امرت کو کیوں پریشان کررکھا ہے، وہ اسے کیوں سب بتانے لگا تھا۔

وہ واقعی پہلے کیا کم پریشان تھی۔

اس دوران اسے نہیں پتہ تھا کہ اس کے بند فون کو کوئی بار بار ٹرائی کررہا تھا، ایک امرت تھی اور ایک نواز حسین تھا۔

گوہر نے کمرے کی راہ لی، عجب مخمصے میں ذہن پھنس گیا تھا اس نے زور سے آنکھیں بند کرکے کھولیں۔

رنگ پھر سے بجنے لگی تھی پی ٹی سی ایل پر، اسے اندازہ تھا امرت کی کال ہوگی، اس نے سوچا اٹھے مگر عمارہ کی آواز پر وہ دروازے سے پلٹ آیا، کہ اس نے فون اٹھالیا تھا اب اسے جو دل میں آئے گا کہے گی۔

''ہیلو جی فرمایئے، آپ کون ہیں، کیا...... سمجھ نہیں آرہا، آواز نہیں آرہی، ہیلو...... ہیلو۔'' فون کٹ گیا، گوہر نے جھانک کر دیکھا دروازے سے۔

''کون؟'' بمشکل پوچھا۔

''پتہ نہیں کون پاگل ہے؟ دن میں بھی فون آیا تھا، آواز بہت کٹتی تھی، کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا، دو چار لفظ بس، پروفیسر غفور کا نام لیا اور پتہ نہیں کیا کیا کہہ رہا تھا، معافی مانگتی ہے، رابطہ کرے، سب کو یہ کہہ دے، اب بھی شاید اسی طرح سے کچھ کہہ رہا تھا۔'' عمارہ نے الجھے ہوئے انداز میں تفصیلی بتایا۔

''نام نہیں بتایا اس نے؟ آواز نہیں پہچانی تم نے۔'' وہ کمرے سے نکل کر باہر آگیا۔

''زیادہ سنی ہوئی نہیں لگ رہی تھی، نام شاید بتایا تھا سمجھ نہیں آیا مجھے آواز کٹ جو رہی تھی، آخر

میں اپنا نام بتا رہا تھا۔''
گوہر نے نمبر چیک کیا تو اجنبی ہی تھا، وہ سوچ میں پڑ گیا، فنکار اور ھالار سے ہٹ کر کون ہو سکتا ہے اس نے اپنا فون دیکھا جس پر ایک ٹیکسٹ آیا ہوا تھا۔
''پیارے بھائی گوہر، یہاں سگنل کا مسئلہ ہے، میرا فون خراب ہے کسی سے لے کر کر رہا ہوں، تم یاد آ رہے ہو، تمہارے ساتھ بہت راز کی باتیں کرنی باقی ہیں خدا سے دعا ہے کہ جلد ملاقات کا حکم ہو، تمہارا بھائی نواز حسین۔''
''اوہ نواز حسین کا فون تھا، اسے کوئی ضروری بات کرنی ہوگی ورنہ وہ نہیں کرتا اتنا۔'' گوہر بار بار نمبر ٹرائی کر رہا تھا۔
''لو جی تمہیں سب کا روگ لگا ہوا ہے، ایک چھوڑ و دوسری پریشانی لاحق ہو گئی، سارے جگ کے نانے ہو، بس ایک ماں باپ کی پرواہ نہیں ہے، جن کی ہونی چاہیے۔'' وہ پھر سے شروع ہو گئی۔
''اس نے یہ کہا کہ پروفیسر غفور کے پاس جاؤ؟'' وہ اس کی ساری گفتگو کو نظر انداز کر کے پوچھ رہا تھا۔
''اس نے کہا جہاں جہاں کوئی مصیبت زدہ دیکھو وہاں ایدھی کی ایمبولینس کی طرح پہنچ جاؤ۔'' وہ اس بار مسکرائے بنا نہ رہ سکا تھا۔
''اماں ابا سو رہے ہیں کیا؟'' اس نے سر پہ مفلر لپیٹتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھول کر جھکا نکا تھا۔
''ہاں بیٹے وہ سو رہے ہیں۔'' انہوں نے بتایا اور پھر سے تسبیح شروع کر دی تھی۔
''اماں میں کہیں جا رہا ہوں، آ جاؤں گا پریشان نہ ہوئیے گا سو جائیے گا آپ بھی۔'' انہوں نے ہاں میں سر ہلایا تو وہ عمارہ کی طرف دیکھ کر ایک بار مسکرایا اور چلا گیا۔
''آپ نے اسے جانے دیا۔'' وہ اندر آ گئی اور ان سے کہنے لگی، انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''کمال ہے، حد ہو گئی، اب جو وہ کرے وہ کرتا پھرے۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی غصے سے اس کے کمرے میں آئی اور کچھ نہ سوجھا تو گوہر کی الماری کھولی اور ڈائری سامنے رکھی تھی اس نے ایسے اٹھا لی جیسے بوریت میں کسی کتاب کا بہانہ چاہیے، وہ بڑے مزے سے جھولے میں کتاب لے کر بیٹھ گئی اور پڑھنے لگی یہ سوچے بغیر کہ امانت میں خیانت خدا پسند نہیں کرتا۔
پہلا ورق پورا سیاہ تھا جس پر کالی لکیریں کھنچیں تھیں، جیسے کوئی بچہ اپنی نوٹ بک پر غصے سے لکیریں کھینچتا ہے لکیروں سے اشتعال اور گڑبڑاہٹ واضح طور پر نمایاں تھی، اس نے کئی ورق الٹے پلٹے اسے ہمیشہ کہانی بیچ بیچ میں سے پڑھنے اور جلدی پڑھ کر ختم کرنے کی عادت تھی، اپنے اطمینان کے لئے وہ پہلے اختتام پڑھتی تھی پھر شروع سے پڑھتی تھی۔
اس نے اب بھی یہی کیا تھا۔
وہ پیج نمبر تین سو بیالیس پر رکی تھی اور رکی ہی رہی، کچھ فلسفے سمجھ سے باہر ہوتے ہیں اسے

ویسے بھی فلسفوں والی کہانیاں، موت اور ڈارک امیج والی کہانیاں۔
خطرناک اختتام والی کہانیاں سخت ناپسند تھیں اس کا دل کیا اس آخری صفحے پر ایسی ہی کالی لکیریں کھینچ لے، مگر نجانے کیوں اسے فوری طور پر یاد آ گیا کہ امانت میں خیانت خدا کو ناپسند ہے اسی خیال کے تحت اس نے ڈائری بند کی، مگر آخری جملہ اس کے دماغ پر برس رہا تھا۔

☆☆☆

یہ اچھی راز داری ہے
یہ اچھی پردہ داری ہے
جو آئے تمہاری بزم میں
دیوانہ .... ہو جائے

مزار کے احاطے سے کچھ باہر بیرونی صحن سے کچھ فاصلے پر جھاڑیوں کے نزدیک ایک سوکھے ہوئے درخت کے نیچے بھائی نواز حسین بیٹھا گا رہا تھا، امرکلہ احاطے کے اندر رک گئی اور سیدھے قدموں اس طرف آئی۔

تیری صورت سے نہیں ملتی کسی کی صورت
ہم جہاں میں تیری تصویر لئے پھرتے ہیں
تو نے دیوانہ بنایا تو میں دیوانہ بنا
اب مجھے ہوش کی دنیا میں تماشا نہ بنا

وہ احاطے کے اندر سے پیدل چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اسی درخت کی دوسری طرف بیٹھ گئی۔
نواز حسین درخت کی اوٹ سے اٹھا اور گاتا ہوا بیرونی گیٹ عبور کر گیا، امرکلہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھ کر سرد آہ بھری۔
''تو اب نواز بھاء تو بھی اپنی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، امرکلہ تیرا اب کیا ہوگا؟ اٹھ اور اپنے لئے کوئی بندوبست کر، زندگی صرف کھانے پینے سونے جاگنے اور رونے کا نام نہیں ہے۔''
اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہاں سے باہر نکل کر نواز حسین کا پیچھا کرے مگر رات کے ایک خواب نے روک لیا تھا، رات کے سیاہ سینے میں صرف ایک سسکاری اور التجا تھی اور کوئی جیسے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔
کون اس کا پیچھا نہیں کرتا تھا، ایک امرت، ایک علی گوہر، ایک پروفیسر غفور کی شفقت اور محبت۔
اس نے سوچا کون ہوگا جو اسے ڈھونڈتا ہوا آ رہا ہے اسے پتہ نہیں تھا کہ کون ہے جو اسے ڈھونڈتا ہوا آ رہا ہے، دل اپنی بے چینوں کے عروج پر تھا۔
بھاء نواز کی آواز کھو گئی تھی اور اس کی بازگشت رہ گئی تھی، دل کے اندر، بہت اندر، بہت ہی اندر، جہاں دل قلب کی صورت اختیار کرتا ہے، وہاں تک۔

(جاری ہے)

☆☆☆

شام شہر یاراں
ڈاکٹر نازش امین

بعض نام اور چہرے بھولے نہیں جاتے، وقت اور فاصلے یادرکھنے کا پیمانہ نہیں ہوتے، شاید اس لئے بھی کچھ لوگ ہماری زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں، پھرانہیں یاد کرنے کے لئے بہانوں کی ضرورت نہیں ہوتی کراچی کے موونپیک ہوٹل کے کمرے میں صبح کا اخبار دیکھتے ہوئے اسے بے اختیار ازمینہ شمس یاد آئی تھی، آج ایک بڑے ادبی میلے کا افتتاحی دن تھا اور ازمینہ شمس کسی ادبی میلے میں شریک نہ ہو یہ کچھ ناممکن سی بات تھی۔

زین منصور نے ایک لمحے کو اپنی دھڑکن کو بڑھتا ہوا سا محسوس کیا، سات سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا، کیا سات سال کے بعد وہ واقعی اسے دیکھ پائے گا؟ اور تب کیا ہوگا اگر اس نے اسے پہچاننے سے ہی انکار کر دیا یا پھر پہچان لینے کے باوجود وہ اس سے ملنے کی ہی روادار نہ ہو؟

بہت سے خود رو سوالوں کے جواب ڈھونڈتے اس نے میٹنگ میں جانے کے لئے تیار ہونا شروع کیا بہرحال یہ میٹنگ ہی وہ وجہ تھی جس کے لئے وہ کراچی آیا تھا۔

اسے اس شہر سے کچھ خاص انسیت نہیں تھی مگر جب بھی وہ کراچی آتا اور ائیر پورٹ سے باہر نکلتا اسے یہ احساس گھیر لیتا تھا کہ وہ اس شہر میں کہیں موجود یہاں کی ہواؤں میں سانس لیتی ہے۔

میٹنگ کے طے شدہ سنجیدہ ماحول میں بھی وہ اس امکان کو نہیں بھولا تھا، اپنے آئی پیڈ پر ادبی میلے کا پورا پروگرام کھولے وہ سکرین پر زیادہ اور میٹنگ کی طرف کچھ کم ہی متوجہ کیا۔

شام چار بجے اس کے لکھے انگریزی ناول کی افتتاحی تقریب تھی، وہ لکھتی تھی یہ تو وہ جانتا تھا مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ پروفیشنل ادیب بن چکی ہوگی۔

اس نے سکرین پر نظر آنے والا وقت دیکھا، بارہ بج چکے تھے اور اسے کسی بھی حال میں چار بجے کارلٹن ہوٹل پہنچنا تھا، سات سال بعد ہی سہی اس نے ازمینہ شمس کے روبرو جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

اور اگر وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ ہوٹل کارلٹن پہنچتے ہی اسے وہ نظر آجائے گی تو وہ پاگل تھا، وہاں تو ایک جم غفیر تھا اور گویا ایک دنیا آمڈ آئی تھی اس ادبی میلے میں، صرف کراچی سے تعلق رکھنے والے، ادب کے شوقین ہی وہاں نہیں تھے، وہاں تو ملک کے مختلف کونوں سے لوگ آپہنچے تھے، بیرون ممالک سے آنے والے مہمان ان کے علاوہ تھے۔

کارلٹن کی وسیع اور خوبصورت عمارت کئی ہزار گز پر پھیلی تھی اور اس عمارت کو چاروں جانب سے سبزے کے قطعوں نے گھیرا ہوا تھا، مگر جو بات اسے دیگر ہوٹلوں سے مختلف بناتی تھی وہ ہوٹل سے جڑا سمندر کا کنارہ تھا، جہاں سے ایک تو پر لطف ہوا کے نرم جھونکے آتے تھے اور دوسری جانب اس کے کنارے لنگر انداز وہ مختلف کشتیاں بھی تھیں جو آپ کو سمندر کی سیر کی دعوت دیتی دکھائی دیتی تھیں۔

ہر عمر، ہر طبقے، ہر رنگ، ہر تناسب کے لوگ اور صرف لوگ ہی لوگ، طرح دار خواتین، مرد حضرات، نوجوان نسل کے نمائندہ افراد، کون نہیں تھا وہاں اور سب ہی مصروف، ایک ہال سے دوسرے ہال میں آتے جاتے ہوئے، کتابوں سے شالز پر بھاؤ تاؤ کرتے ہوئے یا فوڈ سٹالز سے لطف اندوز ہوتے ہوئے۔

کچھ لمحوں کے لئے تو زین منصور کو یہ بھی بھول گیا کہ وہ وہاں آیا کیوں تھا، اسے بہت

خاموش اور پر تکلف سی میٹنگ کے بعد یہ ماحول نہایت دلچسپ لگا تھا شاید یہی وہ کراچی تھا کی خوبصورتی یا کشش تھی جسے ازمینہ شمس چھوڑ کر پھر اسلام آباد واپس نہیں آسکی تھی۔

شام کے چار بجنے والے تھے، ازمینہ کی کتاب کی رونمائی ''مہاراجہ'' ہال میں ہو رہی تھی، وہ ہوٹل کی نیم دائرے نما لابی میں گھومتا ہوا ''مہاراجہ'' تک پہنچ گیا تھا، مگر اندر پہلے ہی اس قدر رش تھا کہ بیٹھنے کو تو کجا کھڑے ہونے کی بھی جگہ مشکل سے ہی بن پا رہی تھی، کافی جدوجہد کے بعد اسے ہال کے دائیں کونے میں کھڑے ہونے کی جگہ مل پائی۔

سامنے اسٹیج بنا تھا جہاں تین کرسیاں، میز اور مائیک رکھے تھے مگر ابھی تک وہاں کوئی نہیں تھا، زین کو لگا اس کی سانسیں کچھ بے ترتیب ہو رہی تھیں، اس نے ایک بار پھر ہاتھ میں پکڑا میلے کا پمفلٹ دیکھا یہ وہی مہاراجہ ہال تھا جہاں اس نے آنا تھا۔

فرش پر بیٹھنے والے لوگوں میں زیادہ تعداد نوجوان لڑکے لڑکیوں کی تھی، شاید وہ پہلے ہی کافی مشہور ناول نگار تھی، اسے اپنی بے خبری پر افسوس ہونے لگا۔

چند لمحے مزید گزرے تھے اور ایک خواب کی سی کیفیت میں اس نے ازمینہ کے ساتھ ایک اور خاتون کو اسٹیج پر آتے ہوئے دیکھا، وہ دونوں اب اپنی اپنی کرسی سنبھال چکی تھیں، ہال میں شور اب بہت بڑھ چکا تھا، کیمرے فلش جگمگا رہے تھے، میزبان خاتون مائیک پر لوگوں سے خاموش ہونے کی درخواست کر رہی تھی، مگر وہ یہ سب نہ تو دیکھ رہا تھا نہ سن رہا تھا، اس کی ہر حس صرف اس کی جانب متوجہ تھی جو اس کے عین سامنے براجمان گہرے سبز اور براؤن رنگ کے خوبصورت سے کپڑوں میں انتہائی پروقار لگ رہی تھی، شانوں کے گرد براؤن شال لپیٹے پوری توجہ سے میزبان کے سوال سن رہی تھی، زین نے اس کے پیروں کی جانب دیکھا، وہی میچنگ جوتے جو اس کی کمزوری تھے، کتنا وقت گزر گیا تھا وہ آج بھی کچھ نہیں بھولا تھا، اسے اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی۔

اور پھر ہال کے ہر کونے میں اس کی آواز گونجنے لگی، وہ بول رہی تھی اور سب سن رہے تھے اور ایسا تو ہمیشہ ہوا کرتا تھا، اسکول کالج یونیورسٹی جہاں بولنے کی بات آتی تھی سب تمغے ازمینہ کے نام ہی ہوا کرتے تھے، اس نے اب اپنے ناول کے کچھ حصے پڑھ کر سنائے تھے، ہال میں جہاں پہلے جس قدر شور تھا، اس وقت اسی قدر سکوت تھا، صرف اس کی آواز کی بازگشت تھی، زین نے چند لمحوں کے لئے آنکھوں کو بند کیا ہاں وہ یہ آواز بھول گیا تھا، سات سال بہت طویل عرصہ ہوا کرتا ہے اور وقت تو ازل سے بے رحم ہی تھا۔

تالیوں کی گونج اسے ہال کے ماحول میں واپس لے کر آئی، اب حاضرین کے سوالات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور وہ نہایت شگفتگی سے جواب دے رہی تھی، اس کی مسکراہٹ اب بھی اتنی ہی پر کشش تھی، اس کی آنکھوں میں اب بھی جگنو چمکتے تھے، وقت شاید ازمینہ شمس کے لئے ٹھہر گیا تھا۔

ایک گھنٹہ جیسے چند لمحوں میں بیت گیا تھا، اس کا سیشن ختم ہو گیا تھا، میزبان خاتون لوگوں سے درخواست کر رہی تھی کہ جن لوگوں نے ازمینہ شمس سے کتاب پر دستخط لینے ہیں وہ ایک قطار بنا کر کونے والی میز کے پاس پہنچ جائیں، مگر لوگوں نے تو پہلے ہی اسٹیج کو گھیر رکھا تھا، وہ سب ازمینہ کے آٹو گراف لینا چاہتے تھے اور اس کے ساتھ

تصویر بنوانا چاہتے تھے۔
پتا نہیں کتنا وقت گزرا، دوسرے سیشن کے لئے میزبان آچکے تھے، ازمینہ اب کہیں نظر نہیں آ رہی تھی، لوگ ادھر ادھر ہونے لگے تھے، اچانک زین کو لگا کہ اس وقت اسے ازمینہ کو ڈھونڈنا اور اس سے ملنا تھا بھلا وہ یہ موقع کیسے گنوا سکتے تھے۔

☆☆☆

وہ میز کے ایک طرف بیٹھی کتابیں سائن کر رہی تھی، ساتھ ساتھ تصویریں بھی بن رہی تھیں لوگوں کی ایک طویل قطار تھی، ٹی وی چینلز کے نمائندے الگ اس کے آس پاس انٹرویو کے لئے منڈلا رہے تھے، وہ تھکنے لگی تھی، لیکن کیا یہی وہ وقت نہیں تھا جو اس کی ان تمام برسوں کی محنت کا ثمر تھا، اس نے اپنی کہانیاں یوں ہی تو نہیں لکھ ڈالی تھیں، کہیں دل جلا تھا کہیں زخم لگے تھے اور اب یہ سب شاید مداوا تھا؟
وہ سر جھکائے لوگوں سے ان کا نام دریافت کر کے کتاب پر دستخط کرتی جا رہی تھی اور اب ایک اور کتاب کا پہلا صفحہ اس کے آگے کر دیا گیا تھا، اس نے نام پوچھا، آس پاس شور کافی زیادہ تھا، اسے ٹھیک سے نام سنائی نہیں دیا تھا شاید، اس نے دوبارہ نام دریافت کیا اور ساتھ ہی سامنے کھڑے شخص کو دیکھنے کے لئے سر اونچا کیا۔
''زین......زین منصور۔''
نہیں، شور زیادہ نہیں تھا، اس نے پہلی بار ہی یہ نام بالکل ٹھیک سنا تھا اور کوئی اس کا ہم نام ہو بھی کیسے سکتا تھا؟ ہاتھ میں تھاما قلم، دل کی دھڑکن، تھکی ہوئی سانسیں اور اس کو دیکھتی ہوئی آنکھیں، اس ایک لمحے میں سب کچھ تھم گیا تھا، اس نے بارہا ان گزرے برسوں میں یہ خواب دیکھے تھے کہ وہ اس سے کہیں نہ کہیں تو ضرور ملے گی مگر یوں؟ چند لمحے لگے تھا بس چند لمحے، پھر اس نے خود کو سنبھال لیا تھا، ان کچھ برسوں میں یہ سب کچھ ہی تو سیکھا تھا، اس نے سر جھکایا اور کتاب پر کچھ لکھنے لگی، اس کا نام پہلی بار تو نہیں لکھ رہی تھی وہ، مگر ہاتھ پہلی بار کانپ رہے تھے، اس نے اب تک جتنی کتابیں سائن کی تھیں سب پر صرف ایک پیغام لکھا تھا۔
''لو......ازمینہ۔'' پھر اس کتاب پر وہ کچھ اور نہیں لکھ سکتی تھی، فرق صرف یہ تھا کہ اس بار وہ الفاظ لکھتے ہوئے اس کا دل بھر آیا تھا۔

☆☆☆

بہت خاموشی تھی، بہت کچھ بولتی ہوئی خاموشی، آس پاس کا ہنگامہ، شور، گہما گہمی سب کہیں پس منظر میں چلے گئے تھے، ان دونوں کے درمیان خاموشی گفتگو بن کر گونج رہی تھی، ازمینہ کو لگا یہ چند لمحے بہت قیمتی ہیں، شاید انہی لمحوں نے آئندہ آنے والے وقت کا رخ متعین کرنا تھا، پھر اس نے زین کو کہتے ہوئے سنا۔
''کیا ہم کچھ دیر بات کر سکتے ہیں؟'' اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے موجود طویل قطار کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''مگر شاید کچھ دیر ہو جائے۔''
''میں انتظار کر رہا ہوں۔'' وہ جتنی خاموشی سے منظر میں آیا تھا اتنی ہی خاموشی سے پس منظر کا حصہ بن گیا، وہ کسی روبوٹ کی طرح آٹوگراف لکھتی رہی، تصویریں بنواتی رہی، انٹرویو دیتی رہی، مگر اس کا دھیان اب بٹ چکا تھا وہ اس ساری گہما گہمی سے اب اکتا گئی تھی، زین منصور نے اس کی توجہ بانٹ لی تھی اور وہ ہمیشہ ہی ایسا کیا کرتا تھا وہ ہال سے باہر آئی تو کافی سے بھی زیادہ دیر ہو چکی تھی، اس کی متلاشی نظریں زین کو ڈھونڈ رہی تھیں، عجیب خدشے تھے، یہی کہ وہ انتظار

سے اکتا کر واپس نہ جا چکا ہو۔
''ہیلو۔'' اپنے عقب سے آتی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا، نہیں وہ واپس نہیں گیا تھا۔
''سوری کافی وقت لگ گیا مجھے۔''
''آپ تو اب سیلبرٹی ہیں، وقت تو لگنا تھا جی۔'' اس کے لہجے میں شرارت تھی، وہ مسکرا دی۔
''کراچی میں کب سے؟''
''کل ہی پہنچا ہوں، میٹنگ تھی ایک اسی سلسلے میں۔''
''مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا، ایک لمحے کو لگا تھا خواب دیکھ رہی ہوں۔''
''تم جاگ رہی ہو اور میں حقیقت ہوں۔'' اس نے دھیرے سے ایک انگلی سے ازمینہ کے ہاتھ کو چھوا وہ چپ سی رہ گئی، ادھر وہ بھی خاموش۔
طویل مدت کے بعد کسی ہمدم دیرینہ سے ملتے ہوئے لفظ یوں ہی گم ہو جایا کرتے ہیں، سو وہ دونوں بھی لفظ ڈھونڈ رہے تھے۔
''بہت مبارک ہو، مجھے بہت فخر محسوس ہوا تمہیں یوں دیکھ کر۔'' زین نے کہا۔
''شکریہ۔'' وہ ہولے سے بولی۔
''مگر باقی سب کہاں ہیں، تمہاری فیملی، شوہر، بچے؟ اتنے اہم موقعے پر سب کو ہونا چاہیے تھا۔''
''کسی کو دلچسپی نہیں ہے میرے اس کام سے، وہ سمجھتے ہیں یہ میرا شوق ہے تو سب نے یوں ہی مجھے شوق پورا کرنے کے لئے اکیلا چھوڑ ہوا ہے۔''
زین ابھی کچھ کہنے ہی لگا تھا جب کسی ادھیڑ عمر شخص نے آ کر ان دونوں کی گفتگو میں مداخلت کی، وہ کوئی سینئر ادیب تھے جو ازمینہ کو کتاب کی رونمائی پر مبارک باد دے رہے تھے۔

ازمینہ نے معذرت خواہانہ نظروں سے زین کی طرف دیکھا، وہ ویسے ہی پرسکون کھڑا تھا جیسے چند لمحے پہلے تھا، کافی دیر وہ بزرگ ادیب ازمینہ سے باتیں کرتے رہے، زین خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا، کتنی پراعتماد تھی وہ، اسے معلوم تھا کہ کب کہاں کس سے کس انداز میں گفتگو کرنا ہے۔
رکھ رکھاؤ تو اس میں شروع سے ہی تھا، وقت کے ساتھ ساتھ اس کے آداب اور انداز سب میں مزید نکھار آ گیا تھا۔
''کہیں اور چل کر بیٹھتے ہیں زین، یہاں کھڑے رہے تو پھر سب سے ملنا پڑے گا۔''
''کوئی ایسی جگہ ہے یہاں جہاں آرام سے بیٹھ کر بات چیت ہو سکے؟''
''مشکل ہے ویسے، مگر ڈھونڈتے ہیں۔''
وہ ہوٹل لانی سے ہوتے ہوئے اب باہر لان کی جانب آ گئے تھے مگر کوئی ایسا کونہ نہیں تھا جہاں تنہائی اور سکون میسر ہوتا، وسیع لان کے کنارے جہاں سمندر شروع ہوتا تھا وہاں سفید رنگ کی ریلنگ لگی تھی، وہ دونوں اس ریلنگ کے ساتھ آ کر کھڑے ہو گئے، وہیں ساتھ ہی پنڈال میں اسٹیج بنا تھا، بڑی بڑی سکرینز لگی تھیں اور چند غیر ملکی اور ملکی ادیب اسٹیج پر بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔
ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع تھے، جن کو کرسی مل گئی تھی وہ بیٹھ چکے تھے باقی سب کھڑے ہو کر اسٹیج کی جانب متوجہ تھے، زین کو لوگوں کے ادبی جوش و خروش کو دیکھ کر ازحد حیرت ہو رہی تھی، وہ خود کوئی ادبی انسان نہیں تھا نہ اسے کتابوں سے کوئی خاص شغف تھا، شاید اسی لئے دوسروں کو دیوانگی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔
''اور اسلام آباد میں سب کیسے ہیں۔'' ازمینہ نے پوچھا۔

''سب ٹھیک ہیں، مگر میں اور میری فیملی اب وہاں نہیں ہیں، مجھے دوبئی گئے ہوئے بھی اب چار سال ہوگئے ہیں۔''

''جانتی ہوں۔''

''جانتی ہو؟''

''کیسے؟'' زین کو حیرت ہوئی، وہ ہمیشہ ایسے ہی اسے حیرت زدہ کرتی تھی، وہ مسکرائی۔

''میں گئی تھی اسلام آباد پچھلے دو سالوں سے جارہی ہوں آنٹی سے ملی تھی۔''

''تم امی سے ملی تھیں؟ لیکن انہوں نے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔''

''ضروری نہیں سمجھا ہوگا۔'' وہ ہولے سے مسکرائی، اسے زین کو حیرت زدہ کرنا ہمیشہ سے اچھا لگا کرتا تھا۔

ہوا کچھ اور تیزی سے چلنے لگی تھی، ازمینہ کے بال اڑ کر بار بار اس کے چہرے پر آتے تھے اور وہ انہیں کان کے پیچھے کرتی تھی، ہر تھوڑی دیر بعد وہ مڑ کر وہاں دیکھنے لگتی جہاں اسٹیج بنا تھا اور کوئی ادبی سیشن جاری تھا۔

وہ کچھ دیر خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا، اسے لگا وہ پہلے سے کہیں زیادہ پرکشش ہوگئی ہے، اس کے مزاج میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا، کوئی مختلف سا تاثر تھا اس کی شخصیت میں جو اسے چند سال پہلے والی ازمینہ سے بھی زیادہ خوبصورت بنا رہا تھا۔

وہ کسی نیوز چینل کا نمائندہ تھا جو ازمینہ کو فارغ کھڑے دیکھ کر اس کا انٹرویو کرنے وہاں چلا آیا تھا، ان کی گفتگو پھر سے ادھوری رہ گئی تھی، کافی دیر بعد وہ پھر اس کے پاس چلی آئی۔

''یہ سب یونہی چلے گا شاید ہم سکون سے بات نہیں کرسکیں گے، آئی ایم سوری۔'' وہ شرمندگی سے بولی۔

''کیا ہم کہیں اور جاسکتے ہیں؟'' وہ جانتا تھا اتنے سالوں بعد یہ سوال کچھ مناسب نہیں تھا مگر پھر بھی اس نے پوچھ لیا۔

''نہیں یہ ممکن نہیں ہے میرے لئے۔'' اس کی آنکھوں میں بے چینی تھی۔

''یہاں کب تک ہو۔''

''رات دس تک، آج کے دن کے لئے خصوصی اجازت لے کر آئی ہوں۔'' وہ مسکرائی، وہ جانتا تھا شوہر کی اجازت کے بغیر وہ کہیں نہیں جاتی تھی۔

''اسی ہوٹل میں، اگر میں کوئی ایسا انتظام کرلوں جہاں ہم سکون سے بات کرسکیں تو کیا رات دس تک تم مجھے وقت دے سکتی ہو؟'' ازمینہ کو لگا ایک بار پھر اس کی سانس تھمنے لگی ہے۔

اتنے سالوں کے بعد آج اگر وہ ملا بھی تھا تو صرف چند گھنٹوں کے لئے، پھر جہاں اس کے پیروں میں زنجیریں تھیں، وہاں آزاد تو وہ بھی نہیں تھا، وہ یہ موقع کیسے گنوا سکتی تھی، مگر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اس ہوٹل میں ایسا کوئی موقع انہیں میسر نہیں آسکے گا، اسے عجیب بے نام اداسی نے آن گھیرا۔

''میں یہیں ہوں زین منصور، رات دس بجے تک، دیکھتے ہیں ہم آج بھی بات کرسکتے ہیں یا نہیں۔'' وہ اسے وہیں سمندر کنارے تیز ہوا میں اڑتے ہوئے بالوں سمیت چھوڑ کر جاچکا تھا۔

☆☆☆

اسے واپس آنے میں آدھا گھنٹہ لگ گیا، ازمینہ کو لگا وہ مایوس ہی لوٹے گا، اتنے ہزاروں کی تعداد میں موجود لوگوں کے درمیان کوئی تنہائی کا گوشہ کیسے مل سکتا تھا، مگر پھر بھی ایک موہوم سی آس پر وہ اسی جگہ کھڑی رہی جہاں وہ اسے چھوڑ کر گیا تھا، وہ خاموش کھڑی اسے اپنی جانب آتا

دیکھتی رہی۔

سیاہ ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں وہ یونیورسٹی کے دنوں والے زین سے کچھ کم ہینڈسم تو نہیں لگ رہا تھا، مگر اس کی آنکھیں تھکی تھکی سی تھیں اور اس کے بالوں میں کہیں کہیں سرمئی رنگ جھلکتا تھا۔

''چلیے مادام۔''

''کہاں؟''

''جہاں میں لے کر جا رہا ہوں۔''

''مگر کہاں؟''

''Do yu trust me azmeena? If yes then do not ask questions۔''

پھر اس سے کچھ نہیں بولا گیا، وہ خاموشی سے اس کے پیچھے ہولی۔

وہ اسے وہاں لے آیا جہاں سے سمندر کی سیر کے لئے کشتیاں لی جاتی تھیں، مگر وہ کوئی چھوٹی سی کشتی تو نہیں تھی، وہ تو کافی جہاز نما کشتی تھی جس پر ڈنر پارٹیز دی جاتی تھیں، ایسے ہی کسی کشتی میں وہ ایک پارٹی میں شامل ہو چکی تھی۔

مگر اس نے اب کوئی سوال نہیں کرنا تھا، وہ زین کو ناراض نہیں کر سکتی تھی، اس لئے خاموشی سے اس کے ساتھ کشتی میں چلی آئی۔

وہ اسے اوپر لے آیا تھا وہ گول چکر دار سیڑھی تھی جو کشتی کے عرشے پر لے کر جاتی تھی، ازمینہ اس کے ساتھ اوپر آ گئی، اس کی نظریں آس پاس لوگوں کو ڈھونڈتی رہی لیکن ابھی تک اسے وہاں کوئی اور دکھائی نہیں دیا تھا ان کے اوپر آتے ہی کشتی چل پڑی بہت آرام سے، دھیرے دھیرے وہ دونوں ہوٹل میں موجود ہجوم سے دور ہوتے جا رہے تھے ازمینہ نے پلٹ کر زین کو دیکھا، یوں جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہو مگر کہہ نہ پا رہی ہو، وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔

''کیا کہنا ہے کہو، نہیں ڈانٹوں گا اب۔''

اسے پتا تھا وہ اس کے غصے سے بہت ڈرتی تھی۔

''اور سب لوگ کہاں ہیں؟''

''اور سب کون؟''

''اتنی بڑی بوٹس یوں خالی تو کبھی نہیں جاتیں، اس میں تو ہمیشہ بہت لوگ ہوتے ہیں۔''

''نہیں جاتی ہوں گی لیکن آج ایسا ہی ہے، آج اس بوٹ میں صرف ہم دونوں ہیں۔'' اب ازمینہ کو حیرت زدہ کرنے کی باری اس کی تھی، وہ مستقل مسکرا رہا تھا۔

''زین!'' وہ حیرت کے باعث کچھ کہہ نہ سکی۔

''تم پاگل تو نہیں ہو؟ کیسے کیا تم نے یہ؟''

''تمہارے ساتھ ہوٹل کی حدود میں پرسکون وقت گزارنے کے لئے میں بس اتنا ہی کر سکتا تھا ازمینہ، ہمارے پاس صرف تین گھنٹے ہیں اور ہم نہیں جانتے یہ لمحے پھر کبھی ملیں گے یا نہیں۔'' اس کی آواز میں کوئی خلش تھی جو ازمینہ کے دل تک پہنچ رہی تھی اور سمندر گواہ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

افق پر پھیلی شفق کی لالی دھیرے دھیرے اندھیرے میں گم ہو رہی تھی، سمندر کی لہروں کے مدوجزر سے ٹکرا کر آنے والی ہوا کچھ اور خنک ہو گئی تھی۔

ازمینہ نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا، اسے لگا کہ ایک عرصے کے بعد وہ اس قدر کھلا اور شفاف آسمان دیکھ رہی ہے، شہر کے ہنگامے اور بھیڑ سے دور اور بالکل الگ تھلگ، ایسی تنہائی اس پہلے کب نصیب ہوئی تھی، چاند بھی موجود تھا، مگر ادھورا تھا، ان دونوں کی طرح۔

''نہیں صرف میری طرح۔'' ازمینہ نے فوراً ہی اپنے خیال کی تردید کی۔

"وہ تو مکمل تھا۔"

"آپ اپنی میڈی ٹیشن سے باہر آنے کا کوئی ارادہ رکھتی ہیں؟" اسے زین کی مسکراتی آواز اس سمندری کشتی کے عرشے پر واپس لے آئی۔

"میں یہیں ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"کیا سوچ رہی تھیں ویسے؟ مجھے پتا لگ گیا تم اتنا اچھا کیسے لکھ لیتی ہو۔"

"کیسے؟"

"کیونکہ تم سوچتی بہت ہو۔"

"یہی تو ایک ایسا کام ہے جس میں کوئی مداخلت نہیں کرسکتا۔" وہ کہنے لگی۔

"ورنہ یہاں تو سانس لینے کے لئے بھی اجازت لینا پڑتی ہے۔"

"تو لکھنا تمہارے لئے کتھارسس ہے؟"

"ہاں بالکل، جو میں کہہ نہیں پاتی، جو میں کر نہیں سکتی، وہ میرے کردار کر لیتے ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"چلو اچھا ہے، تم نے کوئی راستہ تو ڈھونڈ نکالا ہے، بہت سے لوگ یہ بھی نہیں ڈھونڈ پاتے۔" وہ شانے اچکاتے ہوئے بولا۔

"مجھے نہیں لگتا تم سمجھ سکتے ہو جو میں کہنا چاہ رہی ہوں۔" وہ بولی۔

"وہ کیسے؟"

"جب آپ اپنے پسندیدہ حالات میں جی رہے ہوں جہاں پر وہ میسر ہو جو آپ کی اپنی خواہش ہو، پھر آپ ان لوگوں کو کیسے سمجھ سکتے ہیں جو مسلسل محرومی کے احساس کا شکار ہوں۔"

"اوہ میرا یہ خیال تھا کہ تم ایک مکمل زندگی گزار رہی ہو اور بہت خوش ہو؟" زین کے لہجے میں پہلی بار فکر مندی تھی۔

"اور تم بھی شاید یہ خیال کر رہی ہو کہ میں زبردست قسم کی آئیڈیل زندگی بسر کر رہا ہوں۔"

وہ چپ رہی، مگر اس کی خاموشی میں سو سوال تھے جنہیں اس لمحے میں صرف وہ سن رہا تھا۔

"کبھی کبھی ہم تصویر کا صرف وہ رخ دیکھ رہے ہوتے ہیں جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"کیونکہ وہی رخ سب سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔" ازمینہ نے کہا۔

"مگر ہر تصویر مکمل نہیں ہوتی، اس کی خامی یا کمی ہر کسی کو دکھائی نہیں دے سکتی۔"

"کم سے کم تم تو یہ بات نہیں کہہ سکتے زین منصور، تمہاری تصویر تو ہر اینگل سے مکمل ہے، تم جسے خوبصورتی اور کاملیت سب کچھ چاہیے ہوتا ہے، تم جو پرفیکشنسٹ ہو، تم جو اعلیٰ برانڈ سے کم کچھ منتخب نہیں کرتے، تم جس نے شادی کے لئے کیمپس کی سب سے خوبصورت لڑکی کو چنا تھا، تم میری بات کیسے سمجھ سکتے ہو؟" وہ سر جھکائے خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا، چند لمحوں کے وقفے کے بعد جب اس نے سر اٹھا کر ازمینہ کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا، مگر اس کی مسکراہٹ میں کوئی ایسی تھکن تھی جسے سمجھنے کے لئے ازمینہ کو ابھی بہت محنت کرنا تھی۔

"مجھے لگتا ہے ازمینہ یہ تین گھنٹے بہت کم ہوں گے اگر میں نے تمہیں یہ بتانا شروع کردیا کہ کبھی کبھی پرفیکشنسٹ لوگوں کے لئے زندگی بڑے کڑے امتحان لے کر آتی ہے۔" بہت بے دلی سے وہ مسکرایا تھا۔

"جو مل گئیں ہیں یہ گھڑیاں انہیں غنیمت جانیے۔" وہ مسکرائی۔

"ہم کو ملی ہیں آج یہ گھڑیاں نصیب سے۔" زین کی برجستگی پر وہ کھلکھلائی تھی۔

"تمہاری مسکراہٹ سمیت کوئی چیز نہیں

بدلی ازمینہ، ایسا لگتا ہے تم وہیں کھڑی ہو اور میں کہیں بہت آگے نکل گیا ہوں۔"

"ہاں میں وہیں کھڑی ہوں، حالانکہ مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تم پلٹ کر دیکھنے والوں میں سے نہیں ہو۔" وہ کچھ نہیں بولا، خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، وہ اس کے سب شکوے ہی تو سننے کے لئے یہاں لے آیا تھا اسے۔

"چلو ایسا کرتے ہیں، میں تمہاری سب شکایتیں سنوں گا اور کچھ نہیں کہوں گا، مگر اس سے پہلے بہت اچھے موڈ میں کھانا کھالیا جائے؟"

"مجھے بھوک نہیں ہے زین۔"

"مگر میرا تو یہ ڈنر ٹائم ہے، میرا ساتھ دینے کے لئے ہی چلو۔" وہ کہتے ہوئے اس اونچی سی نشست سے نیچے اتر گیا اور ازمینہ کو وہاں بلانے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، اس نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا، اسے کچھ یاد آیا تھا۔

بہت مشکل سے اس بھولی بسری یاد کو واپس دھکیلتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا ہاتھ تھام کر نیچے آ گئی، نیچے ریسٹورنٹ تھا، بہت پرتکلف انداز میں سجا ہوا، دھیمی روشنی، لائیو میوزک، دیواروں پر آراستہ خوبصورت پینٹنگز اور میز پر رکھے تازہ پھول۔

سب کچھ مکمل تھا، زین کی طرح۔

"میں ایک بار پہلے بھی یہاں آئی تھی زین، اس وقت یہ سب اتنا اسپیشل نہیں لگا تھا۔" وہ کسی ٹین ایجر کی طرح خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"کس کے ساتھ آئی تھیں؟" زین نے آنکھیں گھماتے ہوئے پوچھا۔

"کسی نیوز چینل والوں نے دعوت نامہ بھیجا تھا، تمہارا کیا خیال میں، میں ڈیٹ پر آئی تھی؟"

"نہیں، وہ تم آج آئی ہو، اسی لئے سب اتنا اسپیشل لگ رہا ہے۔" وہ شرارت سے مسکراتے

☆☆☆

☆☆☆

ہوئے بولا، ازمینہ کھل کر ہنسی، وہ بالکل نہیں بدلا تھا۔

وہاں مختلف لوازمات تھے مگر زین نے جتنا شور مچایا تھا اسی قدر کم کھا رہا تھا، ازمینہ کی تو بھوک آج اسے دیکھ کر ہی اڑ چکی تھی، موسم خوشگوار تھا اور موسیقی دل نواز۔

''مجھے یہ وائلن پسند آ رہا ہے ازمینہ، کتنا اچھا بجا رہا ہے نا۔'' زین نے اچانک کہا، وہ لوگ اب کافی پی رہے تھے۔

''بالکل، میں ابھی یہی کہنے لگی تھی تم سے۔''

''any remote memory? we can ask him to play for us. For you and for me?''

''کوئی خاص گیت جو تم سننا چاہو۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور ازمینہ کو سوچنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی، وہ آج صرف ایک گیت سننا چاہتی تھی۔

Nearness of you کا گیت
Norah Jones

It's not the pale moon
that excites me
That thrills and delights
me, oh no
It's just the nearness of you

It isn't your sweet
conversation
That brings this sensation,
oh no
It's just the nearness of you

وائلن پلیئر دھن بجا رہا تھا اور وہ دونوں اس ایک خاص لمحے میں پھر سے جی رہے تھے، وہ لمحہ جو صرف ان دونوں کے لئے تھا۔

جسے ختم نہیں ہونا تھا بلکہ ایک خوشگوار یاد بن کر ہمیشہ زندہ رہنا تھا۔

☆☆☆

زین نے گھڑی دیکھی، دس بجنے میں ابھی ایک گھنٹہ بارہ منٹ باقی تھے، وہ جیسے ایک ایک پل گن رہا تھا، ازمینہ اب تک موسیقی کے پھیلائے ہوئے سحر میں گم تھی، شاید اسی لئے اسے وقت کے اتنے تیزی سے گزرنے کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

وہ لوگ اب اوپر لے جانے والے گول چکر دار زینے پر تھے، ازمینہ اپنی اونچی ایڑی کے جوتوں کی وجہ سے سنبھل سنبھل کر قدم اٹھا رہی تھی، زین اس کے بالکل پیچھے تھا، جب اچانک سے سمندر کی لہروں میں کوئی تلاطم اٹھا اور کشتی ڈول اٹھی، ازمینہ کا پیر سیڑھی میں موجود خلا میں اٹکا اور وہ بری طرح لڑکھڑائی، زین نے اسے سہارا دینے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے وہ خود کو گرنے سے بچا چکی تھی، کچھ دیر ریلنگ تھامے وہ دونوں یوں ہی کھڑے رہے، شاید کوئی موج بے قرار تھی۔

''کہیں طوفان تو نہیں آ رہا زین؟'' وہ سچ مچ میں خوف زدہ تھی۔

''کاش۔'' وہ کھل کر ہنسا تھا۔

''مگر تم بے فکر ہو جاؤ، نہ یہ ٹائی ٹینک ہے اور نہ تم روز۔''

''زین تم بھی حد کرتے ہو یہاں خوف سے میری جان نکل رہی ہے اور تمہیں مذاق سوجھا ہے۔''

''کچھ نہیں ہو رہا تمہیں، ابھی بہت جینا ہے تم نے، چلو اوپر شاباش اور پہنو ہائی ہیل، بدلنا نہیں ہے نا تم نے، وہاں اسلو میں سب جوتوں کی

دکان والے تمہیں پہچانتے تھے اب یہاں کراچی میں بھی یہی صورت حال ہوگی ہے نا؟''
''جی نہیں، میں صرف مخصوص دکانوں سے جوتے خریدتی ہوں۔'' باتیں کرتے کرتے وہ اپنا خوف بھلا کر اب اوپر عرشے پر آ چکی تھی۔
''وہ بھی سر پکڑ لیتے ہونگے جب تم دکان میں داخل ہوتی ہوگی اور میچنگ کے کپڑے نکال کر کہتی ہوگی اس کلر کا جوتا چاہیے۔'' ازمینہ نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔
''تم کچھ بھولتے ہو؟''
''اتنی خواری کون بھول سکتا ہے، وہ میچنگ کے کپڑے اور سویٹر کے شاپنگ بیگز اٹھانا میرا کام ہوتا تھا، ایک بار تو تنگ آ کر امی سے میں نے تمہاری شکایت بھی لگائی تھی۔''
''کتنے فضول ہو تم زین، آنٹی سے میری شکایتیں کرتے تھے تم؟''
''اس دن جو تم نے حد کر دی تھی، کیونکہ میرا ٹریک سوٹ پرپل رنگ کا ہے اس لئے مجھے جوگرز بھی اسی رنگ کے چاہیے، ماں کے پاس جا کے دکھڑے نہ روتا تو اور کیا کرتا۔'' ازمینہ بے ساختہ ہنسی تھی۔
''یہ تو واقعی زیادتی کر دی تھی میں نے تمہارے ساتھ، آئی ایم سوری۔'' وہ دونوں عرشے کی ریلنگ سے جھک کر سمندر میں اترنے والے مدوجزر کو دیکھ رہے تھے، چاند چپ چاپ تھا مگر ستارے جھلملا رہے تھے اور اپنے ہونے کا احساس دلا رہے تھے۔
''ہاں بالکل، کچھ تو شرمندگی ہونی چاہیے تم کو، جس دن تم آ کر کہتی تھیں زین ''شاپنگ'' اس دن میری حالت تباہ ہو جاتی تھی، مگر امی کہتی تھیں ساری زندگی تم نے یہی کام کرنا ہے اس لئے عادت ڈال لو۔'' ازمینہ نے مڑ کر اسے دیکھا تھا،

صرف ایک لمحے کے فرق سے زین کو احساس ہوا تھا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے، اس بات کا یہ کوئی مناسب وقت تو نہیں تھا۔
ازمینہ ایک بار پھر رخ موڑ کر سمندر کی جانب دیکھنے لگی، زین نے اپنے بالوں میں بے اختیار ہاتھ پھیرا دونوں کے درمیان اب بہت دور تلک ایک شور مچاتی خاموشی تھی۔
''ازمینہ!'' اس نے ریلنگ پر رکھے ازمینہ کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا، وہ مستقل سمندر کی جانب رخ کیے کھڑی رہی۔
''مجھے اندازہ ہے کہ تمہارے لئے یہ ذکر تکلیف دہ ہے مگر کچھ باتوں کو دہرانا ضروری ہوتا ہے میں نے سارا سے شادی کا فیصلہ کر کے صرف تمہیں دکھ نہیں دیا تھا، سب سے زیادہ تکلیف تو میری ماں کو ہوئی تھی، حالانکہ کچھ بھی طے نہ ہونے کے باوجود کم از کم میری فیملی میں سب کو یہ اندازہ تھا کہ جب بھی میری شادی کی باری آئی تو انہیں کسی لڑکی کو ڈھونڈنا نہیں ہوگا، یہ سب اتنا صاف اور شفاف تھا جیسے کتاب میں لکھے حرف جو طے شدہ ہوتے ہیں۔''
''زین پلیز، ہم کوئی اور بات کر سکتے ہیں؟'' اس کی آنکھوں میں درد کی لہر تھی، وہ ٹھیک سے بول بھی نہیں پا رہی تھی۔
''میں نے سات سال انتظار کیا ہے اس موقع کا، پلیز میری بات سن لو۔''
''ازمینہ مجھے کہہ لینے دو کہ جب تک سارا سے نہیں ملا تھا، میرے پاس تمہارے سوا کوئی دوسرا آپشن نہیں تھا، ہم بہترین دوست تھے، ہر وقت کے ساتھی childhood sweethearts۔''
''لیکن نصیب اور تقدیر پھر اور کیا ہوتی ہے کہ تمہارے ہوتے ہوئے میں سارا سے ملا او

سب کچھ بدل گیا، وہ میرا نصیب تھی اور تم نہیں، شاید اسی لئے صرف چھ مہینوں میں، میں اسے پرپوز کر چکا تھا، تم سمیت اپنے سب گھر والوں کو ناراض کر کے۔'' ازمینہ کی آنکھ ایک لمحے کو بھر آئی تھی، سب بھولے بسرے دکھ یاد آنے لگے تھے۔

''تم ٹھیک کہتی ہو میں نے کیمپس کی سب سے خوبصورت لڑکی کو پسند کیا تھا اور اس بات کا احساس سارا کو مجھ سے بھی کہیں زیادہ تھا، اسے اپنے حسن پر بہت ناز تھا۔''

''تھا؟'' ازمینہ چپ نہ رہ سکی۔

''تھا، کیونکہ پھر اس سے وہ ناز چھین لیا گیا۔''

''زین؟'' اس نے جیسے سانس روک کر پوچھا تھا۔

''ہم بہت خوش تھے ازمینہ، کوئی خوبصورت ساتھی ساتھ ہو تو سب کچھ خوبصورت لگنے لگتا ہے، تین سال گزرے پتا ہی نہیں لگا، میں دوبئی میں بہت اچھی طرح سیٹ ہو چکا تھا، ہم اپنی پہلی اولاد کے دنیا میں آنے کا انتظار کر رہے تھے جب وہ خوفناک حادثہ ہوا جس نے ہماری زندگی بدل دی اور یہ سب میری لاپرواہ ڈرائیونگ کا نتیجہ تھا، میرا تو صرف بازو فریکچر ہوا مگر سارا کو بہت زخم لگے، شیشے کے ٹکڑے اس کے چہرے میں چلے گئے، ہمارا بچہ اس دنیا میں نہ آ سکا، سارا کوما میں چلی گئی، لیکن جس بات نے سب سے زیادہ اس پر اثر ڈالا وہ یہ تھا کہ اس کا چہرہ خراب ہو گیا تھا، اس کی خوبصورتی کہیں غائب ہو گئی تھی، وہ آئینہ دیکھ کر چیخیں مارنے لگتی اور اب وہ ایک ڈپریشن کی مریضہ بن چکی ہے۔'' ازمینہ کے ہاتھ پر رکھا اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔

اس نے زین کا ہاتھ مضبوطی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، اس کا دل رو رہا تھا، وہ تو نہیں جانتی تھی کہ زین اتنے کڑے حالات سے گزر رہا ہے۔

''زین میں آنٹی سے بھی تو ملی تھی، انہوں نے تو کوئی ایسا ذکر نہیں کیا۔''

''وہ میری ماں ہیں ازمینہ، وہ مجھے مجھ سے زیادہ جانتی ہیں، اس مشکل وقت میں اگر وہ مجھ سے تمہارا اور تم سے میرا ذکر کر دیتیں تو شاید یہ ایسے ہوتا کہ ہمارے گزرے خواب پھر سے جاگ اٹھتے، میں تم کو پھر سے ڈھونڈنے لگتا اور تمہاری زندگی بھر متاثر ہو جاتی، وہ بجھی ہوئی چنگاری کو کیوں کریدتیں۔''

''وہ چنگاری جو کبھی بجھی ہی نہیں۔'' ازمینہ نے جیسے ہواؤں میں سرگوشی کی۔

''یہ بات شاید تم جانتی ہو یا شاید میں، لیکن ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں، یہ تو ایک راز ہے ازمینہ جس کا گواہ ہمارے دلوں کے علاوہ اور کوئی ہو نہیں سکتا۔''

کب سے مچلنے والا اس کی آنکھ کا آنسو اب بہہ نکلا تھا، اتنے سالوں کی فرقت میں وہ اسی آگ میں تو جلتی رہی تھی کہ وفا کے اس سفر کی وہ تنہا مسافر تھی اور وہ کہیں نہیں تھا۔

مگر آج زین منصور نے جیسے اس کے چھالوں پر کوئی مرہم رکھ دیا تھا، وہ صرف childhood sweethearts نہیں تھے، ان کا ساتھ تو ابدی تھا۔

کچھ مسافتیں بے انت ہوتی ہیں، کچھ ساتھ ہمیشگی کے ہوتے ہیں، کچھ کہانیاں ابتدا تو ہوتی ہیں مگر ان کا کوئی اختتام نہیں ہوتا۔

کچھ کردار مکمل ہو کر بھی ادھورے رہتے ہیں، وہ دونوں اپنے اپنے مقام پر چپ اوڑھے کھڑے تھے، صرف سمندر شور کر رہا تھا۔

زین جانتا تھا کشتی اپنا رخ واپسی کے لئے

موڑ چکی ہے، دس بجنے والے تھے اور وہ اسے مزید روکنے کا کوئی حق نہیں رکھتا تھا۔

ازمینہ وقت کی آہٹ کے احساس سے کافی دور اب تک سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی، زین کا ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھوں میں تھا، کچھ دور اب ہوٹل کی روشنیاں جھلملاتی ہوئی نظر آنے لگی تھیں، صرف چند لمحوں کا ساتھ اور تھا اور پھر اس نے چلے جانا تھا۔

''ازمینہ!'' وہ جیسے اسے جگانے لگا۔

''ہم۔'' وہ لوٹی۔

''دس بجنے والے ہیں۔''

''اتنا جلدی؟'' وہ بے ساختہ بولی، اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

''ہاں اتنا جلدی۔'' وہ مسکرایا، کشتی ساحل سے آ لگی تھی اور لنگر انداز ہو رہی تھی۔

ازمینہ کی سانسیں ایک بار پھر بے ترتیب ہونے لگیں، مگر وقت تو بے رحم تھا، زین نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کیا اور...... اور اسے شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔

''جاؤ سنڈریلا، اس سے پہلے کہ گھڑی کا کانٹا بارہ پر آ جائے اور تمہیں ان ہائی ہیلز کے ساتھ بھاگنا پڑے اور تم اپنا ایک جوتا یہیں چھوڑ جاؤ۔'' وہ مسکرایا، مگر اس کی آنکھوں میں عجیب تھکن تھی۔

''میں پرنس چارمنگ تو نہیں ہوں۔''

وہ کچھ نہ کہہ سکی، یہ بھی نہیں کہ اس کے لئے وہی پرنس چارمنگ تھا، یہ بھی نہیں کہ وہ اپنا ایک جوتا یہاں جان بوجھ کر بھول جانا چاہتی ہے، اگلی ملاقات کے لئے کوئی تو امید بن سکے، زین نے اپنے ہاتھ اس کے شانوں سے ہٹائے اور کچھ دور ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''جاؤ۔''

''خدا حافظ۔'' وہ سر جھکا کر بولی اور زینے کی جانب چلنے لگی، زینے تک پہنچ چکی تھی جب اس نے اک آس پر پلٹ کر دیکھا، زین نے خدا حافظ کا جواب نہیں دیا تھا، وہ حیرت زدہ تھی، وہ اس کی جانب دیکھ بھی نہیں رہا تھا، وہ صرف اس کی پشت دیکھ سکتی تھی، بھیگی پلکوں کو صاف کرتے ہوئے وہ سیڑھی اترنے لگی۔

اسے آخری لمحے تک یہ بات سمجھ نہیں آ سکی تھی کہ کچھ کہانیوں کا اختتام نہیں ہوتا، وہ جاری رہتی ہیں۔

☆☆☆

☆☆☆

قرۃ العین خرم ہاشمی

نازو بہت بے دلی سے ساتھ بڑے سے صحن میں بچھی چارپائی پہ بیٹھی ہوئی تھی، موسم سرما کا آغاز تھا اس لئے دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہو گئیں تھیں، شہتوت کے پیڑ کے پیچھے سے سورج کی نرم گرم سی شعاعیں اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھیں، صحن میں ادھر سے ادھر بھاگتے ننھے ننھے سے چوزے دانہ چگ رہے تھے، درختوں پہ اڑتے چہچہاتے پرندوں کی بولیاں اپنی جگہ تھیں اور ان سب سے بے زار اور بے نیاز بیٹھی نازو نجانے کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی، کبھی کبھی ہوتا ہے ناں کہ ہمارے اندر ان گنت سوالوں کا، جوابوں کا اتنا شور ہوتا ہے کہ باہر کے منظر، آوازیں سب بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔

نازو پچھلے پندرہ دنوں سے میکے آئی ہوئی تھی اور اس کی سات سالہ ازدواجی زندگی ایسے ہی کتنے ہی دن آئے اور ٹھہر گئے تھے اس نے حساب رکھنا چھوڑ دیا تھا۔

نازو نے اپنی آنکھوں میں پھیلتی نمی کو دھیرے سے صاف کیا کیونکہ سامنے سے اماں اپنے کمرے سے نکل کر، نازو کی طرف آ رہی تھیں، اماں کے پاس آنے تک نازو نے آنسو تو چھپا لئے تھے مگر اپنے لبوں سے نکلتی سرد آہ کو نہ روک سکی جس پہ پاس بیٹھتی اماں نے ٹھٹھک کر اس کے ستے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا تھا، اماں کا دل دکھ سے بھر گیا، اپنی اکلوتی بیٹی کی تکلیف کو محسوس کر کے، وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چارپائی پہ بیٹھ گئیں، وہ جو اپنی بیٹی سے بہت سی باتیں کرنے آئیں تھیں، اب خاموشی سے بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔

''میری نازو پلی بیٹی کے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟''

دوسری طرف نازو بھی کچھ عرصے سے اسی سوال کے گرد گھوم رہی تھی کہ۔

''میرا نصیب ہی ایسا کیوں کھوٹا نکلا جبکہ میں نے کسی کے ساتھ برا نہیں کیا تھا کبھی۔''

دونوں اپنی اپنی جگہ ایک ہی سوال کو مختلف انداز سے سوچتیں، گم صم بیٹھیں تھیں، دکھ بھی ایک تھا، تکلیف بھی اور سوال بھی ایک تھا مگر دونوں کے پاس ہی اس کا جواب نہیں تھا، اس دکھ کو کہنے کے لئے الفاظ نہیں تھے اگر کچھ تھا تو وہ بس خاموشی تھی، ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے۔

☆☆☆

چوہدری جمال کے دو بیٹے، شہزاد اور بہرام تھے اور ان دونوں سے کئی سال چھوٹی اور سب کی آنکھوں کا تارا، اکلوتی بیٹی نازو تھی، چوہدری جمال کا شمار گاؤں کے معززین میں ہوتا تھا، اچھا خوشحال اور کھاتا پیتا گھرانہ تھا ان کا، کسی چیز کی کمی نہیں ان کے گھر میں، نازو نے ہوش سنبھالتے سب کو دیوانہ وار اپنے اردگرد گھومتے ہوئے دیکھا تھا، اماں اور ابا کی اگر اس میں جان تھی تو دونوں بڑے بھائی بھی اس کے چاہ اور لاڈ اٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے، نازو سارے گھر کی لاڈلی تھی، وہ ایک ایسی خوش رنگ تتلی تھی جس کے وجود سے ان کی زندگی میں خوشی و انبساط کے کئی رنگ تھے، وہ تتلی کی طرح ہی سارے گھر میں اڑتی پھرتی تھی، اس کی شرارتوں، ہنسی اور باتوں

سے سارا گھر گونجتا تھا، نازو کو نہیں یاد کہ بچپن سے لے کر جوانی تک وہ کبھی کسی دکھ یا درد کی وجہ سے روئی ہو، اداس ہوئی ہو، وہ صرف ہنسنا جانتی تھی، اسے زندگی کے اسی خوبصورت اور دلفریب رنگ

کا پتا تھا اور نازو کو لگتا تھا کہ اس کی زندگی میں یہ رنگ ہی ہمیشہ رہنا ہے، مگر زندگی خود پل پل میں اتنے رنگ بدلتی ہے کہ ہم حیران و پریشان سوچتے ہی رہ جاتے ہیں، کہ زندگی میں کوئی رنگ کبھی

مستقل نہیں ہوتا ہے اور خوشی کا تو کبھی بھی نہیں۔

☆☆☆

نازو ساتویں میں تھی جب گھر میں بڑے بھائی شہزاد کی شادی کا ہنگامہ جاگ اٹھا، گھر کی پہلی شادی ہونے کی وجہ سے خوب ارمان نکالے گئے، مگر اس شادی میں بھی زیادہ اہمیت و توجہ نازو کو ہی ملی تھی۔

اماں نے لڑکی والوں کو پہلے ہی بہت اچھی طرح سے یہ باور کروا دیا تھا کہ نازو کی اس گھر میں اہمیت اور حیثیت کیا ہے، اس لئے ہر چیز اور ہر بات میں نازو کا خاص خیال رکھا گیا اسے مہمان خصوصی کا درجہ دیا گیا تھا، شادی کی ہر تقریب میں، ہر رسم میں نازو سب سے آگے ہی رہی تھی، نازو فطرتاً لاپرواہ اور سیدھی سی تھی، وہ ان سب باریکیوں اور گھریلو یا خاندانی سیاست کو نہیں سمجھتی تھی، اس کے لئے یہ ہی بہت تھا کہ گھر سے باہر بھی، اسے گھر جیسا ماحول ہی ملا ہے، وہ دوسروں کی خصوصی توجہ اور محبت کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرتی تھی، اسی لئے، رضوانہ بھابھی اور ان کے گھر والوں کی طرف سے ملنے والی خصوصی اہمیت کو اس نے اپنا حق سمجھ کر وصول کیا تھا، مگر وہ کیا ہے کہ۔

زندگی میں ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے، جو ہمیں کبھی نہ کبھی ادا کرنی ہی پڑتی ہے۔

نازو کو بھی اس بات کا پتا نہیں تھا اور جب پتا چلا تو......

☆☆☆

شہزاد بھائی کی شادی کے ٹھیک دو سال بعد بہرام کی شادی اس کی چچا زاد شکیلہ سے روایتی دھوم دھام سے ہو گئی، یہ خالصتاً ابا کی پسند اور مرضی پہ رشتہ ہوا تھا، اماں دل سے راضی نہیں تھیں، وہ شہزاد کی طرح، بہرام کے لئے بھی خاندان سے باہر کسی کھاتے پیتے، امیر خاندان سے رشتہ کرنا چاہتی تھیں، مگر ابا اپنے بھائی کو زبان دے چکے تھے، جو بہت غریب نہ سہی مگر بہت خوشحال بھی نہیں تھا، شادی بخیر و خوبی انجام پائی، حسب توقع اور حسب منشا نازو کو وہی اہمیت اور توجہ ملی جس کی وہ عادی تھی، حالانکہ اب وہ نویں جماعت کی طالبہ تھی اور اس سے چھوٹا رضا بھی سارے گھر میں بھاگتا دوڑتا تھا، مگر اب بھی پہلے پوتے کی نسبت، نازو کی اہمیت زیادہ تھی، زندگی اپنی معمول کی ڈگر پہ رواں دواں تھی، رضوانہ بھابھی پہلی بہو تھیں اس لئے انہوں نے شکیلہ کو ہر طرح سے مدد کرنا اور راہنمائی کرنا ضروری سمجھا تھا مگر پھر بھی وہ اماں کی زبان اور زیادتیوں سے اسے نہیں بچا سکتی تھی، اس لئے کہ اماں اس گھر کی حکمران اور ان کی ساس تھیں۔

☆☆☆

نازو، کتابیں کھولے صحن میں بچھی چارپائی پہ بیٹھی ہل ہل کر رٹا لگانے میں مصروف تھی، پاس ہی دو سالہ رضا اپنے کھلونے سے کھیل رہا تھا اور درمیان میں اپنے کھلونے چھوڑ کر پھپھو کی کتابوں کو چھیڑنے لگتا تھا، نازو نرمی سے اس کے ہاتھ پیچھے کر دیتی اور اس کا کھلونا اٹھا کر، اسے کے ہاتھ میں پکڑا دیتی تھی، صحن کے دوسرے کونے میں موجود گھنے درخت کے نیچے اماں چارپائی پہ بیٹھی، پاس ہی تندور پہ روٹیاں لگاتی شکیلہ کو ہدایات دے رہی تھیں، شکیلہ کی شادی کو ایک سال ہو چکا تھا مگر ابھی بھی اس کی گود خالی تھی، جس کے طعنے اسے اٹھتے بیٹھتے ملنے لگے تھے، رضوانہ بھابھی کی نسبت شکیلہ اماں کے زیادہ زیر عتاب رہتی تھی، ابھی بھی وہ اماں کی موجودگی سے گھبراتے ہوئے جلدی جلدی روٹیاں بنا رہی تھی۔

"روٹی دھیان سے بنا، یہ کیا کچی پکی روٹیاں بنا رہی ہو، تجھ سے کوئی کام بھی کبھی ڈھنگ سے ہوا ہے۔" اماں مسلسل کسی نہ کسی بات پہ ٹوکے جا رہی تھیں۔

"جی تائی اماں! میں دھیان سے بنا رہی ہوں۔" شکیلہ نے تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے کہا، نجانے کیوں مگر شروع ہی سے وہ تائی اماں سے خائف رہتی تھی، شاید ان کے سخت تیوروں کی وجہ سے یا ان کے مسلسل اعتراضات، جو اچھے بھلے بندے کو بوکھلانے پر مجبور کر دیتے تھے، وہ تو پھر نرم نازک سی، حساس دل کی لڑکی تھی۔

"سی۔" شکیلہ کے منہ سے سسکی نکلی اور اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ تندور سے باہر نکالا جو تھوڑا جل گیا تھا، نازو نے سی کی آواز پہ نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا تھا، تو شکیلہ بھابھی کو جلے ہوئے پہ پھونکیں مارتے ہوئے دیکھا۔

"لو جی، مہارانی صاحبہ کا ایک اور ڈرامہ شروع ہو گیا، پتا نہیں تیری ماں نے تجھے کوئی سلیقہ طریقہ کیوں نہیں سکھایا، کبھی جو کوئی کام ڈھنگ سے کیا ہو تو نے، ایک ذرا سی روٹیاں کیا بنانی پڑیں، ہاتھ جلنے کا ڈرامہ شروع کر دیا، توبہ ہے بھئی، ایسی چالاکیاں ہمیں تو کبھی نہیں آتیں۔"

اماں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا، شکیلہ نے اپنے ہاتھ کی جلن کی پرواہ کیئے بغیر نم آنکھوں کو چھپاتے روٹی کا پیڑا اٹھایا اور روٹی بنانے لگی، مگر ابھی وقت رضوانہ بھابھی نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے پیڑا لے لیا، شکیلہ نے حیران نظروں سے رضوانہ بھابھی کی طرف دیکھا، جو چہرے پر نرم مسکراہٹ لئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"شکیلہ! تم دستر خوان پہ کھانے کے برتن لگاؤ میں تب تک روٹی بنا کر فارغ ہو جاؤں گی۔"

رضوانہ بھابھی نے ساس کی سخت نظروں کی پرواہ کیئے بغیر شکیلہ کو وہاں سے اٹھا دیا، شکیلہ تشکر بھری آنکھوں سے دیکھتی، وہاں سے اٹھ گئی۔

"ویسے بھی اماں کو میرے ہاتھ کی روٹیاں زیادہ پسند ہیں، کیوں اماں؟" رضوانہ بھابھی نے تندور میں روٹیاں لگاتے ہوئے، اماں کی طرف دیکھتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا تو اماں "اونہہ" کہہ کر منہ پھیر کر بڑبڑانے لگیں، رضوانہ بھابھی نے مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا۔

رضوانہ بھابھی نے پہلی بہو ہونے کے ناطے سے اماں کے سارے تلخ اور سخت رویے جھیلے ہوئے تھے گھر بھر میں کوئی بھی ان کی تکلیف سمجھنے والا یا ہمدردی کرنے والا نہیں تھا، مرد گھریلو سیاست اور اجارہ داری سے زیادہ تر بے خبر اور انجان ہی رہتے ہیں، اس لئے رضوانہ بھابھی نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے شوہر سے شکوے یا شکایت کرنے کے بجائے، حالات کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کی، رضا کے گود میں آ جانے سے ان کے قدم ویسے ہی مضبوط ہو گئے تھے، کبھی کبھی رضوانہ بھابھی کے دل میں ہلکا ہلکا سا شکوہ نازو کے لئے ضرور پیدا ہوتا تھا، جو بے شک ان کی شادی کے وقت چھوٹی ضرور تھی مگر گزرتے وقت کے ساتھ شعور کی دہلیز پہ قدم رکھنے کے باوجود، وہ کبھی بھی کسی بھی معاملے میں اپنی دونوں بھابھیوں کے ساتھ ہمدردی تو دور کی بات، دوستی بھی نہیں رکھتی تھی، اس کے انداز صرف لینے والا تھا، دینے والا نہیں، وہ خود میں مگن رہتی تھی، اماں کی ہر بات ہر رویئے کو دیکھنے کے باوجود بہت آرام سے نظر انداز کر کے، اپنی دنیا میں خوش رہتی تھی، رضوانہ بھابھی نے ہمیشہ بھابھی سے زیادہ اسے بڑی بہن بن کر پیار کیا اور سمجھا تھا، مگر اس

کے سرد رویے اور بے حسی کو دیکھ کر، وہ بھی پیچھے ہٹ گئیں تھیں، اسی لئے جب شکیلہ بیاہ کر اس گھر میں آئی تو رضوانہ بھابھی کی اس سے بہت جلد دوستی ہو گئی، انہیں اتنے عرصے کے بعد کوئی سننے والا، سمجھنے والا ملا تھا اس لئے کہ دونوں ایک جیسی پوزیشن میں اور ایک جیسے حالات کا سامنا کر رہی تھیں، رضوانہ بھابھی نے روایتی جٹھانی والا حسد رکھنے کے بجائے کھلے دل سے اسے قبول کیا تھا۔

ضروری نہیں کہ ہم اپنی ساتھ ہوئی ہر زیادتی اور دکھ کا بدلہ، دوسروں کو تکلیف اور اذیت دے کر لیں، اگر دنیا آپ کے لئے آسانیاں پیدا نہیں کرتی تو آپ دوسروں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا اور بانٹنا سیکھ جائیں کیونکہ یہ بھی توفیق کی بات ہے اور توفیق بھی سب کو نہیں ملتی ہے۔

اور یہ بات رضوانہ بھابھی بھی بہت اچھی طرح سمجھ چکیں تھیں، اس لئے جہاں تک ممکن ہو سکتا وہ شکیلہ کی مدد کر دیتی تھیں۔

"اف کتنا شور ہے یہاں، بندہ دو گھڑی سکون سے بیٹھ کر پڑھ بھی نہیں سکتا ہے۔" سدا کی نازک مزاج نازو نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی کتابیں اٹھائیں اور پاؤں پٹختی ہوئی اندر کمرے میں چلی گئی، رضوانہ بھابھی نے چونک کر اسے اندر جاتے ہوئے دیکھا اور تلخ سی مسکراہٹ ان کے لبوں پہ پھیل گئی۔

"جا میری بچی! تو آرام سے اندر بیٹھ کر پڑھ، اللہ میری بچی کو کامیاب کرے، شکیلہ کہاں مر گئی ہے، میری نازو کو کھانا کمرے میں ہی دے دینا اس کا ٹیم (وقت) بہت قیمتی ہے، میں ماں ہوں ناں اسی لئے مجھے اپنی بیٹی کی فکر ہے، ورنہ بھابھیاں کہاں خیال رکھتی ہیں ایسی باتوں کا۔" اماں حسب معمول بولنا شروع ہو گئیں تو رضوانہ بھابھی نے گہری سانس لے کر جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگیں۔

☆☆☆

شادی کے تین سال بعد شکیلہ ایک بیٹی کی ماں بنی، بچی پیدائشی طور پر بہت کمزور اور بیمار تھی، اماں کی ناپسندیدگی مزید بڑھ گئی تھی شکیلہ کے لئے، رضوانہ بھابھی دو بیٹوں کی ماں بن کر مزید مستحکم ہو چکیں تھیں، رضا کے بعد ننھے علی نے آ کر گھر کی رونق میں اضافہ کر دیا تھا، شکیلہ کی بیٹی سعدیہ، ان دونوں سے چھوٹی تھی، نازو رضا اور علی کو تو کبھی کبھی پیار کر لیتی تھی مگر سعدیہ کو بس دور سے ہی دیکھتی تھی، شاید اس میں بھی بہت زیادہ ہاتھ اماں کا بھی تھا، جنہوں نے خود بھی کبھی پوتی کو اٹھایا یا پیار نہیں کیا تھا۔

نازو میٹرک کر چکی تھی جب اس کے لئے دوسرے گاؤں سے، ایک کھاتے پیتے زمیندار گھرانے سے رشتہ آیا، رشتہ ہر لحاظ سے مناسب تھا، سب سے بڑی بات نذیر بی اے پاس اور اچھی شکل و صورت کا مالک تھا، نازو بہت خوبصورت تو نہیں، مگر خوش شکل لڑکی تھی، نازو کے لئے ایسا اچھا رشتہ آنا اس کی خوش قسمتی تھی، نذیر کا گھرانہ ہر لحاظ سے ان سے کافی آگے تھا، نذیر کے رشتے کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، منگنی سے لے کر شادی تک ہر تقریب اپنی حیثیت اور اوقات سے بڑھ کر کی گئی، اماں کی زبان پہ ایک ہی بات ہوتی تھی کہ اکلوتی بیٹی ہے کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے۔

☆☆☆

نازو کی بات پکی ہونے سے لے کر، شادی تک کا عرصہ چھ مہینے پہ محیط تھا اور یہ چھ مہینے نازو نے آسمان پہ اڑتے، مستقبل کے خوبصورت اور سہانے خواب دیکھتے ہوئے گزارا، خاندان میں، اپنی عمر کزنوں اور سہیلیوں میں ہر جگہ نذیر کی

وجاہت، تعلیم اور دولت کے چرچے تھے، سب نازو کی قسمت پہ رشک کرتے تھے، جس سے اماں کی گردن مزید اکڑ جاتی تھی اور رضوانہ بھابھی اور شکیلہ کی مزید شامت آجاتی تھی، نازو کی شادی کی تیاریاں آزمائش بن کر تو اتریں تھیں دونوں پر، پہلے بھی کسی نہ کسی بات کو لے کر دونوں کی شامت آئی ہوتی تھی مگر نازو کی شادی کی تیاریوں کی وجہ سے اتنا فائدہ ہوا کہ اماں کا مزاج کافی خوشگوار ہو گیا تھا اور ان کی توجہ بٹی ضرور تھی مگر بہوؤں پر سے ہٹی نہیں تھی۔

نازو کے بچپن سے لے کر اب تک جوڑا گیا جہیز کا مختلف سامان سٹور میں رکھی پیٹیوں سے نکلنے لگا، رضوانہ بھابھی اور شکیلہ ہر کام میں اماں کی معاون و مددگار تھیں مگر اماں کی مسلسل چلتی زبان اور طنز اور طعنوں میں ڈوبے جملے، دونوں کی شاید تکلیف اور اذیت سے دوچار کر دیتے تھے، اماں ہر بات، ہر چیز میں نازو کے جہیز کا مقابلہ، ان دونوں کے لائے جہیز کے سامان سے کرتیں، انہیں نیچا دکھاتیں، نازو کے کان میں بھی ایسے جملے پڑتے تو اس کے چہرے پہ فخریہ مسکراہٹ پھیل جاتی، کہ اس کے پاس ہر چیز ہمیشہ کی طرح بہت اعلیٰ اور دوسری سے بہتر ہے، حالانکہ اپنی اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق دونوں مناسب جہیز لائیں تھیں، سب سے بڑی بات، گھر کو بنانے والی اور رشتوں کا احترام کرنے والی بہویں تھیں، مگر اماں کے نزدیک ان خوبیوں سے زیادہ اس بے جان سامان اور چیزوں کی اہمیت تھیں جن سے پہلے ہی ان کا گھر بھرا پڑا تھا۔

☆☆☆

نازو کی شادی روایتی دھوم دھام سے بخیرو عافیت انجام پائی، نازو کا جہیز دیکھ کر سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، سسرال میں بھی دھوم مچ گئی کہ نذیر کی دو بیٹی بہت جہیز لائی ہے، نازو کی شادی میں ایک ایک بات کا خاص خیال رکھا گیا، بارات کا استقبال بہت شاندار کیا گیا، کہ نذیر کی گردن خوشی اور فخر سے تن گئی، سب دوستوں اور رشتہ داروں میں ٹور بن گئی تھی اس کی۔

نازو کی رخصتی کا منظر بہت رقت آمیز تھا، کہ ہر آنکھ نم ہو گئی تھی، مگر دنیا کا دستور یہ ہی ہے کہ اپنی جان سے پیاری بیٹی کو، غیروں کے سنگ رخصت کرنا پڑتا ہے، نازو کی رخصتی کے بعد، ایک دم سے ہی شادی والے گھر میں سناٹا چھا گیا تھا، اماں اور ابا کے ساتھ ساتھ دونوں بھائی بھی افسردہ اور نم دیدہ تھے، رضوانہ بھابھی اور شکیلہ جلدی جلدی ہاتھ چلا کر پھیلاوا سمیٹ رہی تھیں، اندھیری رات میں سارے گاؤں میں چھائے سناٹے میں اس گھر پہ لگے برقی قمقمے ٹمٹماتے بہت دلفریب منظر پیش کر رہے تھے، جیسے گہری اداسی میں، امید کے ننھے ننھے سے دیئے جل کر، خوابوں کے نئے رنگ ہر سو پھیلا دیتے ہیں۔

☆☆☆

نازو کی شادی کو ایک مہینہ گزر گیا تھا، مگر اسے لگتا تھا کہ جیسے ایک پل ہو، وہ اتنی ہی خوش اور مگن تھی کہ اسے وقت کے تیزی سے گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا، خاندان بھر میں دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا، اماں ابا کے گھر جاتی تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا، نذیر بھی اتنی عزت اور اہمیت پا کر اکڑ جاتا تھا، ایک مہینے کے بعد نازو سے کھیر پکوائی گئی، تب نازو کے چودہ طبق روشن ہوئے اور اس نے نیند سے جاگ کر، غور سے اپنے آس پاس دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ کافی بھرے پرے سسرال میں آئی ہے، جہاں اس کی تین بیاہی نندیں ہر دوسرے دن میاں اور بچوں سمیت

آئی ہوتیں تھیں، ایک کنواری نند جو سب سے چھوٹی اور نک چڑھی تھی، نازو کی ہی ہم عمر تھی، دو جیٹھ بمع اپنی بیویوں اور بچوں کے، اسی بڑے سے گھر میں مقیم تھے، نذیر سیکنڈ لاسٹ نمبر پہ تھا، اس سے چھوٹی قیصرہ کی بھی منگنی ہوئی تھی اور جلدی شادی بھی ہونے والی تھی۔

اس کے علاوہ گھر میں کسی نہ کسی رشتے دار کی آمد کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، نازو کو یہ سب پہلے ناگوار نہیں لگتا تھا اس لئے کہ اس نے صرف بن سنور کر ان کے ساتھ بیٹھنا ہوتا تھا، مگر کھیر پکوائی کی رسم کے بعد صورت حال کچھ اور ہوگئی تھی، ساس نے اتنی مہربانی کی کہ اس کی ناتجربہ کاری کو دیکھتے ہوئے، بڑی بہو سے کھیر پکوائی، مگر نازو ہر کام میں شامل رہی تاکہ سیکھ سکے، اس رسم کے بعد، تینوں بہوؤں میں کام بانٹ دیئے گئے۔

اور یہاں سے ہی محبت اور فکر کے غبارے سے ہوا نکل گئی، سامنے رہ گئی تو زندگی کی تیز اور تپتی ہوئی سی دوپہریں اور ساری زندگی محبت کی چھاؤں میں رہنے والوں کو رویوں کی دھوپ اندر تک جھلسا دیتی ہے۔

☆☆☆

نازک مزاج اور سدا کاموں سے دور رہنے والی نازو پہ جب ذمہ داریوں کا بوجھ پڑا تو وہ بوکھلا کر رہ گئی اور اسی ناتجربہ کاری اور بوکھلاہٹ میں وہ ہر کام غلط طریقے سے کرتی تھی، جس کی وجہ سے اسے سب کی تنقید کا سامنا کرنا پڑتا تھا، لمبی چوڑی سسرال کی سیاست سمجھنا اور اس میں سمجھداری اور طریقے سے اپنا کردار نبھانا اتنا آسان نہیں ہوتا، خاص کر نازو جیسی لڑکیوں کے لئے جنہوں نے خود کو ہمیشہ بہت خاص اور اہم پایا تھا اور سسرال میں جا کر احساس ہوتا ہے کہ اپنے

گھر میں شہزادی بن کر راج کرنے والی سسرال میں صرف بہو ہوتی ہے، جس کی اہمیت اور عزت بہت کم کم اور صرف قدردان لوگ ہی جانتے اور کرتے ہیں، عام طور پر معاشرے میں بہو کو تختہ مشق سمجھ کر لایا جاتا ہے، دنیا جہاں کی خوبیاں ہونے کے باوجود، بہو میں ایسی نادیدہ خوبیاں بھی تلاش کی جاتی ہیں جن سے واسطہ بھی خود ساس نے بھی بہو بن کر نہیں کیا ہوگا، مگر ساس بنتے ہی وہ نادیدہ خوبیاں ضرور چاہیے ہوتیں ہیں اپنی بہو میں۔

سونا پہ سہاگہ نازو شاید یہ تیز دھوپ جیسے جسم و جاں کو جھلساتے رشتے جھیل بھی جاتی مگر نذیر کی شخصیت کے جوہر کھل کر سامنے آنے لگے، نذیر من موجی، خود پسند اور نہایت درجے کا کام چور تھا، جس کا کام صرف دوستوں میں اٹھنا اور بیٹھنا تھا، مشترکہ خاندانی نظام کے تحت اس کے ان عیبوں پہ پردہ پڑ جاتا تھا، کیونکہ سارا حساب کتاب سسر کے ہاتھ میں تھا، کھانا مشترکہ پکتا تھا، نذیر کو مہینے کا جیب خرچ مل جاتا تھا، جو وہ باہر دوستوں میں ہی اڑا دیتا تھا، نازو کو اپنے میکے کی وجہ سے بہت ڈھارس تھی، جہاں اس کی اہمیت اول روز کی طرح قائم تھی، نازو کی زیادہ ضرورتیں ابھی بھی میکے سے پوری ہوتی تھیں، وجہ تھا نذیر، جو پہلے تو مختلف حیلے بہانوں سے پھر کھل کر سامنے آکر نازو کے ذریعے مختلف فرمائشیں پوری کرواتا تھا اور اس کا آسان طریقہ وہ نازو کو کچھ دنوں کے لئے میکے چھوڑ آتا تھا، نازو کے اوپر تلے کے تین بچے ہو چکے تھے دو بیٹیاں اور پھر چھوٹا عبداللہ، جو دو سال کا تھا، آگے پیچھے ہونے والی دونوں بیٹیوں کی دفعہ بھی اس نے سب کے بہت برے رویئے دیکھے تھے، نذیر کا منہ الگ بنا ہوا تھا، اپنے گھر میں سب سے دب کر رہنے والا

نذیر، سسرال میں راجہ اندر بن کر رہتا تھا، اس کے مزاج کی کڑواہٹ اور بد دماغی اپنے عروج پر ہوتی تھی اور نازو کے بیٹی پیدا کرنے کے بعد تو اس کا دماغ اور بھی خراب ہو گیا تھا، ساس اور نندیں بھی دو بیٹیوں کے ہونے پہ طعنے دیتیں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نازو کے لئے یہ سہنا بہت اذیت ناک ہو گیا تھا، سسرال میں جان مارنے کے باوجود صلہ کچھ نہیں ملتا تھا، اس کی خدمت اور محبت کے باوجود نہ شوہر کا مزاج ٹھیک ہوتا تھا اور نہ ساس اور نندوں کی تیز آلہ دھار زبانیں رکتی تھیں۔

جیٹھانیوں کی سیاست اور چاپلوسی اپنے مطلب کے مطابق ہوتی تھی کبھی اس کی ہمدرد بن جاتیں تھیں اور کبھی اس کے خلاف۔

ان گزرے سات سالوں میں اب نازو سب کے دلوں پہ راج کرنے والی اپنے ماں باپ کی لاڈلی بیٹی یا بھائیوں سے ناز نخرے اٹھوانے والی نازو نہیں رہی تھی، بلکہ شوہر کے دل سے اتری ایک بیوی، ساس کی ناپسندیدہ بہو اور نندوں کی بری بھابھی تھی، بیٹے کی پیدائش نے بھی اسے ان سب کی نظروں میں معتبر نہیں کیا تھا۔

زندگی کے اتنے تلخ رنگ دیکھ کر نازو بے اختیار اپنے رب سے شکوہ کناں ہونے لگی تھی۔

ساری زندگی محبت کی چھاؤں میں رکھنے والے نے رشتوں کا یہ زہر کیوں اسے بخش دیا تھا؟ کون سے گناہ کی یہ سزا تھی؟ جو ختم ہونے میں ہی نہیں آرہی تھی؟

"میں نے کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا پھر میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہو رہا ہے کہ میرے سیدھے کیے کام بھی سب الٹے ہو جاتے ہیں، کیوں میرے مالک۔" نازو کے دکھی دل نے اپنے رب کے حضور شکوہ کیا، یہ جانے بغیر کہ بعض سوالوں کے جواب اگر مل جائیں تو ہم خود اپنی نظروں میں ہی اٹھنے کے قابل نہیں رہتے ہیں۔

☆☆☆

اس بار بھی نازو اور نذیر کے درمیان ہونے والا جھگڑا کافی شدید نوعیت کا تھا، وجہ تھی نذیر کی چھوٹی اور آخری بہن قیصرہ کی شادی تھی، نذیر کی ماں کی نظریں نازو کے سٹور میں پڑے جہیز کی مختلف چیزوں پر تھیں کیونکہ قیصرہ نے بھی ضد کی تھی کہ اسے بھی نازو جیسا جہیز ہی چاہیے، اس سے کم پر وہ آمادہ نہیں تھی، یہاں تک تو چلو پھر بھی ٹھیک تھا، نازو کچھ چیزیں دے بھی دیتی تو اسے اتنا فرق نہیں پڑتا تھا، اصل بات یہ تھی کہ نازو کی ساس نے اس کی طرف کا بڑا سیٹ پہلے دن قیصرہ کو پہنانے کے لئے مانگ لیا تھا اور نازو جانتی تھی کہ ایک بار زیور دے دیا تو واپس نہیں ملنا تھا، بظاہر قیصرہ کو کسی چیز کی کمی نہیں تھی، باقی بہنوں کی طرح اس کا بھی مناسب جہیز اور زیور تیار تھا، مگر یہاں بھی بات آجاتی تھی کہ نازو جیسا ہو سب کچھ، جیسے نازو کی اماں اپنی بہوؤں کو نازو کے اعلیٰ جہیز کی مثال دیتی تھیں، اسی طرح سسرال میں بھی اکلوتی ہونے کی وجہ سے ملنے والا جہیز اور چیزیں ہی سب کی نظروں میں کھٹکتی رہتی تھیں۔

نذیر نے ہمیشہ کی طرح سب میں شو مارنے کے لئے نازو سے زیور تو مانگا ہی ساتھ ہی کچھ رقم کا مطالبہ بھی کر دیا تا کہ وہ اپنی طرف سے بہن کی شادی میں تحفتاً رقم پیش کر سکے۔

بری میں ڈالا گیا زیور بہت پہلے ہی ساس لے چکی تھیں نازو کے سامنے اپنی دو بیٹیاں بھی تھیں، جن کے لئے اس نے ابھی سے جوڑنا تھا کیونکہ نذیر نے خود تو کبھی محنت نہیں کی تھی اور نہ اسے اپنے بچوں کی کوئی فکر تھی، مگر نازو جانتی تھی

کہ اکثر و بیشتر کسی طرح سب کی باتیں سنتی ہے، جیٹھانیوں کی تمسخر اڑاتی نظروں کا سامنا کرتی ہے، نذیر کی لاپرواہی اور ہڈ حرامی کے طعنے اسے اٹھتے بیٹھتے سننے کو ملتے تھے، جیسے یہ بھی اس کا قصور ہو اور ایسی باتیں اس کی عزت نفس پہ تازیانے کا کام کرتیں تھیں، جس عورت کا شوہر کچھ کماتا نہ ہو، کام نہ کرتا ہو، ایسی عورت کی سسرال میں کبھی عزت یا وقعت نہیں ہوتی ہے۔

اس بار تو حد ہو گئی نذیر کو جب نازو نے صاف انکار کیا تو وہ شدید غصے میں آ گیا تو مشتعل ہو کر اس پہ ہاتھ اٹھا بیٹھا، نازو شدید دکھ اور صدمے کی حالت میں اسے دیکھتی رہ گئی، اگلے دن نازو کو بچوں سمیت بکتا جھکتا، میکے چھوڑ آیا، نازو نے ڈھلتی دوپہر میں تینوں بچوں سمیت جب گھر کی دہلیز پار کی تو، بہوؤں کو حسب معمول کوستی اماں، بیٹی کے لٹے پٹے انداز کو دیکھ کر دھک سے رہ گئی، اس کے گال پہ ثبت انگلیوں کے نشان بہت واضح تھے۔

''یا الٰہی خیر۔'' اماں نے دل پہ ہاتھ رکھ کر زیر لب کہا مگر اماں یہ بھول گئیں تھیں کہ اللہ تو خیر دیتا اور بانٹتا ہی ہے بس اس کے بندوں کا ظرف ہی اس معاملے میں کم پڑ جاتا ہے۔

☆☆☆

اماں کے بار بار پوچھنے پر نازو نے نذیر کا نیا مطالبہ انہیں بتا دیا، جسے سن کر پہلے تو اماں کا پارہ چڑھ گیا مگر پھر ایکدم سے چپ کر گئیں۔

ان کے سامنے ان کی بیاہی بیٹی تھی جس کے پیروں میں تین بچوں کی زنجیر بھی تھی، وہ پہلے ہی بے ماں نظر آ رہی تھی، اس کے سامنے بولنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا مگر اس کے گال پہ ثبت نشان، اماں کے دل کو چیر گئے تھے، نازو نے دوپٹہ اچھی طرح چہرے کے آگے کر لیا تھا تا کہ ابا یا بھائی

میں سے کوئی نہ دیکھ سکے، اماں نے اس کی احتیاط کو دیکھا تو گہری سانس لے کر رہ گئیں، ماں باپ کے آنگن میں کانٹے چبھنے پہ شور مچا دینے والی بیٹیاں، سسرال میں کتنے آرام سے بڑے بڑے دکھ سہنا سیکھ جاتی ہیں، نازو کو آئے پندرہ دن ہو چکے تھے، باپ اور بھائی اسے گم صم اور اکتایا ہوا دیکھ کر پریشان ہوتے تھے۔

نذیر کے مطالبے بڑھتے جا رہے تھے اور آج کل کی بڑھتی مہنگائی اور حالات میں اپنا کنبہ ہی اچھی طرح سے پالنا بڑی بات تھی اور اس طرح کے مطالبے شاید وہ اوکھے سوکھے ہو کر یہ مطالبہ پورا کر بھی دیتے مگر نازو نے صاف منع کر دیا تھا، وہ زیور دینے کے حق میں نہیں تھی، یہ ناجائز مطالبہ وہ شاید پورا کر بھی دیتی اگر اسے اپنی دو بیٹیاں نظر نہ آ رہی ہوتیں جن کی کل کو شادی بھی کرنی تھی، ابھی تو ان کی تعلیم اور دوسرے اخراجات ہی مشکل سے پورے ہوتے تھے، میکے کا بہت سہارا تھا اسے مگر آخر کب تک، رضوانہ بھابھی کے تین اور شکیلہ بھابھی کے دو بچے تھے، ایک بیٹی اور ایک بیٹا، جن کی تعلیم اور ضروریات بھی تھیں، جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

نازو نے دو سالہ عبداللہ کو مٹی کھاتے دیکھا تو غصے میں اسے ایک تھپڑ لگا دیا اور صحن میں لگے نلکے پہ لا کر اس کا منہ اور ہاتھ دھلوانے لگی، تھپڑ لگتے ہی عبداللہ گلہ پھاڑ کر رو رہا تھا اور خود کو ماں کی سخت گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا، نازو نے سختی سے اسے جھڑکا، عبداللہ کے رونے میں اضافہ ہو گیا، اسی وقت نازو کے کانوں میں چیختی چنگھاڑتی آوازیں گونجیں، نازو نے گردن موڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا جہاں اماں غصے اور جلال میں حسب معمول دونوں بہوؤں کی

شامت لائی ہوئیں تھیں، گھنی، میسنی، منحوس جیسے کتنے ہی القابات سے اماں اپنی بہوؤں کو نواز رہی تھیں، دونوں بھابھیاں، اماں کو بولتے دیکھ کر ادھر ادھر ہو گئیں تھیں، جس نے اماں کا غصہ اور بڑھا دیا تھا۔

اب وہ جاہل عورتوں کی طرح جھولی اٹھا اٹھا کر دونوں کو بددعائیں دے رہی تھیں، کوس رہی تھیں، اماں کے مزاج کی یہ تلخی جواب بڑھتے بڑھتے حسد اور نفرت میں بدل گئی تھی، کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اماں کمزور اور بوڑھی ہو رہی تھیں اور ان کے دونوں بہوؤں کے قدم پہلے سے مضبوط، پہلے دونوں ڈرتی تھیں، پریشان ہوتی تھیں مگر اب اماں کی باتوں پہ سر جھٹک کر اپنے کاموں میں لگ جاتی تھیں، اماں کے شکوے اور شکائتیں ہمیشہ جاری رہتی تھیں، انہیں اپنی حکومت ختم ہوتی نظر آتی تھی جو ان سے برداشت نہیں ہوتا تھا، وقت کو سمجھ کر چلنے والے اور نئی پیڑی (نسل) کے لئے راستہ چھوڑنے والے، وقت کے سامنے اور اپنے بچوں کے سامنے بھی سرخرو رہتے ہیں اور اپنی عزت اور وقار بھی بنائے رکھتے ہیں اور اپنی ضد اور فطرت پہ قائم رہنے والے، نہ تو اپنی نظروں میں اور نہ دوسروں کی نظر میں سرخرو ہوتے ہیں۔

نازو نے دیکھا کہ دونوں بھابھیوں نے ایک ناگوار نظر اماں پہ ڈالی تھی اور اٹھ کر اندر چلیں گئیں تھیں اس لمحے نازو کا دل چاہا کہ دونوں بھابیوں یا دونوں میں سے کوئی ایک ہی اماں کی ہر بات کا، زیادتی کا جواب دے، ان سے مقابلہ کرے، زبان درازی کرے۔

مگر اس طرح خاموشی سے اندر نہ جائیں، عبداللہ کب کا ماں کے ہاتھوں سے نکل کر بھاگ گیا تھا، نازو یک ٹک سی کھڑی سب دیکھ رہی تھی، نازو نے گہری سانس لے کر نلکے سے بہتے پانی کو دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر نلکا بند کر دیا، آج اسے اپنے سب سوالوں کے جواب مل گئے تھے۔

☆☆☆

''اماں! بھائی سے کہیں مجھے کل صبح واپس چھوڑ آئیں۔'' نازو نے تھکے تھکے انداز میں اماں کے پاس چارپائی پہ بیٹھتے ہوئے کہا، مغرب ہونے والی تھی، دونوں صحن میں بچھی چارپائی پہ بیٹھی ہوئیں تھیں، فضا میں پرندوں کی واپسی کا شور تھا، بڑبڑاتیں ہوئی اماں نے چونک کر بیٹی کی طرف دیکھا اور اس کا اداس اور تھکا ہوا چہرہ دیکھ کر تڑپ کر رہ گئیں۔

''ماں صدقے! کیا حالت بنالی ہے تو نے اپنی اور تو نے واپس جانے کی بات کیوں کی؟ کیا نذیر کا فون آیا ہے وہ مان گیا ہے؟'' اماں نے آنکھوں میں امید کے کئی رنگ لے کر پوچھا تو نازو ان کی طرف دیکھ کر تلخی سے مسکرا دی۔

''اماں! آپ جانتی ہیں کہ میں پچھلے کئی سال سے اپنے رب سے کتنے ہی شکوے کرتی رہی ہوں، کہ میری تقدیر میری مٹھی سے نکل کر کیسے خاک میں مل گئی، میری سونے جیسی قسمت، کھوٹے سکوں میں کیسے بدل گئی؟ اور اماں آج مجھے میرے ہر سوال کا جواب مل گیا ہے۔'' نازو نے آزردگی سے کہا تو اماں نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

''کیا مطلب ہے تیرا نازو؟'' اماں نے حیرانی سے پوچھا تو نازو گہرا سانس لے کر بولی۔

''اماں! ابھی جب آپ دونوں بھابھیوں کو کوسنے دے رہی تھیں برا بھلا کہہ رہی تھیں اس لمحے میرا دل چاہا کہ کاش ان میں سے کوئی تو پلٹ کر آپ کو جواب دے۔''

''اے نازو! تیرا دماغ چل گیا ہے تو کیسی

باتیں کر رہی ہے کسی کی کیا جرأت ہے کہ میرے آگے زبان چلائے۔'' اماں نے سینہ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

''اماں! میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ آپ دوسروں کا صبر آزماتی ہیں اپنی زبان کے نشتر چلا کر اور آپ کے سامنے والے صبر کرتے ہیں، خاموش رہ کر، اماں اس طرح آپ ظالموں میں اور وہ مظلوموں میں شمار ہوتے ہیں اگر وہ آپ سے مقابلہ کریں گی تو کم از کم مظلوم تو نہیں رہے گی ناں، اماں آپ ان کا صبر آزماتی ہیں اور اللہ آپ کا صبر آزماتا ہے۔'' نازو نے تھکے تھکے انداز میں کہا تو اماں حیرت اور صدمے سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''نازو!'' اماں کے لب ہلے۔

''ہاں اماں! اگر اپنی بیٹی سے اتنی محبت تھی تو کیوں دوسروں کی بیٹیوں کو لا کر ان سے اتنی نفرت اور چڑ رکھی؟ آج سے پہلے مجھے اپنی قسمت سے اپنے رب سے اپنے سسرال والوں سے بہت شکوے تھے مگر اب نہیں رہے، لوگ کہتے ہیں ناں کہ سب کو ماں جیسی ساس ملے، تو اماں میری ساس بھی تو میری ماں کی طرح ہی ہے ناں، جو اپنی بیٹی سے شدید محبت اور اپنی بہو سے اتنی ہی نفرت کرتی ہے، پھر کیا فرق ہے میری ماں اور میری ساس میں؟''

''اگر میں کبھی اپنی بے حسی اور لاپروائی کی وجہ سے اپنی اماں کو غلط کرنے سے نہیں روک سکی، ان کے غلط کو زیادتی کو، برا نہ کہہ سکی تو پھر اپنی ساس کو کیوں کہوں؟ میری ساس کون سا زمانے سے الگ کر رہی ہے جو میں خود کو مظلوم اور انہیں ظالم سمجھوں؟ اماں آج کے بعد کم از کم اتنا تو ہوگا کہ مجھے کسی سے شکوے نہیں رہیں گے میں خود کو مظلوم نہیں سمجھوں گی، اماں بے شک میری قسمت ایسی ہی لکھی گئی تھی مگر اماں کیا یہ ضروری ہے کہ ٹوٹی ہوئی کشتی پہ اور بوجھ ڈالا جائے؟ اپنے برے اعمالوں کا، میری تقدیر کا ہیر پھیر تو اسی طرح جاری رہتا ہے مگر میں کوشش کروں گی کہ نذیر کو سمجھا سکوں، اس کی بیٹیوں کے حوالے سے، اماں مجھے امید ہے کہ اپنی بیٹیوں کے لئے وہ بھی ضرور سوچے گا، اب میں صبر و شکر کے ساتھ اپنے حصے میں آئی آزمائش کے ختم ہونے کا انتظار تو کروں گی ناں اور اماں اگر آپ چاہتی ہیں کہ میری آزمائش جلد ختم ہو جائے تو اماں آپ کو اپنے رویئے میں تبدیلی لانی ہوگی اور یہ تب ہی ممکن ہے جب آپ سچے دل سے اپنے رب کے حضور توبہ کریں گی، اماں زندگی آسان تو کسی کی بھی نہیں ہوتی مگر گناہ کا بوجھ لے کر جینا بہت مشکل ہوتا ہے، اب جب جب میری ساس میری تذلیل کرے گی میں یہ سوچ کر صبر کر لوں گی کہ میری ماں بھی ایسی ہی ساس ہے۔'' نازو نے نم آنکھوں کو دھیرے سے صاف کیا اور اماں کو گم صم حالت میں چھوڑ کر اندر کی طرف بڑھ گئی، پھر ایک دم ہی ٹھٹک کر رک گئی، سامنے رضوانہ بھابھی اور شکیلہ نم آنکھوں کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''جو بھی تھا، ہم نے کبھی تمہارے لئے نہ برا سوچا اور نہ برا چاہا ہے نازو۔'' رضوانہ بھابھی نے آگے بڑھ کر نازو کو پیار سے گلے لگاتے ہوئے کہا، تو شکیلہ بھابھی نے بھی اثبات میں سر ہلا کر تائید کی۔

''میں جانتی ہوں بھابھی مگر میں آپ دونوں کے سامنے شرمندہ بھی ہوں اور اپنے اب تک کے بے حس رویئے پہ معذرت خواہ بھی۔'' نازو نے دھیرے سے کہا اور سر جھکا کر اندر چلی گئی، رضوانہ بھابھی نے گہری سانس لی، مغرب

کی اذان ہونے والی تھی، شام کے گہرے ہوتے سائے میں اماں صحن میں گم صم سی بیٹھی اسی شام کا حصہ لگ رہی تھیں، رضوانہ بھابھی نے صحن میں لگا بلب جلایا تو سارا صحن میں ایک دم سے تاریکی سے روشنی میں آ گیا۔

اسی روشنی میں رضوانہ بھابھی نے اماں کا چہرہ دیکھا تو چونک گئیں، اماں کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، چہرے پہ دکھ کے تاثرات بہت نمایاں تھے، مکافات عمل کیا ہے؟ اماں کو آج سمجھ میں آیا تھا مگر تب جب وقت اپنے ساتھ بہت کچھ بہا کر رہ گیا تھا۔

''اماں! نماز پڑھ لیں، میں نے وضو کا پانی اور جائے نماز بچھا دی ہے۔'' شکیلہ نے پاس آ کر دھیرے سے اماں کو پکارا، تو انہوں نے ندامت بھری آنکھوں سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے پیچھے صحن کے کونے میں نماز پڑھتی رضوانہ بھابھی کو بھی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ دونوں بہوؤں نے ان کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، اکلوتی بیٹی کے انہوں نے صرف لاڈ اٹھوائے تھے، مگر بیٹی کا سکھ انہیں ان دونوں نے دیا تھا، اگر انسان خیر کے لئے سوچے تو بہت چھوٹی چھوٹی باتیں بھی شکر گزاری اور محبت کا باعث بنتی ہیں۔

اماں نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے چارپائی سے اٹھیں اور شکیلہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر وضو کرنے چلیں گئیں، شکیلہ نے حیرت زدہ نظروں سے رضوانہ بھابھی کی طرف دیکھا، جو سلام پھیر کر اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھیں، خوشی بھری آنکھوں سے انہوں نے اثبات میں سر ہلا کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے، احتساب کا وقت شروع ہو چکا تھا، مگر اماں نے پہلے ان لوگوں سے معافی مانگی تھی جس کی وجہ سے ان کی بیٹی کو، اپنے ماں کے کہے لفظوں کا تاوان ہر روز بھرنا پڑتا تھا، توبہ کرنا، معافی مانگنا مشکل تر ہی سہی مگر اس اذیت اور تکلیف کے تاوان سے بہتر ہی ہوتا ہے جسے ساری زندگی ہمارے پیارے بھرتے ہیں اور اماں نے اب صرف ماں بن کر سوچنا تھا نہ صرف اپنی بیٹی نازو کے لئے بلکہ اپنی دونوں بہوؤں کے لئے بھی۔

ضرورت اور خودداری

بشریٰ حنیف

میں ہوں انعم جبار ملتان شہر کے ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے والی، تین بھائیوں کی اکلوتی بہن اور اپنے ابا کی لاڈلی بیٹی، میرے ابا ایک سرکاری اسکول ٹیچر تھے انہوں نے ساری زندگی ایمانداری سے حلال روزی کمائی، ابا نے ہم سب بہن بھائیوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی مجھے بچپن سے ہی پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا ڈاکٹر بننا میری خواہش تھی، چونکہ ابا کی لاڈلی بیٹی تھی لہٰذا ان کی خصوصی محبت اور حمایت ہمیشہ میرے ساتھ رہی۔

انٹرمیڈیٹ کے بعد نشتر میڈیکل کالج میں بی ڈی ایس کے لئے امتحان پاس کیا داخلہ لینے کے لئے ابا سے خواہش ظاہر کی، ابا کی آمدنی اتنی نہیں تھی کہ سرکاری ادارے کے ذریعے بھی میرے تعلیمی اخراجات با آسانی پورے کر پاتے وہ بھی اس صورت میں جبکہ میرے بھائی بھی زیر تعلیم تھے مگر میری خواہش کے پیش نظر ابا نے مجھے تعلیم دلوائی، بھائیوں نے بھی ہمیشہ میرا خیال رکھا، میری اماں سادہ طبیعت کی سلیقہ مند خاتون تھی، تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ انہوں نے مجھے گھر داری کے تمام طور طریقے سکھائے، ملتان شہر کے جس علاقے میں ہمارا گھر تھا وہاں میرا ڈاکٹر بننا غیر معمولی بات تھی، ابا کی اصول پسندی اور شرافت کے سبب محلے والے ہمارے گھرانے کو قابل قدر، قابل احترام سمجھتے تھے لوگ میرے ابا اور بھائیوں کی شرافت کی مثالیں دیا کرتے تھے، ڈاکٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد میں نے شہر کے مشہور ڈینٹسٹ (Dentist) کے پاس پریکٹس شروع کر دی تھی انہی دنوں اماں ابا میری شادی کے لئے فکر مند تھے کچھ عزیز رشتے داروں نے میرا ہاتھ مانگنے کی خواہش ظاہر کی مگر لڑکوں کی تعلیم کم ہونے کی وجہ سے ابا نے انکار کر دیا، ایک روز تایا ابا اپنے بیٹے کے لئے میرا ہاتھ مانگنے آئے تھے، میرے تایا کا لڑکا میٹرک پاس کرنے کے بعد باپ کی ورک شاپ کا کام سنبھالتا تھا ابا اس بات پر بہت خفا ہوئے اس روز میں نے ابا کو غصے میں دیکھا تھا۔

''میری بیٹی نے ڈاکٹری پڑھی ہے آپ چاہتے ہیں میں اس نکمے سے اس کی شادی کر دوں ورک شاپ میں دن بھر کیسے گندے کپڑوں میں مزدوری کرتا ہے میری بیٹی کا سلیم کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں بنتا بھائی صاحب، آپ کو سوچ سمجھ کر سوال کرنا چاہیے تھا۔'' ابا کی آواز بلند تھی۔

''مزدوری کرتا ہے میرا بیٹا تو اپنا کاروبار سنبھال رہا ہے کسی کا احسان تو نہیں لیتا نہ ہی بے روزگار ہے، اللہ کے فضل سے میرے گھر کے اخراجات میرا بیٹا ہی پورے کر رہا ہے۔'' تایا ابا کی آواز دھیمی ہونے لگی ابا کے جواب سے یقیناً انہیں مایوسی ہوئی تھی۔

کچھ ہی عرصے میں ابا کے کسی عزیز کے ذریعے جاوید کے ساتھ میرا رشتہ طے کر دیا گیا تھا، اماں نے مجھے جاوید کی تصویر دکھائی بلاشبہ وہ ایک خوبصورت انسان تھا جسے اس روز میں نے تصویر میں دیکھا جاوید نے انجینئرنگ پاس کی تھی

اور کمپیوٹر کے ڈپلومے بھی کر رکھے تھے، ابا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اپنے باپ کے انتقال کے بعد ان کا کاروبار سنبھالتا ہے مجھے ابا کی سوچ پر مکمل عتماد تھا میں نے فوراً ہامی بھر لی، چند ماہ بعد بیاہ کر میں جاوید کے گھر آ گئی شادی کے کچھ ہی عرصے

میں بہت سی حقیقتیں مجھ پر واضح ہو گئی تھیں ابا اور بھائیوں نے جیسا مستقبل کا سوچ کر مجھے جاوید کے ساتھ رخصت کیا تھا حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی، جاوید اچھا انسان نہیں تھا نشہ کرنا اس کی عادت تھی میرے لاکھ سمجھانے اور منع کرنے کے

باوجود بھی اس کی یہ عادت چھوٹنے والی نہ تھی، شروع شروع میں میری ناراضگی اس پر اثر انداز ہوئی تھی مجھے لگا میں اس بری عادت سے ہمیشہ کے لئے جاوید کو نجات دلوا دوں گی مگر یہ محض میرا گمان تھا میرے سامنے نہیں مگر مجھ سے چھپ کر وہ نشہ کرتا رہا دن بھر سویا رہتا نہ کاروبار پر دھیان دیتا اور نہ ضروریات زندگی میں اس کی توجہ تھی، میرے سسر کا گارمنٹس کا کاروبار تھا، لاہور سے ملتان کپڑے کی سپلائی توجہ طلب کام تھا مگر جاوید کی لاپروائی کے سبب کاروبار بری طرح متاثر ہو رہا تھا میری بوڑھی ساس مجھ پر دباؤ ڈالتی رہیں کہ میں جاوید کی شخصیت میں احساس ذمہ داری پیدا کروں مجھے سمجھ نہ آتا کہ جو احساس ذمہ داری پچھلے پچیس، چھبیس سال میں بیدار نہ ہو سکا وہ ایک ڈیڑھ سال میں میرے سمجھانے پر کیسے ممکن تھا اس کے باوجود میں نے اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی یہاں تک کہ اب وہ میری ہر بات ان سنی کر دیتا تھا ڈھٹائی سے میرے سامنے ڈرنک کرتا میں منع کرتی تو چیخنے چلانے لگتا تھا خاموشی اختیار کرنے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہ تھا شاید وقت کے ساتھ ساتھ میں نے بھی اس کی اس عادت سے سمجھوتا کرلیا تھا۔

کئی بار میں نے کوشش کی کہ اپنے سسر کے ڈوبتے ہوئے کاروبار پر میں خود توجہ دوں لیکن آئے دن ملتان سے لاہور کے چکر کاٹنا میرے بس کی بات نہ تھی اور نہ ہی مجھے اس کی اجازت دی گئی کیونکہ اکلوتی نند کی شادی کے بعد گھر کی تمام تر ذمہ داری بھی مجھ پر تھی جبکہ جاوید کو یہ گوارا نہ تھا کہ میں اس کی جان پہچان کے حلقے میں مردوں کے مقابل کام کروں اس وقت بہت جی چاہا تھا میں جاوید سے بحث کرتی اس سے یہ کہہ سکتی کہ جس دل میں احساس ذمہ داری نہیں وہاں اس احساس غیرت کا کیا کام؟ مگر ایک بار پھر میں نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی، صبر و شکر کے ساتھ دوکانوں سے آنے والی آمدنی کو دانشمندی سے استعمال کرتی رہی اماں کے سکھائے ہوئے ہنر شادی کے بعد بہت کام آئے۔

☆☆☆

پانچ سالوں میں ایک کے بعد ایک تین بیٹیوں کی پیدائش اور ان کی ذمہ داری میرے لئے پریشان کن تھی بڑھتے ہوئے مسائل کے ساتھ ساتھ جاوید کی لاپرواہی بھی بڑھتی چلی گئی جاوید اپنے باپ کا کاروبار ڈبو چکا تھا، شہر میں میرے سسر کی گارمنٹس کی چند دکانیں ذاتی ملکیت میں تھیں جو کاروبار ختم ہونے کے بعد کرائے پر چڑھا دی گئیں تھیں جاوید اب ایک ایک کر کے ان دوکانوں کو بیچ رہا تھا میری ساس جانتی تھیں، دوکانوں کے بعد اب اور کوئی سرمایہ نہیں بچا تھا وہ مجھ پر دباؤ ڈالنے لگیں کہ میں کہیں ملازمت تلاش کروں تاکہ گھر کے اخراجات پورے ہوتے رہیں جاوید سے امید لگانا بے سود ہے اب وہ بھی یہ حقیقت تسلیم کر چکی تھیں، بچیوں کے تعلیمی اخراجات شروع ہو چکے تھے میں انہیں اچھے اسکول میں تعلیم دلوانا چاہتی تھی، ملازمت اختیار کرنے کے علاوہ کوئی بھی حل دکھائی نہیں دے رہا تھا، تبھی میں نے اپنی تعلیم اور ڈگریوں کو استعمال میں لانے کا فیصلہ کیا، میرے والدین نے میری شادی ایک خوشحال خاندان میں کی تھی تب اندازہ نہ تھا کہ اس کی نوبت بھی آئے گی، شاید والدین بیٹیوں کو تعلیم اور ہنر اسی لئے سکھاتے ہیں، اللہ کا نام لے کر میں نے قریب کے سبھی ہسپتالوں میں اپنی سی وی اور کاغذات جمع کروائے جاوید کو بمشکل میں نے اپنی ملازمت کے لئے راضی کیا تھا اخبار میں ہر روز اشتہارات

ڈھونڈا کرتی مگر بی ڈی ایس ڈاکٹر کے لئے کہیں کوئی ملازمت نہ تھی، گھر سے باہر نکلی تو احساس ہو کہ جو ڈگری میں نے اتنی محنت و لگن سے حاصل کی ہے وہ اب تک ملازمت کے حساب سے ناکافی ہے، بی ڈی ایس ڈاکٹرز کی جگہ بیرون ملک سے اعلیٰ تعلیم یافتہ (Dentists) براجمان تھے اور اپنا کلینک کھولنے کے لئے میرے پاس سرمایہ نہ تھا بالآخر کچھ دوستوں کی سفارش سے ایک پرائیویٹ ہسپتال میں مجھے سٹاف کی جگہ ملازمت پر رکھا گیا اور تنخواہ بھی اسی حساب سے ملتی گو کہ میری تعلیم کے مقابل کم تھی مگر میں نے اس پر بھی اپنے رب کا شکر ادا کیا، شادی کے بعد سے اب تک اپنے والدین اور بھائیوں کی نظر میں ہر ممکن حد تک میں نے اپنے سسرال کا بھرم قائم رکھا اپنے حالات کا رونا رو رو کر میں انہیں پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی مگر اب حالات کی پردہ پوشی ممکن نہ تھی، میرے بناء کہے میرے والدین بہت سی باتیں سمجھ چکے تھے۔

ملازمت ملنے پر میری پریشانی کم ہو گئی تھی سوچا تھا کہ کسی طرح گھر کے اخراجات اور بچوں کے تعلیمی اخراجات نکلتے رہیں تو مجھے کوئی فکر نہ رہتی مگر میرا یہ اطمینان زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا، چند ماہ بعد ہی ہسپتال کے مالک کو ایک سٹاف سے چند ہزار زائد مجھے تنخواہ کے طور پر دینے مشکل لگنے لگے تھے جبکہ میری جگہ پر کچھ اور سٹاف اور نرسز مجھ سے کم تنخواہ پر کام کرنے کے لئے آمادہ تھیں، بلا تمہید اس شخص نے میرے سامنے اپنی شرائط رکھ دی تھیں یا تو میں اس کے ساتھ سمجھوتا کر لیتی یا پھر مجھے ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے، اس وقت اپنے باس کے منہ سے ایسے گھناؤنے الفاظ سن کر میں نے کیسے خود پر ضبط کیا یہ میرا خدا جانتا ہے مجھے سمجھ ہی نہ آیا ایسی صورت حال میں کیا کرتی کیا جواب دیتی سوچنے کی مہلت مانگ کر میں وہاں سے چلی آئی چند ہزار روپوں کے عوض وہ شخص مجھ سے میری ذات کا سودا کرنا چاہتا تھا۔

''یا اللہ! میں کیا کروں کس سے مدد مانگوں؟'' دیر تک سجدے میں سر جھکائے اپنے رب سے مدد مانگتی رہی اس روز میں نے بہت سوچا اور بالآخر فیصلہ کر لیا محض چند روپوں کے لئے ایسے گناہ کا حصہ بننا ہرگز مجھے گوارا نہ تھا لہٰذا اس ملازمت کو خیر باد کہہ کر ایک بار پھر سے میں ملازمت کی تلاش شروع کر دی، شہر کے تمام ہسپتالوں اور تمام چھوٹے بڑے کلینک کے چکر کاٹنے کے بعد ایک مرتبہ پھر وہی نتیجہ میرے سامنے تھا میرے لئے کہیں کوئی ملازمت نہ تھی، ہاں مگر میری ضرورت کے خریدار بہت ملے مجھے میں اکثر دل میں سوچا کرتی اگر سمجھوتا ہی کرنا ہوتا تو وہیں نہ کر لیتی۔

دھیرے دھیرے محسوس ہونے لگا جیسے سب دروازے بند ہو گئے مجھ پر ہر جگہ انکار سن کر مایوس ہونے لگی تھی، ادھر میری ساس نے گھر میں ہنگامہ کھڑا کر رکھا تھا ہر روز مجھے ملازمت چھوڑنے پر کوستی رہتیں۔

''گھر سے باہر نکلنے پر ہزاروں مسائل جھیلنے پڑتے ہیں، کہی سنی باتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اب اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ملازمت چھوڑ چھاڑ کر گھر بیٹھ جاؤ، اللہ اللہ کر کے تو تمہیں ملازمت ملی تھی چار پیسے ہی آ جاتے تھے اب دیکھو پھر سے وہی مسائل سامنے ہیں، ارے اگر کماؤ گی نہیں تو گھر کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے بچیوں کی ذمہ داری کون دیکھے گا اس نکمے کو تو اپنا ہوش نہیں بوڑھی ماں کی پرواہ کیا خاک کرے گا؟''

میں جانتی تھی اماں بڑھتے ہوئے مسائل سے گھبرا رہی ہیں ایسے میں ان کا غصہ اکثر مجھ پر ہی نکلا کرتا تھا۔

''آپ پریشان مت ہوں اماں میں کوئی نہ کوئی حل نکال لوں گی۔'' ان سے زیادہ میں خود کو تسلی دے رہی تھی۔

''ارے تم کیا خاک حل نکالو گی ایسے مزاج کے ساتھ کمائی نہیں کی جاسکتی، تمہیں اگر ہمارا خیال ہوتا تو خواہ مخواہ اچھی بھلی نوکری چھوڑ کر نہ آ جاتی۔''

''میں کہیں اور نوکری ڈھونڈ لوں گی اماں کوشش کر تو رہی ہوں۔'' انہیں سمجھاتے سمجھاتے میں خود الجھ کر رہ گئی تھی، ابا اور بھائی جب بھی مجھ سے ملنے آتے میرے اور بچوں کی ضرورت کی اشیاء بہانے بہانے سے مجھے دے جاتے میں منع کرتی تب بھی جاتے جاتے کبھی میرے ہاتھ تو کبھی بچیوں کے ہاتھ پیسے تھما جاتے، ابا اب ریٹائر ہو چکے تھے تینوں بھائی بھی شادی کے بعد اپنے اپنے گھر کے اخراجات بمشکل پورے کر رہتے تھے مجھے اپنے میکے والوں کے حالات کا بھی بخوبی اندازہ تھا ابا اور بھائیوں کے بس میں اگر ہوتا تو ضرور میری مدد کرتے مگر اب حالات اس کے برعکس تھے اپنی اپنی مشکلات، ہمیں اکیلے ہی جھیلنی تھیں۔

سنبھال کر رکھی ہوئی جمع پونجی بھی دھیرے دھیرے خرچ ہو رہی تھی، بچیوں کی فرمائشیں بڑھنے لگیں تھیں اور میری پریشانی بھی بڑھتے ہوئے مسائل کے ساتھ جاوید کی لاپروائی بھی بڑھ گئی تھی گھر میں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں کسی بات پر دھیان ہی نہ دیتا تھا کبھی کبھی مجھے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہونے لگتا اگر جاوید میرا شریک زندگی سفر ہے تو پھر زندگی کے ان سب مسائل میں، میں اس قدر تنہا کیوں ہوں؟ میرے پاس کل بھی ان سوالوں کا جواب نہیں تھا اور آج بھی نہیں ہے۔

☆☆☆

اپنے حالات کو بدلنے کے لئے اس بار بھی مجھے ہی کوشش کرنی تھی مجھے فیصلہ کرنا ہی تھا میں نے بہت سوچا جب کوئی اور حل کوئی اور راستہ دکھائی نہ دیا تب میں نے فیصلہ کرلیا اپنی بچیوں کے بہتر مستقبل کے لئے اپنے حالات بہتر بنانے کے لئے مجھے ہر قیمت پر ملازمت تلاش کرنی تھی لہٰذا اگلی صبح ہاتھ میں کاغذات تھامے میں وہاں چلی آئی جہاں میری ضرورت کی سب سے زیادہ قیمت لگائی گئی تھی گو کہ یہاں کاغذات کی کوئی اہمیت نہ تھی اور نہ ہی ڈگریوں کی اہمیت تھی تو میرے چہرے کی میرے وجود کی، مگر رسم دنیا کی خاطر میں فائل ساتھ لائی تھی یہ ایک پرائیویٹ ہسپتال تھا مجھے یہاں کے سینئر سرجن نے اپنی اسسٹنٹ کے طور پر اپوائنٹ کیا تھا اور اس طرح میرے اور اس کے درمیان ضرورت اور خریدار کا تعلق بن گیا وہ میری ضرورتیں خرید رہا تھا اور میں بیچنے پر مجبور تھی کیونکہ یہی سودا ہمارے بیچ طے ہوا تھا جس کے عوض مجھے ہر ماہ ایک معقول رقم مل جاتی تھی، مفلسی ایک بے رحم حقیقت ہے ایسے طرز زندگی کا کبھی تصور بھی نہ کیا تھا میں نے جس کا حصہ بن چکی تھی۔

اب مجھے ساس کے طعنے نہیں سننے پڑتے تھے نہ ہی بچیوں کے چہروں پر کوئی حسرت باقی تھی انہیں روشن مستقبل دینا میری خواہش تھی جو اب پوری ہونے لگی تھی میری بچیاں اچھے اسکول میں تعلیم حاصل کر رہی تھیں گھر کے حالات بھی پہلے سے کافی بہتر ہو گئے تھے، گھر میں خوشحالی آئی تو گھر والوں کے رویے بھی بہتر ہونے لگے میری

ساس تو جیسے گلے شکوے کرنا ہی بھول بیٹھی تھیں۔
شام میں گھر لوٹتی تو بچیوں کے کھلکھلاتے ہوئے چہرے نظر آتے گھر کا پرسکون ماحول میرے لئے باعث مسرت تھا مگر دل کے کسی کونے میں کوئی خلش ہر وقت موجود رہتی ضمیر کی چبھن تھی یا نجانے کیا مگر میں مطمئن نہیں تھی گھر میں سکون لانے کی خواہش میں دل پر بوجھ بڑھنے لگا۔
خلاف توقع جاوید کے رویے میں مجھے کچھ تبدیلی محسوس ہوئی تھی جس پر مجھے حیرت بھی ہوئی اتنے سالوں میں مجھے جاوید کی بے حسی کی ایسی عادت ہو چکی تھی کہ اب مجھے اس سے کسی قسم کی امید نہ تھی، ابا اکثر مجھ سے ملنے آتے مگر ان سے نظر ملانے کی ہمت نہ تھی مجھ میں، ابا نے ساری عمر ہمیں حلال رزق کھلایا صحیح و غلط کا فرق سمجھایا اور میں، میں نجانے کس گمراہی میں مبتلا ہو گئی تھی میرے حالات مجھے کہاں سے کہاں لے آئے سوچنے بیٹھتی تو گھنٹوں روتی رہتی۔
دن رات بے چینی اور اضطراب میں مبتلا رہتی نیندیں تو جیسے کہیں کھو گئی تھیں، اللہ کے سوا کوئی بھی میرا راز دار نہ تھا اپنے پروردگار کے حضور سجدہ ریز ہو کر گناہوں کی معافی طلب کرنا چاہتی مگر ہمت نہ تھی مجھ میں، اپنا وجود ناپاک سا لگنے لگا، وقت کے ساتھ ساتھ میرا اضطراب بڑھتا چلا گیا۔
ایک روز میں ہسپتال سے لوٹی تو جاوید میرا منتظر تھا کچھ دنوں سے مجھے محسوس ہوا تھا وہ مجھ سے سوال کرنے لگا تھا مجھے واپسی میں دیر ہو جاتی تو غصہ کرنے لگتا اس سے پہلے تو اسے کسی بات کا ہوش ہی نہ تھا شاید اس نے پینا کم کر دیا تھا یا مجھے ایسا محسوس ہوا۔
''تم آج پھر دیر سے آئی ہو؟'' وہ مجھ سے مخاطب تھا۔
''ہاں کام کچھ زیادہ تھا اس لئے دیر ہو گئی۔'' میرا جواب مختصر تھا۔
''انعم! تم اس ملازمت سے استعفیٰ دے دو میں نہیں چاہتا کہ تم ڈاکٹری کا کام کرو۔'' جاوید کے الفاظ میرے کانوں سے ٹکرائے۔
''اس بات کا کیا مطلب ہے؟'' میں سمجھ نہیں پائی وہ مجھ سے کیا کہنا چاہتا تھا۔
''میرے دوست ہنستے ہیں مجھ پر طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں، ڈاکٹری کی آڑ میں نجانے کیسے کام ہوتے ہوں گے بس تم یہ کام چھوڑ دو۔'' بلاشبہ اس روز جاوید کی کہی ہر بات سچ تھی مگر اس کے الفاظ میرے لئے ناقابل برداشت تھے میں نے کئی سالوں کا غصہ اس روز اس پر نکال دیا دل میں جو کچھ تھا سب کہہ ڈالا سالوں سے میں خاموش تھی مگر اب سہنا مشکل تھا میں بولتی رہی جبکہ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔
حالات زندگی سے گھبرا کر میں اپنے والدین سے ملنے چلی آئی ابا گھر پر موجود نہ تھے شاید کسی کام سے باہر گئے تھے اماں میرے لئے فکر مند تھیں مجھے تسلی دیتی رہیں اور صبر کی تلقین جو وہ ہمیشہ کیا کرتی تھیں میری سادہ دل ماں ابھی بھی جاوید کے رویے میں مثبت تبدیلی کی امید رکھتی تھی، ابا گھر لوٹے تو مجھے گلے لگا کہ میرا حال پوچھا مجھے بے اختیار رونا آیا کیا کہتی ان سے اپنا حال، ابا بہت سمجھدار تھے وہ مجھ سے کہتے کچھ نہ تھے مگر میری حالت خوب سمجھتے تھے، باتوں باتوں میں مجھ نصیحت کیا کرتے۔
''کاش ابا آپ جاوید کی بجائے سلیم کے ساتھ بیاہ دیتے مجھے ورک شاپ میں گندے کپڑے کر کے گھر لوٹتا مگر چند روپے کما کر تو لاتا، زندگی اس قدر مشکل تو نہ ہوتی میرے لئے۔''

روتے روتے خود پر ضبط نہ کر پائی اور ابا سے گلہ کر بیٹھی، میں ہرگز انہیں دکھی کرنا نہیں چاہتی تھی مگر دل پر ایسا بوجھ تھا کہ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

''ہاں بیٹی سچ کہتی ہے میں بھی سوچتا ہوں تو افسوس ہوتا ہے کاش میں بھائی کی بات مان لیتا آج یہ حالات نہ دیکھنے پڑتے، دیکھو تو سلیم نے سامنے کیسا اچھا گھر بنا کر دیا ہے گھر والی کو اپنے بچوں کی ہر ضرورت پوری کرتا ہے اور ایک جاوید ہے نجانے کیسا بدنصیب باپ ہے اتنی پیاری بچیوں سے نوازا ہے اللہ نے مگر پھر بھی لاپرواہ ہے۔''

''ابا میں کیسے پالوں گی انہیں، ابھی تو طویل سفر باقی ہے۔'' مجھے یوں لگا جیسے مایوسیوں نے مجھے گھیر لیا ہے۔

''میری بدنصیب بیٹی میں خدا سے تیرے نصیب کے لئے نہیں لڑسکتا تھا اسی لئے میں نے تجھے تیری خواہش کے مطابق تعلیم دلوائی، دیکھ میری بات یاد رکھنا ان بچیوں کو بھلے تو کم کھلانا مگر رزق حلال کھلانا میری بچی، بیٹیوں کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے اور تو...... تو میری بہادر بیٹی ہے کبھی ہمت مت ہارنا۔''

دیر تک ابا کے سینے سے لگ کر روتی رہی میرے سارے خدشات اور ساری مایوسیاں انہی آنسوؤں میں بہہ گئیں، ابا سے دل کا حال کہہ کر خود کو ہلکا محسوس کرنے لگی تھی دل سے بوجھ کچھ کم ہو گیا تھا۔

اس روز ابا کی نصیحت نے ایک بار پھر میری زندگی کا رخ بدل دیا تھا میں نے اپنی بچیوں کے لئے حرام روزی اختیار کی تھی اور اب انہی کی خاطر ہمیشہ کے لئے اسے ترک کر دیا اور ساتھ ہی ڈاکٹری کا خواب بھی ایک اچھی ڈاکٹر بننا میرے نصیب میں شاید تھا ہی نہیں، ایک مرتبہ پھر مجھے ملازمت چھوڑنے کے بعد انہی تلخ حالات سے گزرنا پڑا مگر میں ثابت قدم رہی کیونکہ اب میں درست سمت کا تعین کر چکی تھی میں نے قریبی پرائیویٹ سکول کے مونسٹری سیکشن میں بحیثیت استاد ملازمت شروع کی اپنی بچیوں کو مہنگے اسکول سے نکال کر سرکاری اسکول میں داخل کروا دیا تھا ابا کے توسط سے مجھے بہت سی ٹیوشنز مل گئیں ابا نے چونکہ پڑھانا چھوڑ دیا تھا لہٰذا ان سے متاثر بہت سے طالب علم شام میں میرے گھر آنے لگے رفتہ رفتہ میں نے گھر کے کچھ حصے کو باقاعدہ ٹیوشن سنٹر کی شکل دے دی، جاوید پر نجانے میری کہی ہوئی باتوں کا اثر ہوا تھا یا یہ خدا کی طرف سے کوئی معجزہ تھا کچھ عرصے پہلے ہی اس نے واحد بچی ہوئی دوکان میں راشن ڈلوایا تھا، اماں (میری ساس) نے مجھے بتایا کہ جاوید نے منت کر کے ان سے کمیٹی کے پیسے لئے تھے، کہ کاروبار شروع کرے گا، چھوٹے پیمانے پر اس نے محلے میں کریانہ اسٹور کھولا تھا اب ہر روز وہ بھی شام میں کچھ نہ کچھ تھوڑے بہت پیسے گھر لانے لگا تھا، بظاہر میں اس کے کام سے مطمئن تھی مگر اب مجھے اس پر اعتبار نہیں رہا کب اس کا ارادہ بدل جائے کچھ کہہ نہیں سکتے، میری امید کا واحد مرکز میرے پروردگار کی ذات ہے صرف وہی ہے جو بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھاتا ہے، مایوسی اور اندھیروں سے نکالتا ہے۔

اب میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں کیونکہ اب دل پر کوئی بوجھ نہیں ہے سکون قلب کے ساتھ اپنی بچیوں کے بہتر مستقبل کے لئے کوشاں ہوں میں پرامید ہوں کہ بہار جلد آئے گی۔

☆☆☆

دیا جلائے رکھنا
دعا فاطمہ

''تمہاری اگلے ہفتہ شادی ہے ناں۔''
سیماب نے کینٹین کا ایک پرسکون کونا منتخب کرتے ہوئے رابعہ سے پوچھا جو قدرے تذبذب کے ساتھ اس کونے میں موجود ایک کرسی پر ٹک گئی، کینٹین ہی کالج کا وہ واحد گوشہ تھا جہاں رابعہ کبھی نہ آئی تھی، اس کی ماں آج تک اسے گھر کا لنچ بنا کر دیتی تھیں تا کہ اس کا پیٹ خراب نہ ہو، بوتل اور چائے سے وہ سدا دور رہی کیونکہ اس کی ماں کے مطابق یہ مردوں کے چونچلے تھے، پھر کینٹین آ کر کھانے کے لئے ہی سہی، اسے نقاب نیچے کرنا پڑتا جو اسے کسی طور گوارہ نہ تھا۔
''کیا سوچنے لگی؟ تم سے پوچھ رہی ہوں۔'' سیماب نے رابعہ کی سکڑتی آنکھوں کو دیکھ کر پوچھا۔
''کچھ نہیں...... ہاں...... اگلے ہفتہ شادی ہے۔''
''تم بتا رہی تھی کہ تمہارا منگیتر کافی اکھڑ اور جاہل ہے۔''
''ہاں۔''
''تم اگر اس رشتہ سے خوش نہیں تو انکار کر دو۔''
''نہیں کر سکتی، ہماری برادری میں ذات کی بہت اہمیت ہے، اگر میں جہانگیر سے شادی نہیں کرونگی تو سدا اکنواری رہونگی۔'' رابعہ نے من وعن اپنا مسئلہ بیان کیا۔
''یعنی تم شادی نہیں، سمجھوتہ کرنا چاہتی ہو؟''
''ہاں......ایک لحاظ سے۔''
''اور اگر کبھی تم خدانخواستہ اس شادی کو نباہ نہ سکی تو؟''
''اس طرح کا ہر راستہ صرف اور صرف موت کی طرف جاتا ہے، غیرت کے نام پر سب سے پہلے میرا اباپ مجھے گولی مارے گا۔''
''تم مجبور ہو کر یہ کہہ رہی ہو۔'' سیماب نے اپنا اسکارف درست کرتے ہوئے استہزائیہ انداز اختیار کیا تو رابعہ مسکرا دی۔
''مجبوری ہی سمجھوتہ کا دوسرا نام ہے سیما، مگر تم اس طرح کے سوال کیوں کر رہی ہو؟''
''تمہیں ایک کہانی سنانی ہے۔''
''تو......''
''ان سوالوں کا تعلق اسی کہانی سے ہے۔''
''مگر ہم تو کہانیوں کی عمر سے نکل آئے ہیں سیما۔''
''نہیں رابعہ ڈیئر، ہر عورت کی زندگی ایک کہانی کو جنم دیتی ہے، ہر روز کئی کہانیاں بنتی ہیں اور بہت سے قصے پارینہ ہوتے ہیں۔''
''یہ کہانی کس عورت کی ہے؟''
''میری۔'' سیماب نے گہری سانس لی، رابعہ نے اپنا بیگ ٹیبل پر رکھا اور قدرے ریلیکس ہو کر ہمہ تن گوش ہو گئی۔

☆☆☆

سیما اور رابعہ کی دوستی بی اے میں ہوئی تھی، رابعہ اسی لوکل ویمن کالج سے منسلکہ جونیئر برانچ میں پڑھتی آئی تھی، اس کا گھر بھی کالج سے ملحقہ کالونی میں تھا جبکہ سیما نے صرف بی اے کی خاطر یہ کالج جوائن کیا تھا، میٹرک اور ایف اے اس نے پرائیویٹ کیے تھے، ایک ساتھ رول نمبر ہونے کی وجہ سے ان کی شناسائی ہوئی جو دھیرے دھیرے گہری دوستی میں بدل گئی، ہر چند کہ رابعہ نے خود کو سیماب کے لئے کھلی کتاب رکھا مگر نہ ہی کبھی خود اور نہ ہی سیماب نے اپنے متعلق گفتگو کی، اس نے آج تک اپنے والدین یا عزیز و اقارب کے متعلق بات نہیں کی تھی، وہ ہاسٹل میں رہتی تھی اور پارٹ ٹائم کہیں جاب کرتی تھی، کتابی

چہرہ، براؤن آنکھیں، قدرے اونچے رخسار اور سلونے رنگ کی سیماب اپنی لمبی ہائٹ کے ساتھ خاصی پرکشش تھی جس کے ساتھ چلتی ہوئی پستہ قدر رابعہ اپنے گورے رنگ کے ہوتے بھی دبی دبی لگتی تھی۔

آج ان کا بی اے کا لاسٹ پیپر تھا، تمام کلاس فیلوز لان کے گوشوں میں پھیلے ہوئے تھے، کچھ دیر قبل ہی رابعہ نے سیماب کو اپنی متوقع شادی کا بتایا تھا، ٹیچرز اور کلاس فیلوز کو بائے کہنے تک سیماب خاصی کھوئی کھوئی رہی جس کا سبب رابعہ کے نزدیک کالج اور اس کی روٹین کی جدائی تھی، مگر جب رابعہ نے اس کی آنکھوں میں تیرتے اشک دیکھے تو اس نے سبب پوچھ ہی لیا، سیماب نے اسے کینٹین چلنے کا کہا جو آج خلاف توقع خاصی ویران تھی۔

☆☆☆

وہ کورٹ روم تھا، کچھ جگہ کا اثر تھا اور کچھ دسمبر کی صبح کا کہ اس وقت وہ تنگ کمرہ سنسان جنگل کی مانند تھا، یہاں موجود چند لوگوں کے چہرے بے زار اور سپاٹ تھے، سب روبوٹ کی طرح کھڑے تھے، دو کالے کوٹ والے وکیل کٹہرے سے لگے ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے، شاید وہ دونوں بہترین ''آف کورٹ'' فرینڈز تھے، سامنے پڑی چیئرز خالی تھیں، ایک کونے میں لکڑی کی کرسی اور ٹیبل رکھی تھی جس پر ایک مولانا صاحب بیٹھے تھے، اس کے سامنے پرانے زمانے کا ٹائپ رائٹر تھا جس پر وہ عادتاً انگلیاں پھیر رہا تھا۔

اس کا ہاتھ اس وقت اپنی ماں کے ہاتھ میں تھا جس نے کل ہی صرف کورٹ آنے کے لئے نیا ڈریس لیا تھا، میچنگ پرس اور شوز میں اس کی ماں ایک ماڈل لگ رہی تھی، اس کے بائیں طرف کافی لمبا آدمی کھڑا تھا جس نے خاصی مہنگی پینٹ کوٹ، شوز اور گھڑی پہن رکھی تھی، وہ اس کا باپ تھا، گزشتہ تین ماہ سے وہ بچی اس فیشن شو میں آ رہی تھی، آج گو کہ خنکی کافی تھی مگر اسے پیاس لگ رہی تھی جس کا اظہار اس نے اپنی ماں سے کیا، ماں نے تو سنی ان سنی کرتے ہوئے، موبائل پر بات کرنا جاری رکھی مگر اس کا باپ فوراً منرل واٹر کی بوتل لے آیا، اس سے پہلے کے اس بچی کے منہ میں پانی کی ایک بوند بھی پہنچتی، اس کی ماں نے ایک جھٹکے سے وہ بوتل زمین پر پھینک دی۔

''ہونہہ! یہ جوس پیتی ہے، تھرڈ کلاس کمپنی کا پانی اسے بیمار کر دے گا۔'' جواب میں اس کا باپ حسب معمول چلایا اور پھر اس کی ماں اور باپ تیز تیز بولنے لگے مگر اس بچی کی نظر بوتل کے گرتے پانی کی طرف تھی جو اس وقت اس کی پیاس بجھانے کی بجائے خشک زمین کو سیراب کر رہا تھا، اس منظر کو جج کی آمد نے ڈسٹرب کیا جس کی آمد کی اطلاع فلموں کے برعکس کسی دربان یا سپاہی نے نہیں دی، بچی کی نگاہ اس جج پر تھیں، آٹھ سال کی بچی ان تین ماہ میں یہ جان چکی تھی کہ اسی جج نے آج اس کی کسٹڈی کا فیصلہ کرنا ہے، یعنی اس کی زندگی کا فیصلہ۔

دونوں وکیل اپنی دوستانہ گفتگو چھوڑ کر اپنے اپنے موکلین کے ساتھ کھڑے ہو چکے تھے، یعنی ایک اس کی ماں کے ساتھ اور ایک باپ کے۔

''فیملی کورٹ ایکٹ 1964ء سیکشن 25 اور گارڈین اینڈ وارڈز ایکٹ 1890 نمبر VIII کے تحت سیماب نور عمر آٹھ سال کی کسٹڈی اس کی بلوغت تک اس کی والدہ کے حوالے کی جاتی ہے اس کے والد کو تفصیلی فیصلہ کے مطابق در... اخراجات ادا کرنے کا پابند کیا جاتا ہے جبکہ اس کی والدہ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ہفتہ وار بدھ

بچی کی والد سے ملاقات کروانے کی پابند ہوگی، دی کورٹ از ایڈ جنڈ۔''

☆☆☆

''سیماب نور یعنی تم۔'' رابعہ ہونق بیٹھی سیماب کی طرف دیکھ رہی تھی جس کی نظریں خلا میں تھیں گویا وہ بارہ سال قبل کے واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔

''ہاں میں...... میں ٹریل سی ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''چائلڈ کسٹڈی کیس۔''

''اوہ۔'' رابعہ کی بات پر سیماب نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔

''جانتی ہو،تم کیسے جانو گی؟ جس تن لاگے، وہ تن جانے، مجھے کسی سے بھی محبت نہیں تھی، نہ ماما سے اور نہ پاپا سے، مجھے فیملی کورٹ جانا بھی اچھا نہیں لگتا تھا مگر میرے پاس کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا۔''

''تم کو والدہ کی کسٹڈی میں دیا گیا پھر تم ہاسٹل کیوں رہتی ہو؟''

''ایسا ایک دم تو نہیں ہوا، جب کورٹ نے ماما کو کسٹڈی دی تو میں شاید فطری طور پر خوش تھی، ظاہر ہے کہ ماں بیٹی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔''

''تم کیا اس فیصلہ سے خوش نہیں تھی؟''

''پتہ نہیں، ایک بچہ والدین کے ساتھ رہتا ہے، صرف والد یا والدہ کے ساتھ وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے، نیچرل سی بات ہے۔''

''تم تو اپنے پاپا سے بھی ملتی رہی۔'' رابعہ کو اس کی کہانی بہت دکھی اور مقناطیسی لگی، جذبوں اور شدتوں سے بنی ہوئی، وہ بھول چکی تھی کہ اسے گھر بھی جانا ہے، اسے یاد تھا تو صرف اتنا کہ اگر آج میں نے یہ کہانی نہ سنی تو میں ساری زندگی تشنہ پچھتاؤں گی۔

''ماما جب مجھے اگنور کرتی تھیں تو میں شدت سے بدھ کا انتظار کرتی تھی تاکہ کچھ لمحوں کے لئے ہی سہی مگر پاپا سے ملاقات تو ہو جاتی ہے۔''

''تم اس روٹین سے خوش نہیں تھی کیا؟''

''میں خوش بھی تھی اور نہیں بھی۔'' سیماب نے اپنی ویران نظریں رابعہ کے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے جواب دیا۔

''میں خوش تھی کہ وہاں جا کر میں اپنے جیسے بچے دیکھتی تھی، میرا اللہ سے شکوہ کرنا ختم ہو جاتا تھا کہ میں شاید اکیلی یہ ناانصافی جھیل رہی ہوں۔''

''اور ناخوش؟''

''رابعہ! کسی بچے کو اگر تم دنیا جہان کی نعمتیں دے دو، صرف ایک دن کے لئے والدین کے ساتھ چھین لو تو کیا وہ خوش اور مطمئن رہ لے گا؟''

''نہیں، ممکن نہیں، دولت، رشتوں کو Replace نہیں کر سکتی۔''

''یہی میرے ساتھ تھا مگر یہ میری چوائس نہیں تھی، یہ میرے لئے تقدیر کا فیصلہ تھا۔''

''بہت غلط فیصلہ تھا مگر ہم اپنی لکھی تقدیر کو مٹا نہیں سکتے۔'' رابعہ نے سیماب کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو وہ مسکرائی مگر اس کی مسکراہٹ روح سے خالی تھی۔

''پھر یہ روٹین چلتی رہی؟''

''نہیں...... ان دونوں کا مجھ میں انٹرسٹ ختم ہو گیا تھا، تبھی ہر بدھ کو پاپا کو میسج آنا شروع ہو گیا کہ وہ کورٹ نہیں آسکیں گے۔''

''مگر انٹرسٹ کیسے ختم ہو گیا؟''

''شاید دلچسپی کہیں تھی ہی نہیں، وہ کورٹ میں ملنے بھی آتے تو میرے لئے کبھی کچھ بھی نہ لاتے مگر میں محسوس ہی نہ کر پاتی۔''

''تمہارا حق تھا، تم مانگ لیتی۔''

''حق نہیں تھا رابعہ، اسی لئے تو مانگا ہی نہیں، میرے ماما اور پاپا تو محض ایک دوسرے سے زیادہ ذمہ دار بننے کی کوشش میں کورٹ میٹنگز پر راضی ہوئے تھے۔''

''اور تمہارے لئے محبت۔''

''کون سی محبت؟ میں تو ان دونوں کے گلے میں پڑا ڈھول تھی، جسے نہ اتارے بنتی تھی اور نہ بجائے۔'' رابعہ کو لگ رہا تھا کہ گویا وہ بھی اسی کہانی کا ایک کردار بنتی جا رہی ہے، ایک دکھی تماشائی، جو صرف کرداروں کو دکھی ہوتا دیکھ آنسو بہاتا ہے یا کیتھارس کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

''کبھی تم نے جاننے کی کوشش نہیں کی کہ تمہارے ماں اور باپ کی علیحدگی کیوں ہوئی تھی؟''

''رابعہ! یہ دنیا کسی کے عیبوں اور ماضی پر پردہ نہیں ڈالتی، وہ تو رب کی ذات ہے، جو سب کچھ دیکھتا ہے اور کوئی طعنہ نہیں دیتا۔'' رابعہ نے سیما کو بولنے دیا۔

''لوگوں سے ہی پتہ چلا کہ ان دونوں کی جذباتیت اور خود غرضی ہی علیحدگی کا موجب بنی، دونوں ہی خود کو عقل کل سمجھتے تھے، دونوں ہی Egoist تھے، دونوں ہی Compromise نہیں کر سکتے تھے اور دونوں ہی اولاد نہیں چاہتے تھے۔''

''پھر تمہیں لینے کے لئے کیس کیوں لڑا؟''

''اپنی ضد اور انا کی تسکین کی خاطر۔''

''پھر؟''

''ماما نے عدت کے بعد اپنے کزن سے نکاح کر لیا اور پاپا کو اپنی کولیگ بطور بیوی مناسب لگی، ماما کے کزن نے مجھے رکھنے پر آمادگی تو ظاہر کی مگر انسیت نہ رکھی، وہ گاہے بہ گاہے ماما

کوسرزش کرنے لگا کہ تم میری بجائے ”تمہاری غلطی کی نشانی“ کو توجہ دیتی ہو، نتیجتاً ماما مجھے زیادہ تر نانی کے گھر چھوڑنے لگیں اور فون پر بات بھی کم کر دی۔“

”مگر انہوں نے تو کورٹ لڑائی لڑی تھی ناں تم کو حاصل کرنے کے لئے، پھر شادی کیوں کی؟“ رابعہ نے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

”بظاہر سماجی ضرورت کی خاطر مگر طلاق کے بعد جس طرح ماموؤں نے اپنی نظریں پھیریں تھیں، وہ انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتا تھا۔“

”پھر تمہارے لئے انہوں نے کیا سوچا؟“

”انہوں نے میرے لئے سوچنا چھوڑ دیا، انہیں لگنے لگا کہ یہ آٹھ سال کی بچی اپنے لئے خود سوچے، وہ صبح خود تیار ہو کر سکول جائے، اپنے لئے ناشتہ خود تیار کرے، اپنے دکھ سکھ، سکول کی سہیلیوں کے قصے، ٹیچر کی باتیں سب خود کو ہی سنائے۔“ سیماب کی آواز بھرا گئی، وہ پسینے پسینے ہو رہی تھی جیسے یہ سب بتا کر اسے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔

”سیما! آؤ لان میں چلتے ہیں، ابھی سیکنڈ شفٹ پیپر کے لئے آنے والوں میں دیر ہے، یہاں بیٹھنا بہت آکورڈ لگ رہا ہے، وہ کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا آدمی تمہیں مسلسل گھور رہا ہے۔“ رابعہ نے سیماب کی توجہ کاؤنٹر کی طرف دلائی جہاں کینٹین کا اونر اپنی طرف توجہ مرکوز ہونے پر بلا ارادہ خالی کینٹین کی کرسیاں گننے لگا تھا، سیماب نے اثبات میں سر ہلایا اور رابعہ کے ساتھ باہر چل دی، ان کا رخ باٹنی گارڈن کی طرف تھا، جہاں خاموشی بھی تھی اور ان کو گھورنے والا بھی کوئی بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

رابعہ نے کیاری کی سائیڈ پر بنی روش منتخب کی اور دونوں وہیں ٹانگیں پسار کر بیٹھ گئیں، سیماب نے رابعہ کی طرف خالی نظروں سے دیکھا اور ٹوٹی داستان کا قصہ وہیں سے جوڑا۔

”وہ بچی خود اپنی دوست بن گئی، اپنی ماں، باپ، بہن، بھائی، دوست، رشتہ دار سب کچھ وہ لڑکی خود ہی خود کے لئے تھی۔“

”ننھیال میں سے کسی نے بھی خیال نہ کیا؟“

”کون کرتا؟ ماموؤں کے لئے بیگمات پیاری تھیں، نانی اور نانا ایک حد تک پیار کرتے، کبھی تنگ آ کر مار پیٹ تک نوبت لے آتے، اس معصوم بچی کو ”خبیث کی اولاد“ کہہ کر پکارتے، کبھی ماما کو بھی برا بھلا کہتے جو خود تو نئی دنیا بسانے آگے چل پڑی اور معصوم بچی کو بڈھا بڈھی کی ناتواں جان کے سہارے چھوڑ گئی۔“

”وہ ٹھیک کہتے تھے سیما، وہ خود کو سنبھالتے یا تم کو۔“ رابعہ نے صاف گوئی سے کہا۔

”میں نے کب کہا کہ وہ غلط کہتے تھے، لہجہ اور لفظ تو عمر کے متقاضی نہیں ہوتے مگر مجھے ان سے بھی شکایت نہ تھی۔“ سیماب نے جیسے خیالی منظر کو ہاتھ سے جھٹکا۔

”تمہارے پاپا نے کبھی تمہیں ساتھ لے جانے کی بات نہیں کی۔“ رابعہ اسے پوائنٹ پر لے آئی۔

”نہیں، ساتھ لے جانا تو دور کی بات، انہوں نے لکھ کر دے دیا کہ اس بچی کا میرے سے اب کوئی تعلق نہیں ہے، میں اس کا حق کلی طور پر اس کی والدہ کو دیتا ہوں۔“

”ویری سیڈ، مگر تمہارا کوئی ددھیالی رشتہ دار۔“ سیماب نے دز دیدہ نظروں سے رابعہ کو دیکھا، گو کہ کیا بے وقوفی والا سوال ہے۔

''جب باپ کو اپنی اولاد سے کوئی انس نہیں ہوگا تو ان کے عزیز و اقارب کو کیا ہو سکتا ہے؟''

''اوہ...... مگر تمہاری تعلیم اور باقی اخراجات۔'' رابعہ نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا۔

''ماما کا کزن ہی سکول کی فیس، پاکٹ منی، موسم کے لباس، چند کھلونے غرضیکہ ایک غائبانہ باپ کے تمام فرائض نبھانے کی کوشش کرتا رہا۔''

''یہ اچھا کام کیا اس نے۔''

''ہاں، ایک بچی کو اس کی ماں سے محروم کرکے اچھا کام کیا، وہ راتوں کو ڈرتی تھی کیونکہ وہ الگ تھلگ کچن میں سوتی تھی۔'' رابعہ کی پلکوں پر آنسو ٹھہر گئے جبکہ سیماب کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا، شاید وہ اپنے حصے اور برداشت کے آنسو بہا چکی تھی، وہ اضطراب کی حالت میں ایک ہاتھ سے گھاس کے تنکے توڑ رہی تھی مگر اس کے چہرے پر اس کا کوئی تاثر نہ تھا۔

''تم ہاسٹل میں رہنے لگی تو کیا تمہارے والدین میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا؟''

''اعتراض؟ نہیں رابعہ، یہ فیصلہ میں نے میٹرک میں کیا تھا اور رہے میرے نام نہاد والدین، وہ مگن تھے، اپنی اپنی زندگیوں میں، نانا نانی تو تھے نہیں، مگر ماما خوش تھیں کہ اب بھابیاں انہیں طعنہ نہیں دینگی، اس دن سے لے کر کل تک انہوں نے مجھ سے کوئی رابطہ نہ کیا۔''

''کل تک مطلب۔''

''کل مجھ سے دونوں نے اپنے اپنے طریقے سے رابطہ کیا اور یہی رابطہ مجھے توڑ گیا، یہ میں جانتی ہوں کہ میں نے آج کا پیپر کیسے دیا، میں ٹوٹ گئی تھی کل۔'' سیماب نے بے تحاشا روتے ہوئے کہا، بند ٹوٹ گیا تھا اور رابعہ نے پانی روکنے کی کوشش بھی نہ کی، وہ جانتی تھی کہ آج اگر سیماب نہ روئی تو شاید کبھی ہنس نہ سکے گی، وہ جان گئی تھی کہ وہ پہلی فرد ہے جو اس کے احساسات جان رہی ہے مگر اس قدر ذاتیات میں وہ کس طرح اتر گئی تھی، یہ رابعہ کے لئے ناقابل فہم تھا، روتی سیماب کے کندھے پر رابعہ نے ہاتھ رکھا تو وہ اپنے آنسو آستینوں سے خشک کرنے لگی۔

''یہ رابطہ تمہیں توڑ کیوں گیا سیما؟''

''خودغرضی کی انتہا دیکھ کر مگر ٹھہرو تمہیں ذرا بیک گراؤنڈ بتا دوں، پاپا کے گھر دو بیٹے ہوئے، دونوں پڑھنے کے لئے باہر چلے گئے ہیں اور ان کا واپس آنے کا کوئی امکان میرے پاپا کو نظر نہیں آتا، اب میرے پاپا اور ان کی بیوی چاہتی ہیں کہ میں ان کی تنہائی بانٹوں اور ان کے ساتھ رہوں۔''

''سیما! ان کے مطلب کے لئے ہی سہی، تمہیں ایک چھت مل رہی ہے تو چلی جاؤ، ماضی میں جو کچھ ہوا، وہ تمہارے پاپا نے بھگت لیا اور مزید بھی بھگت لیں گے، وہ بھول گئے تھے ناں کہ دنیا مکافات عمل ہے، مگر تمہیں رہائش کے لئے ہاسٹل کی بجائے ایک بہتر آپشن مل رہی ہے۔'' رابعہ نے اپنے طور پر تجویز دی جس پر سیماب ہنس دی۔

''بظاہر تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر یہ اتنا سادہ ہے نہیں، جتنا نظر آتا ہے۔''

''یعنی؟''

''پاپا کی دوسری بیوی کا ایک لنگڑو، آوارہ اور نکما بھائی ہے جو سوائے پاپا کے ٹکڑوں پر پلنے اور آوارہ گردی کرنے کے کچھ نہیں کرتا۔''

''تو؟ کیا تم خود کو اس کی وجہ سے سیکیور نہیں سمجھتی؟''

''وہ بھی میں سمجھ لیتی، میں اب کافی حد تک اپنا خیال رکھ سکتی ہوں، وہ اوپر والا ہی میرا آسرا

ہے۔''

''تو پھر......؟''

''پاپا اس آوارہ کے ساتھ میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''مائی گاڈ۔'' رابعہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''اسی لئے وہ اب مجھ پر حق جمار ہے ہیں، نانا، نانی تو اب رہے نہیں، سو انہوں نے ماما کے کزن سے بات کی۔''

''تم اپنے سوتیلے باپ کو ماما کا کزن کیوں کہتی ہو؟''

''باپ ایک ہی ہوتا ہے، فلسفہ سمجھ لو میرا۔'' سیماب مسکرائی تو رابعہ کو اس کی مسکراہٹ خود اس کا مذاق اڑاتی محسوس ہوئی، دوپہر کے وقت اس گارڈن میں خاصی خوشگوار ہوا چل رہی تھی اور جون کی تیز جھلتی سورج کی روشنی کو بھی گھنے درختوں نے روک رکھا تھا۔

''ویل، تم اپنے فلسفہ کو بہتر سمجھتی ہو۔''

''نہیں لڑکی، میں کچھ بھی نہیں سمجھتی، میں جو ایک چائلڈ کسٹڈی کیس تھی، اب پھر بارہ سال بعد وہی بن گئی ہوں۔'' سیماب نے سرو کے درخت کے ساتھ ٹیک لگائی، رابعہ نے بیگ میں پڑا جوس کھول کر اس کی طرف بڑھایا جو اس کی ماں روزانہ فریش تیار کر کے دیتی تھی۔

خلاف معمول سیماب نے ایک ہی سانس میں سارا جوس پی لیا۔

''تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں......''

''تمہاری ماما بھی تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہیں؟ رائٹ؟''

''یس رائٹ، ماما گزشتہ دس سال سے بے اولاد رہی تھیں، اب کے دو بچے ہیں، ایک سال کا بیٹا اور دو ماہ کی بچی۔''

''مطلب اب انہیں خیال آیا ہوگا کہ میں نے کیسے اپنی بچی کے بچپن کو چھینا۔''

''نہیں رابعہ، میرے والدین احساس اور درد کے الفاظ سے ناآشنا ہیں۔''

''پھر کیوں۔'' رابعہ ٹھیک ٹھاک اچنبھے میں پڑ چکی تھی۔

''انہیں اپنے بچوں کے لئے ایک قابل بھروسہ آیا کی ضرورت ہے۔''

''اتنی خود غرضی۔'' رابعہ ششدر تھی۔

''ہاں اتنی ہی خود غرضی، وہ مجھ پر بھی کافی دباؤ ڈال رہی ہیں کہ چونکہ میری پرورش ان کے کزن کے پیسوں سے ہوئی ہے سو مجھے ان کے بچوں کی آیا گیری کر کے اب اس احسان کو اتارنا چاہیے۔''

''تم نے کیا سوچا؟''

''میں نے سوچا بھی اور عمل بھی کر لیا۔''

''میں بھی۔'' رابعہ کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اس کے موبائل پر متواتر وائبریشن ہو رہی تھی، اس کی ماں اس کے لئے پریشان ہو رہی تھی، اس نے فوراً فون اٹھایا اور ماں کو رستے میں ہوں، کا کہہ کر فون بند کر دیا۔

''تم چلی جاؤ، رابعہ۔''

''سیماب! تم بھی میرے ساتھ میرے گھر چلو، آج میں پہلی اور آخری دفعہ تم سے ریکویسٹ کر رہی ہوں۔'' رابعہ کا لہجہ ملتجیانہ ہو گیا، وہ جانتی تھی کہ سیماب کبھی بھی اس کے گھر نہیں گئی تھی، اس نے اثبات میں سر ہلایا تو رابعہ کھل گئی، اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ صرف آج ہی ساتھ ہے اس کا اور سیماب کا، وہ دونوں رابعہ کے گھر کی طرف چل پڑیں۔

☆☆☆

یہ دو مرلے کا گھر رابعہ کا تھا، گھر کے در و دیوار سے سفید پوشی ٹپک رہی تھی، چھوٹے سے برآمدے کے کونے میں اوپن ائیر کچن تھا جبکہ باتھ روم چھت پر بنایا گیا تھا، نیچے دو کمروں میں سے ایک رابعہ اور اس کے بڑے بھائی کا تھا جبکہ ملحقہ اس کے والدین کا، اس کا بڑا بھائی اب اپنے گاؤں رہتا تھا، اس کی منگیتر کے بھائی کے ساتھ رابعہ کی شادی ہونا ٹھہری تھی، ماں کو سلام کر کے رابعہ، سیماب کو اپنے کمرے میں لے آئی، یہ دو چارپائیوں پر مبنی کمرہ تھا جس کے ایک کونے میں بیٹھنے کے لئے چھوٹا صوفہ پڑا تھا، سیماب کو وہاں بٹھا کر رابعہ باہر ماں کے پاس آئی جو سیماب کے متعلق بہت متجسس تھی۔

''یہ کون لڑکی ہے؟''

''میری کلاس فیلو، دراصل آخری دن ہے کالج کا آج تو میں نے سوچا کہ ڈھیروں باتیں کر لیں۔''

''اور اس کے گھر والوں نے اجازت دے دی۔'' رابعہ کی ماں نے پھرتی سے دونوں پراٹھے اتار کر اوپر ساگ رکھا اور دو چنگیروں میں ڈال کر رابعہ کے حوالے کر دیا۔

''جی...... وہ کھانا کھا کر تھوڑی دیر تک گھر جا رہی ہے۔'' رابعہ نے ماں کو مطمئن کر کے خود کمرے کا رخ کیا۔

''واؤ، گھر کا کھانا، ویسے تو روزانہ ہی تمہارے ساتھ شیئر کرتی ہوں مگر آج تو گھر میں بیٹھ کر کھاؤں گی۔'' سیماب نے بے تابی سے نوالہ توڑ کر منہ میں رکھا اور دونوں خاموشی سے کھانا کھانے لگیں، پس منظر میں عصر کی اذان ہو رہی تھی، دونوں نے اپنے سر پہ دوپٹہ رکھ لیا۔

''کیا میں ایک کال تمہارے موبائل سے کر سکتی ہوں؟'' سیماب نے اذان ختم ہوتے ہی رابعہ سے پوچھا جس نے بلا جھجک موبائل اس کے آگے کر دیا اور خود برتن اٹھا کر باہر چل دی تا کہ وہ آزادانہ گفتگو کر سکے۔

☆☆☆

رابعہ واپس آئی اور آ کر چارپائی پر بیٹھ گئی جو کہ صوفہ پر بیٹھی سیماب کے کافی نزدیک تھی۔

''رابعہ! میرے پاس وقت بہت کم ہے، پلیز مزید کچھ تکلفات میں مت پڑو اور مجھے میری کہانی مکمل کرنے دو۔'' سیماب نے رابعہ کو اٹھتا دیکھ بے ساختہ پکڑ کر پاس بٹھا لیا۔

''تم چائے شوق سے پیتی ہو تو......''

''میں اس وقت صرف اپنی بات مکمل کرنا چاہتی ہوں، میں نے کل اپنے ہاسٹل کے کیشئر سے نکاح کر لیا۔''

''واٹ، تم ایسے کیسے؟''

''اور ماما کے کزن کے دیئے ہوئے تمام پیسے جمع کھلونوں کے اسی کو کوریئر کر دیئے ہیں۔''

''مگر پیسے کہاں سے آئے؟ تم نے تو اس سے فیس دی تھی ناں۔''

''میٹرک سے لے کر آج تک میں ٹیوشنز پڑھاتی رہی اور ساتھ میں ایک پرائیویٹ فرم میں جاب بھی کرتی رہی، کم و بیش مطلوبہ رقم پوری ہو ہی گئی۔'' سیماب نے رسان سے بتایا مگر رابعہ کو ڈھیروں سوالوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔

''اور یہ کیشئر؟ کیا تم اسے پہلے سے جانتی تھی یا صرف ماں باپ سے بچنے کے لئے؟''

''میں اسے بچپن سے جانتی تھی۔''

''کزن؟''

''نہیں وہ بھی ایک چائلڈ کسٹڈی کیس تھا اور اسے بھی بدھ کو ہی اپنی ماں سے ملنے آنا ہوتا تھا۔''

''مگر کورٹ جانا تو تمہارا ایک دو ماہ کے بعد

ہی ختم ہو گیا تھا تو تم اسے کیسے ملی؟ کیسے پہچانا؟''
رابعہ ششدر تھی، اس کے ہاتھ میں موجود ٹشو کئی ٹکڑوں میں زمین پر پڑا تھا، عصر کے وقت پر مغرب کا رنگ چڑھ رہا تھا۔

''پہلے نماز پڑھ لیں پھر تمہاری تمام باتوں کا جواب دوں گی۔'' سیماب نے اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے رابعہ کو بھی نماز کا یاد کروایا جو اس کہانی میں کافی ڈوب چکی تھی۔

''اوہ سوری، وقت تو واقعی تنگ ہے عصر کا، آؤ وضو کر لیں۔'' رابعہ نے شرمندگی سے سیماب کو سنک کا راستہ دکھایا جو دونوں کمروں سے ملحقہ کچن کی دیوار کے ساتھ بنایا گیا تھا، گھر تو سادہ اور غریب تھا مگر سلیقہ ایک ایک کونے سے پھوٹ رہا تھا، گھر چھوٹے یا بڑے نہیں ہوتے، سلیقہ اور صفائی اسے خوبصورت اور بڑائی دیتے ہیں۔

☆☆☆

نماز پڑھنے کے بعد وہ دونوں پھر سے کمرے میں جا بیٹھیں، کم و بیش منظر نامہ ویسا ہی تھا، بس سیماب اور رابعہ کے ہاتھوں میں چائے کا اضافہ ہو چکا تھا جو رابعہ کی امی نے تیار کی تھی، سیماب نے وقت دیکھتے ہوئے اپنی بات فوراً شروع کی۔

''یہ مجھے ہوسٹل میں ہی ملا تھا، بچپن کے نقش و نگار تو تقریباً ویسے ہی تھے نجم کے اور پھر سب سے بڑھ کر رابی، یہ درد کے رشتے بہت عجیب ہوتے ہیں، کہیں بھی جا کر مل جاتے ہیں۔''

''ہاں، تم صحیح کہتی ہو۔''

''میں کل اس کے پاس گئی اور پوچھا کہ کیا وہ مجھ سے شادی کرے گا، مجھے ایک سائبان دے گا تو اس نے ہاں میں جواب دیا، میں نے اس سے مہر کی دو شرطوں کے ساتھ نکاح کر لیا۔''

''شرطیں...... کیسی شرطیں؟'' رابعہ اس پیچ در پیچ کہانی میں چکرا گئی تھی۔

''ایک تو یہ کہ ہم اس شہر کو چھوڑ دیں گے اور دوسرا ہم اپنی اولاد کو ٹرپل سی یعنی چائلڈ کسٹڈی کیس نہیں بننے دیں گے اور اس نے ہنس کر میری دونوں شرطیں مان لیں۔'' سیماب نے فخر سے بتایا، مسرت اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی جسے دیکھ کر رابعہ نے دعا کی کہ اے میرے رب! اس مسکراہٹ کو سدا میری دوست کی زندگی کا حصہ رکھنا، پھر اسے تشویش نے آ گھیرا۔

''تم مجھ سے تو رابطہ رکھو گی؟''

''نہیں، میں اس شہر سے سارے رابطے چھوڑ کر جاؤں گی۔''

''صرف ایک رشتہ کے لئے۔''

''نہیں، مزید رشتے بنانے کے لئے۔''

''تم نے مجھے بہت دکھی کر دیا سیما، انسانیت اور رشتوں پر سے میرا اعتماد اٹھنے لگا ہے۔''

''میں جانتی تھی کہ تم مجھ سے یہی شکوہ کرو گی۔''

''شکوہ نہیں یار، بس میں بے بس محسوس کر رہی ہوں خود کو، میں تمہاری کہانی سننے کے علاوہ کچھ اور کر بھی نہیں سکتی۔''

''کر سکتی ہو، تبھی تو بتایا ہے۔'' سیماب کی بات پر رابعہ نے اسے خاصے استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

''تم نے کل مجھے بتایا تھا کہ تمہاری شادی عنقریب ہو رہی ہے۔''

''میں نے سوچا کہ آج شمع جلاتی ہوں، شاید اس جوت سے جوت جلتی جائے۔''

''مطلب؟''

''تم کبھی اپنے بچوں کو چائلڈ کسٹڈی کیس مت بننے دینا، تم بہت سمجھدار ہو، میں جانتی

ہوں، عورت کو اللہ نے بہت صبر دیا ہے، بس اس صبر کو آخری حد تک صرف بچوں کی خاطر آزمانا چاہیے، تم مجھ سے وعدہ کرو کہ اپنی صبر کی آخری حد آزماؤ گی مگر ایک اور سیما نہیں بننے دو گی۔''
سیماب نے اپنا داہنا ہاتھ آگے کیا جسے رابعہ نے بلا جھجک تھام لیا۔
''انشاء اللہ۔''
''تھینک یو رابعہ، پلیز اس دیے سے دیا ضرور جلانا، شاید ہم جیسے کسی بچے کی لکھی تقدیر صرف اس کی ماں کے ایثار سے بدل جائے۔''
''ضرور۔''
''میں اب چلتی ہوں، باہر بیل ہو رہی ہے، نجم آئے ہوں گے، ہمیں جا کر پیکنگ بھی کرنی ہے، تم میرے لئے دعا کرنا اور ہاں تمہارے خلوص اور پیار کی جوت کو میں جلا کر رکھوں گی، میں آنٹی سے باہر ہی مل لیتی ہوں۔'' سیماب نے زار و قطار روتی رابعہ کو گلے لگایا اور باہر چل دی۔

☆☆☆

پانچ سال بعد:۔
آج بھی رابعہ جب اپنے خاوند کا غصہ سہتی ہے تو اس لئے نہیں کہ اسے اس سے محبت بہت ہے اپنے مجازی خدا سے بلکہ اس لئے کہ وہ اپنی اولاد کو ''سیما'' نہیں بننے دینا چاہتی، وہ آج بھی خود سے سوال کرتی ہے کہ سیما کے کیس میں قصور وار کون تھا؟ اس کے ماں باپ، ان کے نئے لائف پارٹنر، ان کے عزیز و اقارب، یہ معاشرہ، یا تقدیر مگر اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہے، مگر وہ آج بھی سیما کے لئے دعا گو ہے کہ اس کا ہم سفر نجم اس کی جھولی میں اتنے ستارے بھر دے جن کی روشنی اس کے ماضی کی تاریکی دور کر دے، اس کی آنکھیں آسمان کی طرف ہیں جہاں موجود خدائے ذوالجلال کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو، میں دوں گا۔
اسی لمحے دوبئی میں اپنے اپارٹمنٹ سے آسمان کی وسعتوں کی طرف دیکھتی سیما خدا کا لاکھ شکر ادا کرتی ہے کہ اس نے اس کے جلد بازی میں کیے گئے فیصلے کی لاج رکھی، نجم ایک بہت ذمہ دار شوہر اور محبت کرنے والا باپ ثابت ہوا، آج وہ دو بچوں کی ماں ہے مگر دونوں کو ہی اپنے ساتھ سلاتی ہے تاکہ وہ رات کو سوتے میں ڈر نہ جائیں، وہ ان سے سکول کی ایک ایک بات پوچھتی ہے تاکہ انہیں آئینے کا سہارا نہ لینا پڑے، وہ ان کے منہ میں خود نوالے ڈالتی ہے تاکہ اس کے بچے بھوکے نہ رہیں، وہ ان کی پکی سہیلی ہے کیونکہ ماں اپنی اولاد کی بہترین دوست ہوتی ہے اور باپ بہترین رہبر۔
کیا ہم میں سے کوئی جواب دے سکتا ہے کہ سیماب کی زندگی کا تقدیر کے علاوہ اور کون ذمہ دار تھا۔

☆☆☆

سرابِ آرزو

فلک ارم ذاکر

باہر مین گیٹ پر کافی دیر سے ڈور بیل دی جا رہی تھی لیکن اندر موجود نفوس دنیا مافیہا سے بے خبر بری طرح سے کرکٹ کھیلنے اور شور وغل کرنے میں مگن تھے۔

سجیلہ کیچ آؤٹ ہو چکی تھی مگر اپنی وکٹ چھوڑنے پر ہرگز تیار نہیں تھی۔

''دیکھو معصوم پر ترس کھاؤ، بچی اکیلی دیکھ کے اس پر رعب ڈال کے بے ایمانی مت کرو۔''

سجیلہ نے لہجے میں مصنوعی رقت طاری کر کے دہائی دی جبکہ اوپر کے پورشن میں مقیم ان کے کرائے داروں کے پانچوں بچے انگشت بدنداں رہ گئے۔

''خدا کا خوف کریں سجیلہ آپی، ہر بار ایسے ہی کرتی ہیں مجھے نہیں پتا میری باری دیں۔'' ایک نے برہمی دکھائی۔

''چل یار بچی ہے اک اور باری دے دے۔'' اسکوٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر سب سے چھوٹا سات سالہ بچہ بولا، سجیلہ بے ساختہ کھلکھلا اٹھی۔

''اب تو دادا ابا کا حکم جاری ہوا ہے اب تو رحم کھالو'' وہ چہکی۔

''اوئے بلو تو نے اسے گود لیا ہوا ہے یہ بچی ہے تو ہم تو پھر ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔'' منجھلے والے نے اپنے بھائی کو لتاڑا اور ''سوا پانچ فٹ کی بچی'' پر طنزیہ نگاہ ڈالی۔

''جی نہیں، جی نہیں میں ''بچی'' ہی ہوں اپنے اماں بابا کی۔'' سجیلہ کی شوخی ہنوز برقرار تھی ان بچوں کے ساتھ نوک جھونک کرنے میں اسے ہمیشہ سے ہی لطف آتا تھا۔

جان بوجھ کر اپنی ہار قبول کرنے سے اجتناب برتتی اور خوب حجت کر کے محظوظ ہوتی۔

اس کی بات پر سبھی کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ نمودار ہو گئی لیکن ایک مردانہ قہقہہ بے حد نمایاں تھا وہ یکدم چونک گئی۔

''ایکسکیوز می، کون ہیں آپ؟ اور اس طرح سے بلا اجازت ہمارے گھر کے اندر گھسے کیا کر رہے ہیں؟''

وہ نجانے کون تھا اور نجانے کب سے وہاں ڈیوڑھی کے سرے پر امرود کے پیڑ سے کچھ فاصلے پر کھڑا دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں گھسائے نہایت اطمینان سے ان کی سمت متوجہ تھا۔

سجیلہ نے گڑبڑا کر شانوں پہ پڑا دوپٹہ سر پہ جمایا اور ساتھ ہی کڑے تیوروں سے اسے آڑے ہاتھوں لیا، اماں کچھ دیر قبل ہی محلے میں کسی کی مزاج پرسی کے لئے گئی تھیں شاید دروازہ لاک نہیں تھا جو یہ اجنبی منہ اٹھائے اندر گھس آیا۔

''محترمہ گھنٹہ بھر سے میری انگلیاں بیل بجا بجا کر گھس گئیں تھیں، مجھے لگا گھر کے مقیم بہرے ہیں بول سکتے ہیں مگر سن نہیں سکتے کیونکہ شور کی آوازیں تو اندر سے ہی آرہی تھیں مگر مجال ہے جو بیل کی آواز پر کسی نے کان دھرا ہو، اس لئے مجبوراً اندر آنا پڑا۔''

اس نوارد نے مبالغہ آمیزی اور طنز سے

بھرپور گفتگو نہایت گمبھیر و مہذب لہجے میں اس
کے گوش گزار کی، مقابل کی سحر انگیز شخصیت اور
دلکش لب ولہجہ گو کہ اس کا مخاطب وہی تھی لیکن اپنی
بات اس نے بجیلہ کی اوٹ میں ایستادہ جامن
کے پیڑ کی شاخوں پر ہوا کے دوش سے رقص

کرتے پتوں کو نگاہوں کے حصار میں رکھتے
ہوئے مکمل کی تھی، وہ نا چاہتے ہوئے بھی کنفیوژ ہو
گئی۔
''محترم آپ جو کوئی بھی ہیں آپ اسی وقت
باہر تشریف لے جائیں یہ کوئی شریفانہ طریقہ نہیں

ہے، چوروں کے انداز میں کسی کے گھر داخل ہو کر اپنی کوئی پروڈکٹ شیمپو بسکٹ وغیرہ بیچنے کا۔"
بجیلہ نے خود کو بظاہر مضبوط و لاپرواہ ظاہر کرتے ہوئے باہر کی راہ دکھائی اور اس کے ہمراہ بیگ دیکھ کر جو قیاس اس نے کیا، وہ اس اجنبی کو تپانے کے لئے کافی تھا۔
"دیکھیں......!" غصہ کو ضبط کر کے اس نے کچھ کہنا چاہا۔
"بچوں ان انکل کو باہر چھوڑ آؤ۔" اس نے حکمیہ انداز میں لب کشائی کی، جبکہ لمحہ کے ہزارویں حصے میں کئی اندیشے دل میں سر اٹھا کر اسے سراسیمہ کرنے لگے، بلال دوستوں کے ساتھ نکلا ہوا تھا، ابا دکان پر، اماں گھر سے غائب، کرایہ دار آپی اپنے شوہر کے ساتھ کسی سسرالی عزیز کی وفات پر اور وہ چھٹانک بھر کے لڑکوں کے ساتھ گھر میں اکیلی اور لاپرواہی کی حد تھی کہ اماں کی تاکید کے باوجود دروازہ لاک نہیں کیا کھیل میں مگن رہی۔
اسے خود پر بے حد غصہ آیا (زمانہ اتنا خراب ہے دیکھنے میں شریف اور معقول دکھائی دینے والا یہ شخص نجانے کس ارادے و نیت سے ہمارے گھر میں داخل ہوا ہے نیتوں کے حال تو اللہ ہی جانتا ہے) وہ کانپ کر رہ گئی، وہ اجنبی بچوں کو پرے دھکیل کر باہر جانے سے انکار کرتا چند قدم اس کی طرف بڑھا تھا۔
بجیلہ کی جان نکل گئی، اس نے بے حد سراسیمہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا اور اگلے ہی لمحے اپنے آپ کو بچانے کے لئے وہ چند قدم پیچھے ہو کر تیزی سے پپیتے اور جامن کے جوڑے اور درخت کی اوٹ میں ہو گئی اگلے ہی لمحے وہ درخت کے اوپر چڑھ چکی تھی۔
"آپ جو کوئی بھی ہیں ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جائیں ورنہ میں ساتھ والے انکل کو آواز دے کے بلا لوں گی وہ پولیس میں ہیں سیدھا تھانے لے جائیں گے۔" اس نے اسے دھمکانے کے لئے جھوٹ بولا ورنہ انکل کی تو پرچون کی دکان تھی۔
"ہائیں آپی انہوں نے دکان چھوڑ دی ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا۔" بچے اس اچانک انکشاف پر چہ میگوئیاں کرنے لگے، بجیلہ نے سر پیٹ لیا۔
شاہ میر نے بے حد ٹپٹا کر اس کانچ سی لڑکی کو دیکھا جو دیکھنے میں ہرگز پاگل نہیں لگتی تھی، لیکن پاگلوں کے سر پر سینگ تھوڑی ناں ہوتے ہیں۔
اس نے بطور خاص ایک نگاہ اس کے سر پہ ڈالی درخت پر چڑھنے کی کارروائی کے دوران دوپٹہ سر سے اتر چکا تھا اور دھوپ میں گھنگھریالے براؤن بالوں کے گچھے چمک رہے تھے اور کچھ شریر لٹیں اس کے دلکش مکھڑے کا طواف کرتی ہوا کے دوش پر لہرا رہی تھیں، لیکن سینگ کہیں نہیں تھے، اسے بے اختیار تاسف ہوا۔
نجانے یہ لڑکی اور اتنے سارے بچے کون تھے شاید وہ ہی غلطی سے کسی اور کے گھر میں گھس آیا تھا۔
"محترمہ! ساتھ والے انکل پولیس میں ہیں یا ان کی دکان ہے مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا، میں یہاں کسی غلط ارادے سے نہیں آیا، آپ پلیز کسی کو بلانے کی زحمت مت کیجئے میں جا رہا ہوں۔"
شاہ میر اس کے جھوٹ کی قلعی کھولتا اسے دلاسہ دے کر پلٹا اور صحن میں ہوا کے جھونکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے امرود، املتاس، انار اور گلابی پھولوں والی بیل کے پتوں اور گلابی کاغذی پھولوں پر چلتا ہوا ڈیوڑھی کے سرے پر امرود کے

دوسرے پیڑ کے پاس آیا اور وہاں پڑا سفری بیگ اٹھا کر اپنے کندھے پر لٹکا کر ایک لمحے کے لئے پلٹا سب حاضرین ٹکر ٹکر اسی کی جانب متوجہ تھے۔
"اس محلے میں اکرم صاحب کا گھر کون سا ہے؟ کیا آپ لوگ بتا سکتے ہیں اینچولی میں ان کے ہاں مہمان کے طور پر آیا ہوں۔"
اب کے اس نے بچے کو مخاطب کیا ساتھ ہی وضاحت بھی دے دی آیا پھر کوئی بدگمانی میں پڑ جائے۔
"سجیلہ آپی یہ تو آپ کے مہمان نکلے۔" بچوں نے شور مچا دیا، مگر مجال ہے جو کہ وہ ٹس سے مس ہوئی ہو ہنوز درخت پر موٹی سی شاخ کے اوپر براجمان رہی۔
(کیا پتہ غلط بیانی کر رہا ہو کسی کا بھروسہ نہیں ہے آج کے دور میں)۔
"بابا گھر نہیں ہیں۔" اس نے شاخوں کی اوٹ سے بمشکل اسے دیکھ کر باآواز بلند ارشاد فرمایا۔
اور شاہ میر بے چارگی سے واپس پلٹ اور باہر کی سمت قدم بڑھا دیئے، اس بے مروت اور پاگل سی لڑکی سے اسے مہمان نوازی کی کوئی توقع نہیں تھی۔
اکرم چاچو کے آنے تک اسے گھر کے باہر ہی انتظار کرنا تھا، اس نے موبائل نکال کر ان کا نمبر ڈائل کر کے کان سے لگایا کہ ڈیوڑھی سے اندر آتی اماں سے مڈبھیڑ ہوگئی، بچپن میں ایک بار وہ ان سے مل چکا تھا بھی پہچان کر سلام جھاڑا اور اس سے پیشتر کہ سوالات کی بوچھاڑ اور تفتیش کا آغاز ہوتا اس نے اپنا تفصیلی تعارف کروا دیا۔
"چچی جان! میں شاہ میر جھنگ میں مقیم فاروق صاحب کا بیٹا، اکرم چاچو میرے ابا کے ماموں زاد ہیں۔"

"ہاں ہاں میں سمجھ گئی۔" اماں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور رسمی سا حال چال پوچھتی ہوئی ڈیوڑھی میں موجود کمرے کا دروازہ کھولنے لگیں۔
"لو بیٹا تمہارے رہنے کا بندوبست اس بیٹھک میں کر دیا ہے سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اس کا پچھلا دروازہ باہر گلی کی طرف کھلتا ہے تمہیں آنے جانے میں پریشانی نہیں ہوگی اٹیچ باتھ بھی ہے، جب تک ہوسٹل میں رہنے کے لئے تمہارا کوئی بندوبست نہیں ہوتا تم آرام سے رہو اپنا گھر سمجھ کے اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔" انہوں نے باتوں باتوں میں اس پر بہت کچھ واضح کر دیا تھا، شاہ میر نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

☆☆☆

"اُف اللہ! ہائے سچی سجیلہ آپی آپ نے بچارے شاہ میر بھائی کو سیلز بوائے سمجھا ان کا ایسا استقبال، ہائے ہاہاہا۔" میٹرک کے طالب علم بلال کے تو ہنس ہنس کے پیٹ میں بل پڑ گئے بچوں نے اسے ساری چٹ پٹی تفصیل مہیا کی تھی۔
"ہاں تو میں نے انہیں پہلی بار دیکھا ہے مجھے کیا پتا کون ہے، اور ناں ہی تم نے بتایا کہ جھنگ والے فاروق تایا کا بیٹا آج ہی آنے والا ہے وہ ساتھ ہوتے تو پہچان جاتی ان سے تو کئی بار ملاقات ہوئی ہے جب بھی وہ لاہور آتے ہیں، مل کے جاتے ہیں۔" سجیلہ نے خجل ہو کے وضاحت دی اوپر سے اماں کے ہاتھوں الگ عزت افزائی ہوئی تھی گیٹ کو لاک نہ کرنے پر۔
اماں کی بڑبڑاہٹ ابھی بھی جاری تھی انہیں شاہ میر کا اس گھر میں قیام ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔
"لو بتاؤ غضب خدا کا، عمر گزر گئی مگر مجال ہے جو تمہارے باوا کو عقل آئی ہو جوان جہان

لونڈے کو گھر میں ٹھہرا لیا گھر میں بچی بھی جوان ہے، کل کو کوئی اونچ نیچ ہو جائے اللہ نہ کرے تو شرافت چہروں پر تھوڑی لکھی ہوتی ہے۔"

"اماں بس کریں بابا کو آواز نہ چلی جائے۔" بلال نے اماں کی گوہر افشانی روکنے کے لئے اپنی سی سعی کی۔

"ہائے کیسے جائے گی آواز وہ گھر کے آخری سرے پر بنی بیٹھک میں اس کے ساتھ مہمان نوازی اور خوش اخلاقی جھاڑنے میں مگن ہیں۔" انہوں نے ایک لمحہ کے توقف سے سلسلہ کلام جوڑا۔

"بھلا یہ کیا بات ہوئی اس کے سگے ماموں اور خالائیں اسی شہر میں بستے ہیں لیکن ناں جی ان کے بجائے دور پرے کے رشتہ داروں کے ہاں قیام فرمانے کی کیا سوجھی۔"

"اماں شاہ میر بھائی بتا رہے تھے کہ ان کو جہاں جاب ملی ہے وہ جگہ ان کے ماموں اور خالاؤں کے گھر سے بہت فاصلے پر ہے، ان کا آفس تو ہمارے گھر کے قریب ہے۔"

"تم بند کرو شاہ میر کی وکالت کرنا دس منٹ کی ملاقات ہوئی ہے اس سے تمہاری اور تم اسی کے نام کی رٹ لگا دی ہے۔" اماں نے بلال کو گھر کا، بجیلہ بظاہر ڈائجسٹ پڑھنے میں مگن تھی اور کان ان دونوں کی گفتگو پر لگا رکھے تھے، بلال کی باتوں سے اس کی معلومات میں اضافہ ہو رہا تھا شاہ میر سے متعلق۔

"ہاں تو فاروق بھائی نے تمہارے باوا کو کل فون کر کے کہا کہ اپنے گھر کے قریب کوئی ہوسٹل وغیرہ میں بچے کی رہائش کا بندوبست کر دیں، تمہارے باوا نے جھٹ ان کو آفر کر دی کہ ہوسٹل کے بجائے ہمارے ہاں رہے بچہ، ہم کس لئے ہیں آخر، اس بندے کو عقل کیوں نہیں ہے آخر۔" اماں نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا جہاں سے ٹوٹا تھا اور اب متواتر جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے میں مصروف تھیں۔

"مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں اماں اور فاروق تایا تو اتنے نائس ہیں سب ان کی فیملی کی بہت تعریفیں کرتے ہیں، بابا سے بھی ہمیشہ وہ فون کر کے خیر خیریت معلوم کرتے رہتے ہیں، آپ کو پتا نہیں شاہ میر بھائی سے کیا خار ہے مجھے تو بہت پسند آئے ایم بی اے کیا ہوا ہے انہوں نے۔" بلال نے پھر سے ہمت کر کے اماں کو ٹوک دیا اور اگلے ہی پل بلبلا گیا، اماں نے اسے زوردار دھپ رسید کی تھی۔

"کم بخت اولاد مجال ہے جو ماں کی کیفیت کو محسوس کرنے کی کوشش کی ہو کبھی کہ ماں جو کہہ رہی ہے صحیح ہے، اپنی رٹ لگائی ہوئی ہے ہمیشہ، مجھے کب مسئلہ ہے مہمان نوازی سے، مجھے تو بس جوان لونڈے کے ٹھہرنے سے مسئلہ ہے سو باتیں سوچنی پڑتی ہیں جوان بیٹی کی ماں ہوں کچھ لوگوں کی بھی رکھنی پڑتی ہے۔"

بلال اماں کی تقریر سے بیزار سا ہو کر اٹھ گیا تھا جبکہ بجیلہ نے بھی کوفت سے ڈائجسٹ بند کر دیا تھا اور آنکھیں بند کر کے سونے کی ایکٹنگ، شکر ہوا کہ اماں نے خاموشی سے لائٹ بجھا دی، اماں کی باتیں ناقابل فہم اور بے حد بورنگ تھیں اف، اس نے کمرے میں چھائی خاموشی میں بے اختیار طمانیت کی سانس خارج کی، آنکھوں کے اندر آج کے گزرے تمام مناظر جوں کے توں موجود تھے، آنکھیں موندے ہی وہی منظر، وہی باتیں پھر سے تصور کے پردے پر لہرانے لگیں، بجیلہ کے لبوں پر دھیمی دھیمی سی مسکان پھیل گئی، اسے بار بار وہی سب کچھ سوچنا بہت اچھا لگ رہا تھا، دل میں اک عجیب سی گدگدی ہو رہی تھی۔

''شاہ میر بھائی بہت ہینڈسم ہیں بالکل کسی ہیرو کی طرح اور ان سے پہلی ملاقات کتنے افسانوی سے انداز میں ہوئی ہے اف جب میں درخت پر بیٹھی تھی انہوں نے کتنے غور سے مجھے دیکھا تھا ایک لمحہ کے لئے۔'' سجیلہ کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں یونہی سوئی جاگی کیفیت میں نجانے کب وہ نیند کی وادی میں اتر گئی۔

اگلے دن جب وہ سو کر اٹھی تو اماں بلال کے ذریعے بابا، شاہ میر کا ناشتہ بنا کر بیٹھک میں بھجوا چکی تھیں، شاہ میر ناشتہ کر کے بیٹھک کے پچھلے دروازے سے نکل کر آفس چلا گیا شام ڈھلے گھر لوٹا، دوپہر کا کھانا آفس میں کھایا اور رات کے کھانے کے لئے بلال کے ذریعے منع کروا دیا۔

پھر یہ ضرور کا معمول بنتا گیا، اس نے کبھی بھی گھر کے اندرونی حصہ میں قدم تک نہ رکھا تھا، اب تو اماں بھی اس کی شرافت کی قائل ہو گئی تھیں۔

''اکرم صاحب، لگتا ہی نہیں ہے کہ ہمارے گھر کوئی اور رہتا ہے ہمارے علاوہ، کبھی اپنی موجودگی کا احساس تک نہیں ہونے دیا، بہت اچھا بچہ ہے۔'' اماں مطمئن ہو گئی تھیں، بلکہ رات کا کھانا اب بابا کو اس کے ساتھ کھانے کی تاکید کرتیں اور اس کو بازار کے کھانے کھانے سے بھی منع کر دیا۔

☆☆☆

ہر کسی کے چہرے (میں) میں
اک ضیاء سی ہوتی ہے
رخ کے ایک حصے میں
حسن کے علاقے کی
اک اداسی ہوتی ہے
اس کو میں نے دیکھا تھا
گرم خو مہینوں میں
اک خوشی کی محفل میں
شہر کے مکینوں میں
اک طرف کھڑے تنہا
جس طرف کو رستے تھے
جن کے ساتھ گلیاں تھیں
جن میں لوگ بستے تھے
بے کشش مکانوں میں
جیسے چاند راتیں تھیں
اس کے سرد چہرے پر
خوشگوار آنکھیں تھیں
اس کو میں نے دیکھا تھا

بہت دنوں کے حبس اور گرمی کے بعد موسم بے حد خوشگوار ہو گیا تھا، آسمان پر گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جامن، امرود، انار، املتاس کے درختوں سے لپٹ کر شور مچاتے اور پتے خوشی سے تالیاں بجانے لگتے۔

فضا میں کوے، مینا، بلبل، چڑیوں اور طوطوں کی چہکاریں گونج رہی تھیں اور صحن میں سجیلہ نے اپنے پانچوں دوست بچوں کے ساتھ مل کر ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا، اماں اوپر والی ہمسائی کے ہاں تشریف فرما تھیں جبکہ ادھر پہلے تو جامن کے درخت پر جھولا جھولنے کی باریاں لگیں یہ اور بات کہ اس نے بے ایمانی سے زیادہ دیر جھولا پھر ہوا کے جھونکوں سے آنگن میں گرتی جامنیں اکٹھی کرنے میں مگن رہی اور ساتھ ہی سب کو لگائے رکھا اور بچوں کی فرمائش پر امرود کے درخت پر چڑھ کر اسے لوٹنے کا پروگرام بنایا۔

''سجیلہ آپی میں درخت کا چوکیدار بن جاتا ہوں آپ سب مجھے الو بنا کے درخت سے پھل چوری کرنا۔'' سب سے بڑے پپو نے پلان بنایا۔

وہ کھلکھلا اٹھی۔

''اف الو کو الو بنانا بہت مشکل کام ہے۔''

اس بات پر بھی ہنسنے لگے۔

''ٹھیک ہے میں نہیں بن رہا چوکیدار آپ بن جاؤ۔'' وہ برا منا گیا۔

''یار آپی چوکیدار بنے گی تو درخت پر کون چڑھے گا؟'' ایک فکر مند ہوا جبکہ باقی سب نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں نہیں چڑھنے والی درخت پہ، تم میں سے کوئی بچہ چڑھے۔'' اس نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔

''محترمہ آپ بھی تو بچی ہیں اپنے ماں باپ کی، آپ چڑھیے ناں درخت پر۔'' بجیلہ نے بے حد چونک کر پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا یہ لب ولہجہ، وہ بنا پیچھے مڑے بھی پہچان سکتی تھی۔

امرود کے درخت سے کچھ فاصلے پر ڈیوڑھی میں موجود بیٹھک کے کھلے دروازے کے ایک پٹ سے ٹیک لگائے وہ شاہ میر تھا بظاہر بے حد سنجیدہ مگر آنکھوں میں شریر چمک، بلیک جینز پر پنک کلر کی ٹی شرٹ پہنے اپنے وجود کی تمام تر وجاہت کے ساتھ وہ اس کے سامنے موجود تھا، مسلسل چلتی ہوا کے جھونکوں سے بال اس کے ماتھے کو چھونے لگتے جنہیں وہ بار بار ہاتھ سے پیچھے کرتا ہوا اور بھی دلکش دکھائی دے رہا تھا۔

شاہ میر کی بات پر سب بچے بے طرح کھلکھلا اٹھے تھے وہ ایکدم سے ہوش میں آ گئی صد شکر کہ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

''ارے انکل آپ کو ابھی تک یاد ہے یہ بات واہ۔'' بچے اس کی یادداشت سے متاثر نظر آنے لگے۔

''میں ان کی کوئی بات بھولا ہی کب ہوں۔'' وہ شاید مدہم سا مسکرایا تھا۔

''بلال ہے گھر پر؟''

''نہیں وہ دوستوں کے ساتھ گیا ہے۔'' جھکی نظر کے ساتھ جواب دیا۔

''آپ اس وقت گھر میں خیریت؟'' بے حد جھجک کر سوال کیا گیا۔

''ہاں آج آفس میں کام جلدی سمٹ گیا تو گھر آ گیا آپ لوگوں کی آوازیں سنیں تو میرا بھی دل چاہنے لگا آپ سب سے باتیں کروں۔''

بجیلہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی، ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئیں، (سب سے اس کی مراد بجیلہ تھی)۔

بلو اینڈ گرین کنٹراسٹ لان کے سوٹ میں گھبرائی گھبرائی سی دلکش دوشیزہ پر اچٹتی نظر ڈال کر اس نے چائے کا کہہ کر دروازہ بند کر لیا۔

اس نے کھوئے کھوئے انداز میں چائے بنا کر بھیجی اور پھر صحن میں تیز برستی بارش میں بھیگتے بچوں، پیڑوں اور گرتی بوندوں کا رقص دیکھنے گئی، وہ ایکدم سے اس ماحول کا حصہ ہوتے ہوئے بھی دور دراز کے دیسوں میں نکل پڑی تھی۔

سرخ پھولوں والی کاغذی بیل کے پھولوں نے اپنی بیل کے سائے میں کھڑی نازک سی لڑکی کو جھک کر بغور دیکھا تھا اور بارش میں اپنا تن من بھگونے لگے نم ہوا کے جھونکے کئی بار اس کے وجود سے ٹکرائے مگر اس کی کیفیت ہنوز برقرار رہی گلابی ہونٹوں پر دھیمی مسکان اور خواب آلود کھوئی کھوئی کچی نیندوں کا خمار لئے غزالی آنکھیں، سامنے جامن کے پیڑ کے بھیگتے پتے جھوم جھوم کر ایک نظر آنگن کے دوسرے کنارے پر لگی گلابی پھولوں والی بیل پر مسکراتے پھولوں کے چھوں کے نیچے ہلکی پھوار میں ان سب سے قطعی لاتعلق کھڑی بجیلہ کو دیکھتے اور پھر دوسرے لمحے جھک کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگتے، پیڑ عمر رسیدہ

تھا سب سمجھ رہا تھا مگر خاموش تھا۔

☆☆☆

جو بات میں کہہ نہیں سکا
اسے میں فرض کرتا ہوں
چلو میں فرض کرتا ہوں
مجھے تم سے محبت ہے

شاہ میر کی ڈائری اسے رائٹنگ ٹیبل پر کتابوں کے اوپر رکھی ملی تھی شاید نئی خریدی تھی، کیونکہ پہلے صفحے پر ایک شعر تھا باقی پوری ڈائری خالی تھی وہ ویک اینڈ گزارنے جھنگ گیا ہوا تھا اور بجیلہ اس کی غیر موجودگی میں کمرے کی صفائی کے لئے آئی تھی، بلال نے گزشتہ دنوں باتوں باتوں میں بتایا تھا کہ شاہ میر بھائی آپ کے متعلق پوچھ رہے تھے کہ آپ پڑھتی بھی ہیں یا کھیل کود میں مصروف رہتی ہیں اور جب انہیں پتا چلا کہ آپ نے ایف اے کر کے پچھلے سال پڑھائی چھوڑ دی تو ہنس پڑے کہ چلو شکر ہے ایف اے کر لیا۔

اور اب بجیلہ کو اپنا آپ ایکدم سے بے حد خاص لگنے لگا، کچھ ناں سمجھتے ہوئے بھی اس کا دل سب کچھ سمجھ چکا تھا، شاہ میر نے اس کی ذات سے متعلق کیوں پوچھا اور یہ ڈائری بطور خاص کس لئے چھوڑ کر گئے اس کا دل اس کی ایک ایک بات کے دس سو مطلب نکالتا تھا اب تو شعر میں سب کچھ بے حد واضح تھا، گو کہ نام نہیں لکھا تھا مگر وہ پھر بھی سب سمجھ گئی تھی۔

اسے کہنا کہ پلٹ آئے کہ اب تو
جدائی درد بنتی جا رہی ہے

اس کے لئے ایک ایک لمحہ گزارنا کٹھن ہونے لگا تھا، ایک گھر میں ہوتے ہوئے بھی سامنا نہیں ہوتا تھا مگر کم از کم دل کو آنگن کی دیوار پر لگی گلابی پھولوں والی بیل کی اوٹ میں بنے کمرے کے اندر اس کی موجودگی کا یقین ہی بے حد طمانیت بخشتا تھا، مگر اب بیٹھک کا خالی پن شہر کی فضاؤں سے اس کی دوری یہ سب اس کے دل کو اداسی سے ہمکنار کرنے لگتا تھا، اس کے بنا سارا شہر ویرانیوں کی لپیٹ میں آ جاتا تھا۔

اگلے دن شام کو بلال کی بات پر اس کے دل کی دھڑکن یک لخت بڑھ گئی مانو دل پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا، وہ مغرب کی نماز پڑھنے جا رہی تھی جب بلال کی آواز نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا۔

"اپیا یار، شاہ میر بھائی بہت پریشان لگ رہے تھے انہوں نے اپنی امی سے ایک بات منوانی ہے دعا کے لئے گزارش کی ہے وہ مجھے تو ٹریٹ دیں گے آخر کو میرے دوست بن گئے ہیں، میں تو نماز نہیں پڑھتا پابندی سے، تم دعا کر دینا۔" بلال کی سادگی سے کہی بات میں بجیلہ کے لئے کیا مفہوم چھپا تھا، یہ کوئی اس کے دل سے پوچھتا، وہ فوراً وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

☆☆☆

رات کو چودھویں کا چاند آسمان پر پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز تھا، سیاہ آسمان کی چادر پر ستاروں کی کہکشاں اتری تھی اور چاند میں دکھائی دیتا شاہ میر کا عکس پہلے سے زیادہ اجلا اور واضح تھا، ہوا سبک رفتاری سے چل رہی تھی، گلابی پھولوں کے گچھے جھوم کر بجیلہ کے بالوں میں گرنے لگے، انار، املتاس اور امرود کے پیڑ اونگھ رہے تھے جبکہ آنگن کے دوسرے کنارے پر ایستادہ جامن کا پیڑ دم سادھے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ مسکراتے ہوئے اندھیرے میں ٹہل رہی تھی جب اماں چلی آئیں اور اس کے ساتھ ٹہلنے لگیں۔

"بجیلہ تمہاری ساجدہ خالہ کا فون آیا تھا۔"

''واہ ساجدہ خالہ۔'' وہ نام سن کے ہی نہال ہوگئی۔

''ہاں وہ چند دن میں ملتان سے لاہور آ رہی ہیں اور ان کا بڑا بیٹا کامران دوبئی میں چار سال لگا کے مستقل پاکستان سیٹل ہوگیا ہے وہ بھی ساتھ آئے گا۔''

''ہیں چلیں یہ بھی اچھا ہے کامران بھائی سے ملاقات ہو جائے گی اور ارمغان اور شہرینہ بھی آ رہے ہیں ناں۔'' شہرینہ اس کی اور ارمغان بلال کا ہم عمر تھا ان سب کی آپس میں خوب بنتی تھی وہ بے حد خوش ہوگئی۔

''ہاں ہاں سب آ رہے ہیں تمہاری خالہ نے کامران کے لئے تمہارا رشتہ مانگا ہے، لڑکا اچھا ہے، معاشی طور پر مستحکم ہے پڑھا لکھا پھر سب سے بڑھ کر اپنے......''

''ارے بجیلہ! سنبھل کر بیٹا۔'' اماں کی بات ادھوری رہ گئی انہوں نے لڑکھڑا کر گرتی بجیلہ کو جلدی سے تھام لیا۔

''کیا ہوا بیٹا!'' انہوں نے زرد پڑتی رنگت اندھیرے میں بھی ملاحظہ کر لی اور اس کے وجود کے گرد اپنے ہاتھوں کا حصار قائم کر لیا۔

''اماں! آپ ایسی کوئی بات نہ کریں، مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔'' ان کے گلے سے لگی کپکپاتی آواز میں بجیلہ نے اپنی بات مکمل کی۔

''میری جان چلو ٹھیک ہے ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہم چند دن بعد اس ٹاپک پر بات کریں گے۔'' اماں نے اسے پچکارا۔

''بچوں کے ساتھ کھیلنے کا مطلب یہ تھوڑی ناں ہے کہ تم ابھی تک بچی ہو اب بڑی ہوگئی ہے میری بیٹی اچھا، چلو سو جاؤ ابھی۔''

بجیلہ کو اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے تنہائی درکار تھی اس نے نیند کے بہانے اپنے کمرے کی کی طرف قدم بڑھا دیئے، فضا حبس زدہ ہو رہی تھی اور چاند بدلی کی اوٹ میں چھپا اسے اندر جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

ساری رات وہ انگاروں پر لوٹتی رہی، اب شاہ میر سے بات کرنا بے حد ضروری ہوگیا تھا، وہ خالہ کے آنے سے پہلے اپنی والدہ کو راضی کر کے لے آئیں، وہ دل ہی دل میں ارادے باندھتی رہی۔

اگلے دن اتوار تھا، شام کو اس کی واپسی تھی وہ اس سے بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی تھی کہ اچانک غیر متوقع طور پر وہ خود ہی سامنے آ گیا، بجیلہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے وہ اس کے لئے بے کل تھی اور وہ خود ہی ملنے چلا آیا وہ بھی سب کے بیچ۔

ابا کسی دوست سے ملنے باہر گئے تھے وہ اماں کے ساتھ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری میں ہاتھ بٹا رہی تھی، جب شاہ میر نے پہلی بار ڈیوڑھی کی طرف کھلنے والے دروازے سے ان کے صحن میں قدم رکھا اور بلال کو آواز دی، جبکہ اماں حیران سی ہو کر باہر نکل آئیں۔

وہ خوشی سے لبریز لہجے میں ان کے سامنے مٹھائی کا ڈبہ کھول کر کھڑا تھا، بجیلہ کا رواں رواں کان بن گیا۔

''اوئے ہوئے کیا ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ آ گئی ہے بہت خوش لگ رہے ہیں۔'' بلال نے اس کا خوشی سے دمکتا چہرہ دیکھ کر اسے چھیڑا۔

''ہاں یہی سمجھ لو۔'' اس نے ہنستے ہوئے اس کے منہ میں گلاب جامن ٹھونس دیا۔

''چچی آپ بھی لیجئے ناں۔'' اس نے اپنے ہاتھ سے برفی کا ٹکڑا ان کے منہ میں دیا، اماں حیرت زدہ سی اسے دیکھے گئیں۔

''مگر پتا تو چلے ہوا کیا؟'' اماں نے استفسار کیا ان کا تجسس زوروں پر تھا۔

''مجھے پتا ہے غالباً منگنی ہو گئی ہے جناب کی۔'' بلال نے ہوا میں تیر چلایا جو عین نشانے پر لگا کیونکہ شاہ میر نے ہنستے ہوئے تصدیق کر دی تھی، سجیلہ کی تو سانس اٹک گئی۔

''بہت مبارک ہو۔'' اماں سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دینے لگیں، سجیلہ کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں ہو رہا تھا، اس نے لڑکھڑا کر کچن کی اندرونی دیوار کے ساتھ ماتھا ٹکا دیا، آنکھیں لبالب پانیوں سے بھرنے لگیں، اس کے اردگرد بہت سے دھماکے ہو رہے تھے اور اپنا وجود کسی فضا میں معلق لگ رہا تھا در و دیوار گھومتے محسوس ہو رہے تھے۔

''امی تو میرا رشتہ خالہ یا ماموں کے ہاں کرنا چاہتی تھیں مگر مجھے اپنے تایا کا گھرانہ بہت پسند تھا، اماں نہیں مانتی تھیں، لیکن ابا اور سب گھر والوں نے میرے حق میں ووٹ دیا اور جیت میری ہوئی اللہ کے فضل سے۔'' وہ اماں کو تفصیل فراہم کر رہا تھا اور اماں مسکرا کر دعائیں دینے میں مگن تھیں۔

''ہم نے سجیلہ کی بات بھی پکی کر دی ہے اس کی خالہ کے ہاں عنقریب باقاعدہ رسم کریں گے انشاء اللہ۔''

''ارے گڑیا کی بات، بہت مبارک ہو چچی، آپ کے دونوں بچے بے حد اچھے ہیں آپ نے بہت اچھی تربیت کی ہے، اللہ گڑیا کے نصیب بہت اچھے کرے۔''

سجیلہ کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے اور دماغ ماؤف ہو رہا تھا، وہ فی الحال کچھ سمجھ نہیں پائی وہ واقعی میں انجان تھا یا پھر انجان بننے کی اداکاری کر رہا تھا۔

''شاہ میر بھائی ایک ساتھ اتنی ساری خوشیاں میں کیسے سنبھال پاؤں گا اپیا کی شادی مطلب گھر میں سکون ہی سکون۔'' بلال کی بات پر اماں اور شاہ میر مسکرانے لگے۔

''تم خوش نصیب ہو اللہ نے تمہیں باربی ڈول جیسی بہن عطا کی ہے، اس کی معصوم چہکاروں سے ہی تم لوگوں کے گھر رونق ہے، میری کوئی بہن ہوتی ناں تو بالکل سجیلہ جیسی ہوتی۔'' شاہ میر کی آواز ہلکی سی بھرا گئی اس کے لہجے میں ناتمام حسرتیں تھیں۔

''سجیلہ تمہاری بہن ہی ہے تم دل چھوٹا مت کرو۔'' اماں کی بات پر اس نے کیا کہا، کیا ہوا، وہ سب کب چلے گئے سجیلہ کو کچھ ہوش نہیں تھی۔

اماں کی مسلسل پکار پر اس نے اپنی آنسو بھری نگاہیں بمشکل اٹھائیں اچھا تھا جو اس کا ہاتھ جل گیا کم از کم اماں کی نظروں میں اس کے آنسوؤں اور ناتواں نڈھال وجود کا بھرم رہ گیا۔

☆☆☆

شام گہری ہو رہی تھی رات کے اندھیرے جامن، انار، املتاس، امرود اور گلابی پھولوں والی بیل کے نیچے روتی ہوئی سجیلہ کے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔

یہ آنسو اس نے اپنے خوابوں، خوش فہم آنکھوں کو لہولہان کر کے درد دل کی صورت پائے تھے، شاہ میر کی کیفیات طمانچے کی صورت اس کے وجود سے ٹکرا رہی تھیں ہوا مدھم سروں میں خاموشی سے چلنے لگی، صحن میں پھولوں والی بیل کے عین سامنے دوسرے کنارے پر لگے جامن کے پیڑ کی بلند و بالا شاخوں نے ایک زمانہ دیکھ رکھا تھا۔

کسی کی ایک ستائش بھری نگاہ، ایک جملہ محبت نہیں ہوتی یہ بات عمر رسیدہ پیڑ ازل سے جانتا تھا مگر کہہ نہیں پایا۔

☆☆☆

تحریم محمود

القرآن

- اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کردی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کردی جس سے ہم نے (ہر طرف سے) ان کو (پردوں سے) گھیر دیا، سو وہ نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، یہ ایمان نہ لائیں گے۔ (سورہ یٰسین ۹، ۱۰)
- اور ان دونوں کے باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ (سورہ رحمن ۴۸، ۴۹)
- یہ مقرب لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں ہو گا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں ہوں گے وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (سورہ الواقعہ ۱۲ تا ۱۶)

سعدیہ عمر، سرگودھا

حضور اکرم ﷺ کی پسند

من پسند چیز دیکھ کر الحمدللہ رب العالمین فرماتے، تکیہ، تیل، خوشبو، دودھ اگر کوئی پیش کرتا تو قبول فرماتے۔

سفید رنگ کا لباس آپ کو بہت محبوب تھا اور سبز رنگ کا لباس بھی پسند فرماتے۔

مشک اور عود کی خوشبو کی زیادہ پسند فرماتے۔

سفر کے لئے جمعرات کا دن پسند فرماتے۔

عشاء سے پہلے نہیں سوتے تھے۔

زندگی کے اوقات تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے، ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے، دوسرا گھر والوں کے لئے، معاشرتی حقوق کے لئے جن میں ہنسنا بولنا بھی تھا اور تیسرا اپنے نفس کی راحت کے لئے۔

رائمہ خضر، خوشاب

فاتح عالم

ارسطو کے ہاں مختلف شہزادے زیر تعلیم تھے ایک روز ایک شہزادے سے ارسطو نے سوال کیا۔

''اگر تمہیں بادشاہت ملی تو میری تعلیمی خدمات کا کیا صلہ دو گے؟''

''میں تمام ترمہمات سلطنت میں آپ کے مشورے کو مقدم رکھوں گا۔'' یہی سوال ارسطو نے دوسرے شہزادے سے کیا، اس نے جواب دیا۔

''میں آپ کو برابر کا شریک رکھوں گا۔'' جب سکندر کی باری آئی تو اس نے عرض کیا۔

''مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھا جائے کیونکہ اس کا فاعل حقیقی میں نہیں بلکہ خدائے برتر ہو گا۔'' ارسطو اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا۔

''تیری اس دانائی کا جواب سب پر سبقت لے گیا اور مجھے تیرے اس جواب سے تیرے فاتح عالم ہونے کی خوشبو آئی ہے۔''

صائمہ رانا، ملتان

اٹل سچائی

☆ آخرت میں جنت اس کے حصے میں آئے گی جو دعوائے پارسائی کرنے کے بجائے عمل کرتا ہے اور عمل میں جان پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ تواضع سر بلندی بڑھاتی ہے اور تکبر انسان کو خاک میں ملا دیتا ہے۔
☆ سرکش گھوڑا سر کے بل گر جاتا ہے اس لئے بلندی کی ضرورت ہو تو بلندی کا دعوا کرنا چاہیے۔
☆ جو شخص دنیا کی موج و مستی میں مشغول ہو اس سے دین کا راستہ پوچھ کر خود کو گناہ گار نہیں کرنا چاہیے۔
☆ اگر آپ کو مقام حاصل کرنا ہے تو اپنے سوا کسی کو حقیر نہ سمجھیں۔
☆ اگر آپ کو مخلوق خوش خلق اور نیک طبع کہتی ہے تو اس سے زیادہ اونچے مقام کی توقع نہیں کرنا چاہیے۔
☆ جو لوگ آپ جیسے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں آپ کبھی اسے عزت دینے کو تیار نہیں ہوتے، اسی طرح اگر آپ کسی کو حقیر سمجھیں اور اس بات کے متمنی ہوں کہ دوسرا آپ کی عزت کرے عبث ہے

عارفہ احمد، پاکپتن

کرن

اپنے لفظوں کی حفاظت کیجئے، کیونکہ لفظ آپ کی عادت بن جاتے ہیں، اپنی عادتوں کی حفاظت کریں، کیونکہ عادتیں آپ کا عمل بن جاتی ہیں، اپنے عملوں کی حفاظت کریں کیونکہ آپ کے عمل ہی آپ کی شخصیت بناتے ہیں۔

ام حاجرہ، راولپنڈی

حکایات سعدی

ایک دیہاتی کو میں نے بصرہ کے جوہری بازار میں دیکھا، اس نے بتایا کہ وہ ایک دن جنگل میں راستہ بھول گیا تھا اور میرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی اپنی موت کا یقین ہو گیا کہ اچانک میں نے ایک تھیلی پائی جو موتیوں سے بھری ہوئی تھی میں ہرگز اس خوشی کو نہیں بھول سکتا کہ میں سمجھا اس میں بھنے ہوئے گندم ہیں پھر میں اس ناامیدی کو نہیں بھول سکتا جب مجھے معلوم ہوا کہ اس تھیلی میں موتی ہیں۔

سعدیہ فیصل، اوکاڑہ

تمہارے لئے

وہی موسم ہے
بارش کی ہنسی
پیڑوں میں چھن چھن گونجتی ہے
ہری شاخیں ہرے پھول کے زیور پہن کر
تصور میں کسی کے مسکرائی ہیں
ہوا کی اوڑھنی کا رنگ پھر ہلکا گلابی ہے
شناسا باغ کو جاتا ہوا خوشبو بھرا رستہ
تمہاری راہ دیکھتا ہے
طلوع ماہ کی ساعت تمہاری منتظر ہے
نیک تمناؤں کے ہمراہ
نیا سال مبارک ہو

اُم ایمن، لاہور

کچھ لوگ

☆ کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں وہ چاہے ہم سے کتنی بھی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کے لئے بے چین رہتا ہے۔
☆ کچھ لوگ گلابوں کی طرح ہوتے ہیں ان کا نام لیتے ہی ہمارے اردگرد خوشبو پھیل جاتی ہے۔
☆ کچھ لوگ ستاروں کی طرح ہوتے ہیں جو دور سے چمکتے ہیں مگر ہمارے ہاتھ نہیں آتے۔
☆ کچھ لوگ گھٹاؤں کی طرح ہوتے ہیں جو دوسروں پر اس طرح برستے ہیں کہ زندگی کی سخت دھوپ نرم چھاؤں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔
☆ کچھ لوگ نگاہ کی طرح ہوتے ہیں وہ ساتھ

ہوں تو اندھیروں میں بھی راستے مل جاتے ہیں۔

کائنات ظفر، احمد پور

سوچ ریزے

- شہر، دکھ اور محبتیں ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں کبھی پرانے نہیں ہوتے ہمیشہ نئے ہی لگتے ہیں۔
- پھول زخموں، یادوں، موسموں، رنگوں اور منظروں کو پرانا نہیں ہونے دیتے۔
- کبھی غور کریں تو کتنی عجیب بات کا پتہ چلے کہ بڑے سارے عذابوں، سارے اجاڑ اور ویرانوں کا تعلق پانیوں سے ہوتا ہے پانی جو بظاہر زندگی ہے اس میں کتنی موت چھپی ہوئی ہے ایسے ہی تو دکھوں اور خوشیوں کی انتہا پر آنکھیں پانیوں سے نہیں بھر آتیں۔
- ہر کوئی الفاظ کو اپنی سمجھ کے مطابق ڈھال لیتا ہے اس لئے ہر انسان کا نظریہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔
- منفرد لوگوں کو ہمیشہ مار سہنی پڑتی ہے طعنوں کی یا تنہائی کی۔
- پتھروں سے واسطہ پڑے تا پتھر دلوں سے زندگی کا سفر رکتا نہیں۔
- دیواریں صرف کمروں کی نہیں ہوتیں، دل کے گرد بھی ہوتی ہیں کبھی خواب کئی خیال انہیں میں قید رہ جاتے ہیں۔
- اعتبار کی مالا کو کبھی ٹوٹنے نہ دو، اس انمول مالا کے موتی بکھر جائیں تو تلاش کے باوجود ملتے نہیں۔
- انسان کی شخصیت کا سب سے مضبوط حوالہ اس کا کردار اور عمل ہے۔

حرمت عامر، سانگھڑ

دعا

میں نے دعا مانگی

زمین کی سلامتی کی

اس پر رزق کی فراوانی کی

درختوں کی پناہ گاہیں آباد ہونے کی

ہجرت کر جانے والے پرندوں کی واپسی کی

لیکن ان سب دعاؤں سے پہلے

میں نے دعا مانگی

زمین کی رہائی کی

مہتاب بانو، سکھر

وہم

علاقے کے بازار میں ایک خاتون نے اپنے سابق پڑوسی کی دس بارہ سالہ بچی کو سودا خریدتے دیکھا تو شفقت سے اس کا حال چال پوچھنے کے بعد دریافت کیا۔

''اور تمہارے امی ابو کیسے ہیں؟''

''امی تو ٹھیک ہیں لیکن ابو بیمار ہیں۔'' بچی نے بتایا۔

''ارے بیٹا، وہ بیمار ویمار کچھ نہیں ہیں، تمہارے ابو کو وہم ہو گیا ہے کہ وہ بیمار ہیں۔'' خاتون نے بڑے یقین سے کہا۔

کچھ عرصے بعد اسی بازار میں خاتون کی ملاقات بچی سے ہوئی تو انہوں نے ایک بار پھر بچوں کے والدین کی خیریت دریافت کی۔

''امی تو ٹھیک ہیں۔'' بچی نے دھیمی آواز میں سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لیکن ابو کو وہم ہو گیا تھا کہ وہ مر چکے ہیں، کل ان کا چالیسواں تھا۔''

صبا علی، لاڑکانہ

☆☆☆

سعدیہ عمر: کی ڈائری سے ایک نظم
"بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے"
وہی گلیاں وہی کوچے وہی سردی کا موسم ہے
اسی انداز سے اپنا نظام زیست برہم ہے
یہ حسن اتفاق ایسا کہ نکھری چاندنی بھی ہے
وہی ہے بھیڑ سوچوں کی، وہی تنہائیاں پھر سے
مسافر اجنبی اور دشت کی تنہائیاں پھر سے
مجھے یاد ہے کچھ سال پہلے کا یہ قصہ ہے
وہی لمحہ تو ویرانے کا اک آباد حصہ ہے
وہ زندہ رات کی تنہائی میں سرگوشیاں کی تھیں
کسی کی نرم گفتاری نے دل کو لوریاں دی تھیں
کسی نے میری تنہائی کا سارا کرب بانٹا تھا
کسی نے رات کی چنری میں روشن چاند ٹانکا تھا
چمکتے جگنوؤں کا سیل اک بخشا تھا راتوں کو
دھڑکتا سا نیا عنوان دیا تھا میرے خوابوں کو
میرے شعروں میں وہ الہام کی صورت میں اترا تھا
معانی بن کے جو لفظوں میں پہلی بار دھڑکا تھا
وہ جس کے ہونے سے زندگی نغمہ سرائی ہے
اسے کہنا کہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے۔

رائمہ خضر: کی ڈائری سے ایک غزل
آگے حریم غم سے کوئی راستہ نہ تھا
اچھا ہوا کہ ساتھ کسی کو لیا نہ تھا
دامان چاک چاک گلوں کو بہا نہ تھا
دل کا جو رنگ تھا وہ نظر سے چھپا نہ تھا
رنگ شفق کی دھوپ کھلی تھی قدم قدم
مقتل میں صبح و شام کا منظر جدا نہ تھا
کیا بوجھ تھا کہ جس کو اٹھائے ہوئے تھے لوگ
مڑ کر کسی سمت کوئی دیکھتا نہ تھا
کچھ اتنی روشنی میں تھے چہروں کے آئینے
دل اس کو ڈھونڈتا تھا جسے جانتا نہ تھا
کچھ لوگ شرمسار خدا جانے کیوں ہوئے
اپنے سوا ہمیں تو کسی سے گلہ نہ تھا
ہر اک قدم تھا نئے موسموں کے ساتھ
وہ جو صنم تراش تھا بت پوجتا نہ تھا
جس در سے دل کو ذوق عبادت عطا ہوا
اس آستان شوق پہ سجدہ روا نہ تھا
آندھی میں برگد کی زباں سے ادا ہوا
وہ راز جو کسی سے ابھی تک کہا نہ تھا

صائمہ رانا: کی ڈائری سے ایک نظم
اب کے برس کچھ ایسا کرنا
اپنے گزرے بارہ ماہ کے
دکھ سکھ کا اندازہ کرنا
بسری یادیں تازہ کرنا
سادہ سا اک کاغذ لے کر
بھولے بسرے پل لکھ لینا
پھر اس بیتے اک اک پل کو
اک اک موڑ کا احاطہ کرنا
سارے دوست اکٹھے کرنا
ساری سجیں حاضر کرنا
ساری شامیں پاس بلانا
اور علاوہ ان کے دیکھو
سارے موسم دھیان میں رکھنا
اک اک یاد گمان میں رکھنا
پھر محتاط قیاس لگانا
گر تو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں

تو پھر تم کو میری طرف سے
آنے والا سال مبارک
اور اگر غم بڑھ جائیں تو
مت بے کار تکلف کرنا
دیکھو پھر تم ایسا کرنا
میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے غم دے دینا
اب کے برس کچھ ایسا کرنا

عارفہ احمد: کی ڈائری سے ایک نظم
''اب کے برس''
اے عمر رواں
آ پاس میرے
اک راز کی بات بتانی ہے
اک درد کی ٹیس سی دل میں ہے
اے عمر رواں
آ پاس میرے
یہ نیم شبی کی خاموشی
یہ نیند کی پلکیں بوجھل سی
یہ پردہ دل
یہ زہر نظر
اک خوف سا ذہن و دل پر ہے
تنہائی میری چپکے سے کہے
اے عمر رواں آ پاس میرے
تجھ سے فقط کہنا ہے مجھے
اک شخص سے ملنا ہے مجھ کو
ملنے کی گھڑی جو ٹھہری ہے
دو چار صدی یا اب کے برس
اے عمر رواں
آ پاس میرے، آ پاس میرے

ام حاجرہ: کی ڈائری سے ایک غزل
اک رہ گزر پہ خود کو تماشا کیئے ہوئے
بیٹھا ہے دل غبار کو رستہ کیے ہوئے
جیسے ہجوم خلق خدا اس کے ساتھ ہے
پھرتا ہے سارے شہر کو تنہا کیے ہوئے
چلا اس سے مانگتے ہیں دل ناتواں کی خبر
اک عمر ہو گئی ہے تقاضا کیے ہوئے
تو ہے، نہیں ہے، کون یہ سوچے، مگر میں ہوں
محفل کو تیری یاد میں برپا کیے ہوئے
بیٹھا ہے عشق مسند انکار پر سلیم
ترک رسوم و ترک تمنا کیے ہوئے

سعدیہ فیصل: کی ڈائری سے ایک نظم
مگر اک ستارہ مہرباں
کئی چاند دھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے
مگر اک ستارہ مہرباں
جو گواہ تھا
سر شام سے دم صبح تک
کسی وصل رنگ سی رات کا
کسی بے کنار سے لطف کا
کسی مشکبار سی بات کا
مرے ساتھ تھا
مرے ساتھ تھا

ام ایمن: کی ڈائری سے ایک غزل
یہ معجزہ بھی کسی کی دعا کا لگتا ہے
یہ شہر اب بھی اسی بے وفا کا لگتا ہے
یہ تیرے میرے چراغوں کی ضد جہاں سے چلی
وہیں کہیں سے علاقہ ہوا کا لگتا ہے
دل ان کے ساتھ مگر تیغ اور شخص کے ساتھ
یہ سلسلہ بھی کچھ اہل ریا کا لگتا ہے
نئی گرہ، نئے ناخن، نئے مزاج کے قرض
مگر یہ پیچ بہت ابتدا کا لگتا ہے
کہاں میں اور کہاں فیضان نغمہ و آہنگ
کرشمہ سب درد سمت نوا کا لگتا ہے

کائنات ظفر: کی ڈائری سے ایک نظم
''بشارت''

سنو!
یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کا
تو پھر لفظوں میں کیسے لکھ سکیں گے
اس کی آمد کی کہانی کو
وفا کی حکمرانی کو
محبت کی دعائیں مانگتی شب نے
نئے اک سرخرو دن کے سہانے خواب دیکھے ہیں
یہ کیسا خوشنما احساس ہے
کہ آئندہ برسوں میں
ہر اک موسم، ہر اک دن کی دھنک کرنوں کو
ہم اک ساتھ برتیں گے
سنو! یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں

حرمت عامر: کی ڈائری سے ایک نظم

"آس"

میں نے اب کے سال بھی سبز رتوں کا پہلا پھول
اک تیری خاطر شاخ شجر سے توڑ کے
اپنی زرد کتاب میں لا رکھا ہے
کوئی نہ جانے
کبھی کوئی آوارہ بھولا بھٹکا بادل
عمر کے ترسے پیاسے دشت کی
پل میں پیاس بجھا جاتا ہے
کوئی نہ جانے
بعض اوقات ایک بھولی بسری ہوئی یاد بھی
ایسے پوری ہو جاتی ہے
جیسے غیر آباد جزیرے
رستہ بھول کے آنے والے لوگوں سے بس جاتے
ہیں

یاسمین بابر: کی ڈائری سے ایک غزل

کئی بار اس کا دامن بھر دیا حسن دو عالم سے
مگر دل ہے کہ اس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی
کئی بار اس کی خاطر ذرے ذرے کا جگر چیرا
مگر یہ چشم حیراں جس کی حیرانی نہیں جاتی
نہیں جاتی متاع لعل و گہر کی گراں یابی
متاع غیرت و ایماں کی ارزانی نہیں جاتی
مری چشم تن آساں کو بصیرت مل گئی جب سے
بہت جانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی
سرخ رو سے ناز جگلا ہی چھن بھی جاتی ہے
کلاہ خسروی سے بوئے سلطانی نہیں جاتی
بجز دیوانگی واں اور چارہ ہی کہو کیا ہے
جہاں عقل و خرد کی ایک بھی مانی نہیں جاتی

کرن عدنان: کی ڈائری سے ایک نظم

اے دوستو! یہ نیا سال مبارک ہو تمہیں
عین ممکن ہے کہ کھوئی ہوئی منزل مل جائے
اور کمزور سفینوں کو بھی ساحل مل جائے
شاید اس سال ہی کچھ چین دلوں کو ہو نصیب
شاید اس سال تمہیں زیست کا حاصل مل جائے
صبح کے بھولے ہوئے شام کو شاید گھر آئیں
اپنے غم خانوں میں چپ چاپ ہی خوشیاں در آئیں
شاید اس سال جو سوچا تھا وہ پورا ہو جائے
شاید اس سال تمہاری بھی مرادیں بر آئیں
شاید اس سال شکستہ ہوں مصائب کی سلیں
شاید اس سال ہی صحراؤں میں کچھ پھول کھلیں
راہ ہستی کے دوراہے پہ اچانک اک دن
شاید اس سال ہی کچھ بچھڑے ہوئے آن ملیں
دل میں ہم سب کے محبت ہو کدورت نہ رہے
اور انسان کو انسان سے نفرت نہ رہے
شاید اس سال کوئی ایسی ہوا چل جائے
رنج و غم، آفت و آلام کی کثرت نہ رہے
اے دوستو! یہ نیا سال مبارک ہو تمہیں
اس کی رحمت کا جو ادنیٰ سا اشارہ ہو جائے
تو اسی سال ہی "طیبہ" کا نظارہ ہو جائے
آج جس وقت کے تیور ہیں بہت بدلے ہوئے
کل کو ممکن ہے یہی وقت تمہارا ہو جائے

☆☆☆

عین غین

سارا رضا ---- کراچی

س: کمخواب میں ٹاٹ کا پیوند کب لگتا ہے؟

ج: جب کمخواب پھٹ جائے۔

س: دور کے ڈھول سہانے کیوں ہوتے ہیں؟

ج: اس لئے کہ قریب کے ڈھول کان پھاڑتے ہیں۔

س: سر کڑاہی میں کب ہوتا ہے؟

ج: جب پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں۔

میاں منیر احمد انجم ---- فیصل آباد

س: میں جس کو پانا چاہوں اسے پا نہ سکوں؟

ج: تو جس کو پا سکتے ہو اسے پالو۔

س: اس کے سوا سوچیں تو کیا سوچیں؟

ج: کوئی اچھی بات سوچ لو۔

س: شعر کا جواب دیں۔

کہتے ہیں ہر چیز مل جاتی ہے دعا سے
ہم نے روز مانگا تھا تجھے اپنے خدا سے

ج:

میری تنہا سفری میرا مقدر تھی فراز
ورنہ اس شہر تمنا سے تو دنیا گزری

ثمن حنا ---- کوٹ عبدالمالک

س: اپنے دکھوں کا کس سے شکوہ کروں بتاؤ؟

ج: کسی ہمراز سے۔

س: عین غین جی خوشحال سے تم بھی لگتے ہو آخر کیوں؟

ج: کیا تم کنگال کرنا چاہتی ہو۔

س: اس نے کہا یہ دل آپ کا ہوا، کیا یہ سچ ہے؟

ج: وہ تو فلم کا نام پڑھ رہا تھا ورتم......

س: میں نے کہا کیا ارادے ہیں تمہارے عین غین جی؟

ج: ارادے......؟ ابھی میں نے اپنا ارادہ ظاہر کب کیا ہے۔

س: عین غین جی کیا کھانا پسند کریں گے؟

ج: جو تم پکا سکو گی۔

علینہ طارق ---- لاہور

س: عین غین جی نیا سال مبارک ہو؟

ج: شکریہ دعا کریں کہ نیا سال ہمارے لئے خوشیوں کی سوغات لے کر آئے۔

س: ہمیں آنے والے سال سے کیا کیا توقعات وابستہ کرنی ہوں گی؟

ج: توقعات ہمیشہ اچھی ہونی چاہئیں۔

س: زندگی کی کوئی ایسی تمنا ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟

ج: میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اسی پر شاکر اور قانع ہوں۔

س: اگر سب انسان ایک سے ہوتے تو......؟

ج: تو کوئی کسی کی دل شکنی نہ کرتا۔

نعمان احمد ---- لاہور

س: وہ کون تھا جو چپکے سے آکر چلا گیا؟

ج: خیال۔

س: بچے بہت تنگ کرتے ہیں، کیا کروں؟

ج: ٹافیاں اور گولیاں اپنے پاس رکھا کرو۔

س: آپ کی زندگی کا بور لمحہ؟

ج: جب کوئی بے تکا سوال سامنے آتا ہے۔

س: دل کہتا ہے میری بات مانو، میں کہتی ہوں تو

تو پاگل ہے؟
ج: کبھی بھی پاگلوں کی بات بھی مان لینی چاہیے۔

نازیہ عمر ---- پشاور
س: عین غین جی نئے سال کے استقبال کے لئے کیا کررہے ہیں آپ؟
ج: ہم اپنے ملک کی بہتری کے لئے کام کررہے ہیں اور انشا اللہ کرتے رہیں گے۔
س: سوچ کر بتایئے کہ شیشہ نازک ہوتا ہے یا دل؟
ج: نازک تو دونوں ہی ہوتے کیونکہ شاعری میں عام طور پر دل کو شیشے سے تشبیح دی جاتی ہے۔
س: میں نے سوچا کہ آپ کو نئے سال کی مبارکباد دے ہی دوں؟
ج: دو لفظوں کے لئے اتنی کنجوسی اچھی نہیں ہوتی۔
س: نئے سال کا کارڈ نہیں بھیجا مجھے؟
ج: خود تو دو لفظوں پر ٹرخا رہی ہو اور مجھ سے کارڈ چاہتی ہو۔
س: سچی دوستی کی پہچان بتایئے؟
ج: تمہارے سوالوں سے ہی پتہ چلا کہ جھوٹی دوستی کیا ہوتی ہے۔

لائبہ رضوان ---- فیصل آباد
س: عین غین جی کیا نئے سال کی مبارکباد دے دوں؟
ج: نہیں اپنے پاس ہی رکھ لو تا کہ کہیں اور کام آ جائے۔
س: آپ بڑے وہ ہیں؟
ج: وہ کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے خیال رہے۔
س: میرا خیال ہے آپ جو بنتے ہیں وہ نہیں ہیں؟
ج: آپ بھی وہ نہیں ہیں جو بنتی ہیں۔
س: اگر آپ کے دل میں پھول کھلنے لگیں؟
ج: گوبھی کے پھول سے ڈر لگتا ہے۔

شازیہ ثمن ---- جھنگ
س: سچ سچ بتایئے آپ اس وقت کیا کررہے ہیں؟
ج: حنا کی محفل میں براجمان ہوں۔
س: محبت کا کون سا روپ خوبصورت ہوتا ہے؟
ج: محبت ہر روپ میں اچھی لگتی ہے۔
س: اگر کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آنے لگے تو؟
ج: شہد کی مکھی کیا کرے گی بیچاری۔
س: آپ نے کبھی عشق کیا ہے؟
ج: ایسی باتیں سب کے سامنے پوچھا نہیں کرتے۔

نعیمہ رانا ---- ملتان
س: اللہ آپ کو نئے سال میں ترقی نصیب کرے اور آپ محفل سے نکل کر ایڈیٹر بن جائیں؟
ج: کیوں میری چھٹی کرانے کا ارادہ ہے۔
س: سوال کرنے کو جی چاہتا ہے، مگر کچھ سوجھتا ہی نہیں؟
ج: آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔
س: ہم سوال کچھ کرتے ہیں آپ جواب کچھ دیتے ہیں؟
ج: اگر پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے پڑھوا لیا کریں۔
س: میں کون ہوں ذرا بوجھو تو؟
ج: تم وہی ہو جو تم ہو۔

عطیہ شیخ ---- کہروڑ پکا
س: دنیا میں دو ہی تو خوبصورت ہیں ایک میں اور بس۔
ج: ابھی دنیا میں پاگل باقی ہیں۔

☆☆☆

قابلِ غور

لوگوں کا سرمایہ ہضم کر کے غائب ہو جانے والی ایک انویسٹمنٹ کمپنی کا مالک جب پکڑا گیا تو اسے عدالت میں پیش کیا گیا، جج صاحب نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں شرم نہیں آتی جن لوگوں نے تم پر اعتماد کیا، تم نے ان ہی کا پیسہ کھا کر بھاگ گئے؟''

''سر! آپ خود سوچیں جو لوگ آپ پر اعتماد نہ کرتے ہوں، ان کا پیسہ آپ کیسے کھا سکتے ہیں؟''

کمپنی کے مالک نے معصومیت سے سوال کیا۔

سعدیہ عمر، سرگودھا

عجلت

ایک ہوٹل کے قریب ایک صاحب نے ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گئے، نشے سے لڑکھڑاتی آواز میں انہوں نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

''اس ہوٹل کے چاروں طرف سو چکر لگاؤ۔''

ڈرائیور کچھ پریشان ہوا لیکن جب ان صاحب نے اسے ہزار کا نوٹ تھمایا تو اس نے ہوٹل کے گرد چکر لگانے شروع کر دیے۔

ساٹھویں چکر پر پچھلی سیٹ پر نیم دراز ان صاحب نے گردن اونچی کی اور خمار زدہ لہجے میں ڈرائیور سے مخاطب ہوئے۔

''میاں! ذرا اسپیڈ بڑھاؤ میں جلدی میں ہوں۔''

رائمہ خضر، خوشاب

ماسٹر صاحب

ہمارے ماسٹر صاحب بڑے خونخوار قسم کے آدمی تھے، یوں تو بیچلر آف آرٹس تھے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ شادی شدہ اور کئی بچوں کے باپ ہیں، وہ ان حضرات میں سے تھے جو آپ سے سوال پوچھیں گے، آپ کی طرف سے خود ہی جواب دیں گے اور پھر آپ کو ڈانٹیں گے بھی کہ جواب غلط تھا، ان کے نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ انہیں نیند میں بولنے اور چلنے پھرنے کی بیماری تھی اور وہ سوتے ہوئے پیدل چلا کرتے تھے، حالانکہ ان کے پاس ایک تانگہ تھا اور ایک سائیکل۔

انہیں کھیل کود کا شوق بھی تھا لیکن فقط اتنا کہ ریفری بن کر خوش ہو لیا کرتے، ایک مرتبہ وہ فٹ بال کے میچ میں ریفری تھے کہ یک لخت جوش میں آ گئے اور گیند لے کر خود گول کر دیا، رونی کے ابا ہمیشہ ان سے کہا کرتے تھے کہ۔

''ماسٹر صاحب! آپ اس علاقے میں فٹ بال کے نمبر دو کھلاڑی ہیں۔''

ایک روز ماسٹر صاحب نے ان سے پوچھا کہ۔

''نمبر ایک کھلاڑی کون ہے۔'' وہ بولے۔

''پتہ نہیں۔''

صائمہ رانا، ملتان

موقع غنیمت

مجید لاہوری اور رشید اختر ندوی دونوں بھاری بھرکم تھے، ایک مرتبہ دونوں ایک سائیکل رکشا پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، رکشا والا کمزور

سا آدمی تھا، پسینے میں شرابور بڑی دشواری سے سواری کھینچ رہا تھا، راستے میں مجید لاہوری کو پان کھانے کی خواہش ہوئی تو وہ رکشا رکوا کر اترے اور پان کی دکان کی طرف بڑھے، اتفاق سے رشید اختر ندوی کو ایک شناسا مل گئے اور وہ بھی رکشا سے اتر کر سڑک پر ان سے باتیں کرنے لگے۔

رکشے والا جو غیر معمولی مشقت سے نیم جان ہو رہا تھا، اس موقع غنیمت جان کر خالی رکشا لے کر بھاگ کھڑا ہوا، مجید صاحب نے اسے بھاگتے دیکھا تو چیخ کر بولے۔

''او میاں رکشے والے، کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اپنے پیسے تو لیتے جاؤ۔''

''شکریہ صاحب جی! زندگی باقی رہی تو کسی اور سے کما لوں گا۔'' رکشے والے نے ہانپتے ہوئے کہا اور بھاگتا چلا گیا۔

عارفہ احمد، پاکپتن

علم

عدالت میں ایک بڑے اور مشہور وکیل نے اپنے مخالف وکیل کی طرف حقارت سے دیکھا کیونکہ وہ نو آموز اور گمنام تھا، پھر بڑے وکیل نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''تم ہو کون؟''

''سر میں وکیل ہوں۔'' نو آموز اور ناتجربہ کار وکیل نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

''تم جیسے وکیل میں جیب میں لئے پھرتا ہوں۔'' بڑے وکیل نے بدستور حقارت سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دماغ میں قانونی علم نہیں ہو گا، تبھی آپ جیب میں لئے پھرتے ہیں۔'' نو آموز وکیل نے نرمی اور شائستگی سے کہا۔

اُم حاجرہ، راولپنڈی

گفٹ پیکج

ایک دن سردار جی ایک دکان میں خریداری کر رہے تھے کہ تیل کا ڈبہ اٹھا کر دکان دار سے بولے۔

''اس تیل کے ساتھ میرا مفت گفٹ کدھر ہے؟''

دکان دار نے کہا۔

''اس کے ساتھ کوئی گفٹ نہیں ہے بھائی صاحب!''

سردار جی منہ بسور کر بولے۔

''اوئے اس پر لکھا ہے کولیسٹرول فری۔''

سعدیہ فیصل، اوکاڑہ

عشق کہیں جسے

ایک شخص نے بس میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا۔

''مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہو گئے۔''

وہ صاحب جھلا کر بولے۔

''میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور بدقسمتی سے کامیاب بھی ہو گیا۔''

اُم ایمن، لاہور

زور گفتار

گل صاحب نے ایک دن موڈ میں آ کر کہا۔

''میری بیوی اتنی پڑھی لکھی ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر گھنٹہ بھر بات چیت کر سکتی ہے۔''

جواب میں اقبال میمن نے کہا۔

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے، یہی کام ان پڑھ عورت بھی کر لیتی ہے اور اس کے لئے موضوع کی بھی شرط نہیں ہوتی۔''

کائنات ظفر، احمد پور

تیز رفتاری

ایک خاتون نے ٹریفک سارجنٹ کو اپنی تیز

رفتاری کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔
''میری گاڑی کے بریک خراب ہو گئے ہیں، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ کسی حادثے کے بغیر گھر پہنچ جاؤں۔''
حرمت عامر، سانگھڑ

جواب

ایک رنگروٹ کو آفیسر کی بے عزتی کرنے کے جرم میں کورٹ مارشل کے لئے پیش ہونا پڑا۔
''جواب دو۔'' کمانڈنگ آفیسر نے سخت لہجے میں باز پرس کی۔
''تم نے اپنے آفیسر کو الو کا پٹھا کیوں کہا؟''
رنگروٹ نے جواب دیا۔
''آفیسر نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں اسے کیا سمجھتا ہوں۔''
درشہوار، ملتان

معصومیت

ننھے جمی کا اسکول کا پہلا دن تھا، چھٹی کے وقت سب بچے گھر جانے کے لئے گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے لیکن جمی وین میں بیٹھنے کے لئے تیار نہ تھا۔
''کیا تم گھر نہیں جاؤ گے؟'' ٹیچر نے حیرت سے پوچھا۔
''ممی کہہ رہی تھیں، اب مجھے کم از کم دس بارہ سال اسکول میں گزارنے پڑیں گے۔'' جمی نے نہایت معصومیت سے جواب دیا۔
مہتاب بانو، سکھر

انتظار

ایک خوبصورت سیلز گرل نے ایک گھر کے دروازے پہ دستک دی، صاحب خانہ باہر آئے تو سیلز گرل نے پوچھا۔
''کیا آپ کی بیگم گھر پر ہیں؟''
صاحب نے جواب دیا۔
''نہیں! لیکن آپ اندر آ کر ان کا انتظار کر سکتی ہیں، وہ ایک ہفتے کے لئے میکے گئی ہوئی ہیں۔''
صباعلی، لاڑکانہ

کھانا

میاں بیوی نے شادی کی پہلی سالگرہ پر ضیافت کا اہتمام کیا، بیوی نے بڑے چاؤ سے اپنے ہاتھ سے کھانے تیار کیئے۔
مہمان جمع تھے، خوش گپیوں اور مشروبات وغیرہ کا دور چل رہا تھا، ایک دوسرے کو لطیفے سنائے جا رہے تھے، قہقہے گونج رہے تھے۔
شوہر نے بیوی سے دریافت کیا۔
''کیا خیال ہے بیگم! مہمانوں کو کچھ دیر اور لطف اندوز ہونے دیا جائے یا کھانا لگوایا جائے۔''
طاہرہ وحید، ساہیوال

ایک منٹ

رمضان المبارک کا مہینہ تھا، مولوی صاحب رات گئے مسجد سے فارغ ہو کر گھر آ رہے تھے کہ ان کی نظر گلی کی نکڑ پر اس لڑکے پر پڑی جو شراب پی کر نالے میں اوندھے منہ پڑا تھا۔
مولوی صاحب کو اس پر رحم آ گیا اور وہ اسے سہارا دے کر اٹھانے لگے، ان کے اٹھانے پر وہ لڑکا ذرا سنبھل گیا اور ہوش میں آتے ہی وہ مولوی صاحب سے گزارش کرنے لگا۔
''پلیز مولوی صاحب آپ صرف پانچ منٹ کے لئے میرے ساتھ میرے گھر چلیں۔''
''نہیں بھائی، اب رات بہت ہو گئی ہے، مجھے سحری اور فجر کی نماز کے لئے بھی اٹھنا ہے۔''
مولوی صاحب جلدی سے بولے اور جانے لگے مگر اس لڑکے نے انہیں پیچھے سے جا لیا۔
''پلیز مولوی صاحب صرف ایک منٹ کے لئے تا کہ میں اپنی بیوی کو بتا سکوں کہ میں کس کے ساتھ آیا ہوں۔''
نشاء خان، چیچہ وطنی ☆☆☆

تسنیم طاہر

سعدیہ عمر ---- سرگودھا

ہر شام نئے خواب اس پہ کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تیری شال آ جائے
ان ہی دنوں وہ میرے ساتھ چائے پیتا تھا
کہیں سے کاش میرا پچھلا سال آ جائے

....

موسم تھا بے قرار تمہیں سوچتے رہے
کل رات بار بار تمہیں سوچتے رہے
بارش ہوئی تو گھر کے دریچے سے لگ کر ہم
چپ چاپ سوگوار تمہیں سوچتے رہے

....

خود اپنی ذات اسیر عذاب رکھتے ہیں
ہمارے عہد کے انسان خواب رکھتے ہیں
یہ تاجران محبت بھی خوش گماں ہیں بہت
گناہ کرکے امید ثواب رکھتے ہیں

رائمہ خضر ---- خوشاب

بہت منتظر ہیں اگلے برس کے
وہ لوٹ آئے گا اگلے برس کیا

....

ناصر مجھے چھیڑیں گے بہت چاندنی اور پھول
آیا نہ میرا دوست اگر اب کے برس بھی

....

اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے برس
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں

صائمہ رانا ---- ملتان

خوشی تم کو ملے ہر دم تمہارا حال اچھا ہو
تمہارے واسطے اللہ کرے یہ سال اچھا ہو

....

نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں
دیا روشن کہ مدھم ہو گیا ہے
ہمیں معلوم ہے اتنا کہ اک سال
ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے

....

وہ وقت بھی دیکھا تقدیر کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

عارفہ احمد ---- پاکپتن

نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیت امن کا سب مل کے گائیں اب کے برس
کرو کچھ اب کے بہاروں کا ایسا استقبال
بہاریں آئیں تو آکر نہ جائیں اب کے برس

....

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا
ہم نئے خواب بنیں گے نئے منظر لے کر
نئے سورج سے کہو روز نکلتے رہنا

....

یہ خنک رت، یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل یہ کہتا ہے کو موسم اب کوئی یاد آئے
ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا
دکھ بھی کیا کیا ہمیں، یادوں کے سبب یاد آئے

ام حاجرہ ---- راولپنڈی

نجانے کیسے نئی رتوں میں پرانی یادوں کی ناؤ ڈوبی
نظر کے دریا میں آنے والا ابال کتنا عجیب سا ہے
ہتھیلیوں پہ رکھے چراغوں کو بجھایا ہوا نے پہلے
اداس موسم میں بے بسی کا یہ سال کتنا عجیب سا ہے

....

وہ جس سے رہا آج تک آواز کا رشتہ
بھیجے میری سوچوں کو اب الفاظ کا رشتہ
ملنے سے گریزاں ہے نہ ملنے پہ خفا بھی
دم توڑتی چاہت ہے یہ کسی انداز کا رشتہ

....

میرے مولا نے مجھ کو چاہتوں کی سلطنت دی ہے
مگر پہلی محبت کا خسارہ ساتھ رہتا ہے
سفر میں عین ممکن ہے میں خود کو چھوڑ دوں لیکن
دعائیں کرنے والوں کا سہارا ساتھ رہتا ہے
سعدیہ فیصل ---- اوکاڑہ

اس کی آنکھوں میں کوئی دکھ بسا ہے شاید
یا مجھے خود ہی وہم سا ہوا ہے شاید
میں نے پوچھا کہ بھول گئے ہو تم بھی
پونچھ کر آنسو مجھے اس نے کہا ہے شاید

....

خدا کے خوف سے ڈرتا ہوں لیکن یاد رکھ
بات جب حد سے بڑھی رسمیں اٹھا دی جائیں گی

....

آہ بن کے سانسوں سے نکل آؤں گا
اور روکے گا تو آنکھوں سے نکل آؤں گا
بھول جانا مجھے اتنا آسان نہیں جاناں
باتوں باتوں میں ہی باتوں سے نکل آؤں گا
اُم ایمن ---- لاہور

تجھ سے منسوب ہوئے تو یہ حسرت ہی رہی
ہم کبھی اپنے حوالے سے پکارے جاتے

....

جہاں بھی جانا تو آنکھوں میں خواب بھر لانا
یہ کیا کہ دل کو ہمیشہ اداس کر لانا
میں برف رتوں میں جلا تو اس نے کہا
پلٹ کے آنا تو کشتی میں دھوپ بھر لانا

....

رابطہ پیڑ سے کٹ جاتا ہے جس وقت ضفی
خشک پتے کو تو جھونکے کا بھی ڈر رہتا ہے
کائنات ظفر ---- احمد پور

یاد بھی اس کی یہ کہتے ہوئے دل سے نکلی
ایسی اجڑی ہوئی بستی میں بھلا کیا رہنا

....

کبھی کبھی یہ سب اپنا خیال لگتا ہے
وہ میرا ہے یا نہیں الجھا سوال لگتا ہے
میں وفا کر کے بھی گمنامیوں میں ہوں
وہ بے وفا ہے مگر بے مثال لگتا ہے

....

ہم یہی پوچھتے پھرتے ہیں زمانے بھر سے
جن کی تقدیر بگڑتی ہے وہ کیا کرتے ہیں
حرمت عامر ---- سانگھڑ

کبھی ہم بھیگتے ہیں چاہتوں کی تیز بارش میں
کبھی برسوں نہیں ملتے کسی ہلکی سی رنجش میں
تم ہی میں دیوتاؤں کی خوبو نہ تھی ورنہ
کمی نہ تھی کوئی میرے انداز پرستش میں

....

یونہی ختم ہجر کا باب ہو نئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو کسی شب کو تو مجھے آ ملے
گئے رتجگوں کا حساب ہو نئے سال میں
درشہوار ---- ملتان

ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
میں نے تو ایک بات کی اور اس نے کمال کر دیا
میرے لبوں پر مہر تھی پر میرے شیشہ رونے تو
شہر کے شہر کو میرا واقف حال کر دیا

....

یہ سنگریزے عداوتوں کے، وہ آبگینے سخاوتوں کے
دل مسافر قبول کر لے، ملا جو کچھ جہاں سے
تو ہم نفس ہے، نہ ہم سفر ہے، کسے خبر کہ تو کدھر ہے
میں دستکیں دے کے پوچھ بیٹھا کہیں سے مکاں مکاں سے
مہتاب بانو ---- سکھر

اس نسل کا ذہن کٹ رہا ہے
اگلوں نے کٹائے تھے فقط سر

....

کیا برا ہے کہ میں اقرار محبت کر لوں
لوگ ویسے بھی تو کہتے ہیں گناہ گار مجھے

....

درخت جاں پہ عذاب رت تھی نہ برگ جاگے نہ پھول آئے
بہار وادی سے جتنے پنچھی ادھر کو آئے ملول آئے
وہ ساری خوشیاں جو اس نے چاہیں اٹھا کے اپنی جھولی میں رکھ لیں
ہمارے حصے میں عذر آئے جواز آئے اصول آئے

صبا علی ---- لاڑکانہ

کون رہتا تھا نہ جانے اس جا
خواہشیں نقش ہیں دیواروں پر

....

یہ نہ ہو شہر میں کہ تنہائی کے مجرم ٹھہرو
دل ملیں یا نہ ملیں ہاتھ ملاتے رہنا
میں ہمیشہ کی طرح سچی ہی کہوں گا عارف
تم ہمیشہ کی طرح زہر پلاتے رہنا

....

ہمارے عجز کو سمجھا نہیں گیا محسن
ہم آزما کے اب اپنی انا دیکھتے ہیں

طاہرہ وحید ---- ساہیوال

حسن کی خوشبو سے مہکتی تھی پگھلتی ہوئی آگ
پھول ایسے بھی تو موسم سفاک میں تھے

....

سال کی پہلی کرن کے ساتھ پھر جاگا ہے دل
پھر میری وہی طلب اس کے برس مل جائے تو

....

اب سیل بلا چاہے گزر جائے جدھر سے
میں گھر ہی بناتا نہیں طوفان کے ڈر سے

نشاء خان ---- چیچہ وطنی

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے تو ہیں چرچا نہیں ہوتا

....

اس زندگی میں اتنی فراغت کسے نصیب
اتنا نہ یاد آ کہ تجھے بھول جائیں ہم

....

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

رابعہ خان ---- مظفر گڑھ

میں کھلی ہوئی اک سچائی مجھے جاننے والے جانتے ہیں
میں نے کن لوگوں سے نفرت کی اور کن لوگوں کو پیار دیا

....

ہمیں بجھانے کو اندر کا حبس کافی ہے
ہم مزاجوں کا احسان کم اٹھاتے ہیں

....

علم نے کرب اضطراب دیا
کس قدر پرسکون تھی نادانی

سمیرا سعید ---- پسرور

اندھیروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے والو
اجالوں کا پس نظر بڑا تاریک ہوتا ہے

....

یوں ہی تو شاخ سے پتے گرا نہیں کرتے
بچھڑ کے لوگ زیادہ جیا نہیں کرتے

....

میرے لہو میں کھلے ہیں تیرے ہجر کے پھول
کب آئے ان پہ تیرا موسم وفا دیکھیں
کبھی ہو یوں بھی کہ وہ آئے اور ہم نہ ملیں
کبھی تو اہل جفا کا بھی حوصلہ دیکھیں

امبرین گل ---- خانیوال

بہت منتظر ہیں اگلے برس کے
وہ لوٹ آئے گا پھر اگلے برس کیا

....

وہ سال تیرے پیار کا جب قحط پڑا تھا
گو کاٹ لیا میں نے اس کو مگر وقت کڑا تھا

....

لبوں پہ پھول کھلتے ہیں کسی کے نام سے پہلے
دلوں کے دیپ جلتے ہیں چراغ شام سے پہلے
یہ سارے رنگ مردہ تھے تمہاری شکل بنتے تک
یہ سارے حرف مہمل تھے تمہارے نام سے پہلے

☆☆☆

کل کہیں پھر خدا کی زمیں پہ کوئی سانحہ ہو گیا
میں نے کل رات جو اٹھائی نظر چاند خاموش تھا
روبینہ خان ---- ساہیوال

تو بے وفا ہے لے اک بری خبر سن لے
کہ انتظار میرا ، دوسرا بھی کرتا ہے

....

اسے کہنا کہ پلٹ آئے کہ اب تو
جدائی درد بنتی جا رہی ہے

....

اک جھیل ہے آنکھوں میں جو آباد بہت ہے
صدیوں یونہی رونے کو تیری یاد بہت ہے
کہہ دو کہ سمندر سے پلٹ آئیں ہوائیں
بارش کو میرے اشکوں کی بنیاد بہت ہے
انجم شاہد ---- سکھر

کتنے مجبور ہیں ہم اپنی انا کے ہاتھوں
ریزہ ریزہ بھی ہوئے اور بکھرتے بھی نہیں

....

کرے جو بستیاں برباد وہ سیلاب ہوتا ہے
جو ساحل سے اچھل جائے اسے دریا نہیں کہتے

....

مخلوق تو فنکار ہے اس درجہ کہ پل میں
سنگ در کعبہ سے بھی اصنام تراشے
تو کون ہے اور کیا ہے تیرا دماغ قبا بھی
دنیا نے تو مریم پہ بھی الزام تراشے
مہناز حسن ---- فیصل آباد

میں اس کی دسترس میں ہوں مگر وہ
مجھے میری رضا سے مانگتا ہے

....

بند ذہنوں میں سسکتا ہے خیالوں کا ہجوم
چیخ بن جاتی ہے کھلتے ہوئے درد کی صورت

....

زندگی نے میری مفہوم جہاں سے پایا

مجھ کو اچھا نہیں لگتا اسے متقل لکھنا
پیار کے سچے مراسم کا پتا دیتا ہے
خط کے القاب میں اس کا مجھے پاگل لکھنا
وحید رضا ---- شیخوپورہ

ڈھانچے کے ایک ڈھیر کی گنتی سے فائدہ؟
کیوں ہو رہی ہیں شہر میں مردم شماری

....

یہ قربتیں ہی بڑے امتحان لیتی ہیں
کسی سے واسطہ رکھنا تو دود کا رکھنا

....

کھو آؤ گے اک روز کسی موڑ پہ خود کو
اس دل کی مسافت تمہیں کچھ بھی نہیں دے گی
ظل ہما ---- نارووال

کیوں مرا ساتھ چھوڑے جاتے ہو
راستہ رہنما نہیں ہوتا

....

پتھر پہ لکیروں کی طرح دل میں تیرا نام
اور لوگ کہیں مجھ سے اب اس کو بھلا دو

....

صحن گل میں خاک اڑاتی آ گئی باد سموم
باغ نے پھولوں کا گہنا بھی ابھی پہنا نہ تھا
شاخ کی آنکھیں خزاں کے رت جگے سے چور تھیں
برگ کے سینے میں دل تھا جو ابھی دھڑکا نہ تھا
کشمالہ شاہ ---- بہاولپور

اک غفلت تمام نے بینا بنا دیا
اک ساعت تمام پھر بینائی لے گئی
جذبے حصول رزق کے رستوں میں چھل گئے
خوابوں کو میرے عہد کی سچائی لے گئی

....

رستوں کو دھواں شہروں کو سنسان نہ کرتے
کرنا ہی تھا تو یہ کام انسان نہ کرتے
کچھ دیر ہمیں رہنے دیا ہوتا گھروں میں

☆☆☆

چائنیز سوپ

اشیاء

چکن	ایک عدد ثابت پیس
گھی	آدھا کپ
دودھ	ایک کپ
پانی	حسب ضرورت
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
شلغم	ایک عدد
ٹینڈا	ایک عدد
پیاز سبز	چار عدد
ادرک	ایک پیس
لہسن	آدھی پوتھی
پیاز خشک	ایک عدد
سبز دھنیا	چند پتے
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	آدھا چائے کا چمچہ
میدہ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

ثابت مرغی کے چار ٹکڑے لے لیں اسے دو لیٹر پانی میں ڈال کر پکائیں، اس میں ایک عدد خشک پیاز چار ٹکڑے کر کے ڈال دیں، ثابت لہسن، ادرک کا ایک ٹکڑا، نمک اور سیاہ مرچ شامل کر دیں، اس کے ساتھ شلغم چار ٹکڑے کر کے ڈال دیں اور ایک گھنٹہ تک ان سب کو ابالیں، سوپ تیار ہو جائے تو گوشت کو نکال کر ایک ایک انچ چوڑے ٹکڑے کر لیں، سوپ میں شامل تمام اشیاء کو گرینڈ کر کے پیسٹ بنا لیں اور سوپ کو چھان کر ایک بڑی ساس پین میں ڈال دیں اور دوبارہ دھیمی آنچ پر رکھ دیں، ٹینڈے کے اوپر سبز چھلکا اتار کر اندر سے گودا بھی نکال دیں اور اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں، سبز پیاز کو بھی ایک ایک انچ برابر کاٹ لیں، گھی میں میدہ ڈال کر سرخ کریں، اس میں سبز پیاز، ٹینڈا اور گوشت کے سلائس ڈال کر فرائی کریں، ساتھ ہی سویا ساس بھی ملا دیں، سوپ ڈال کر چند منٹ تک تمام اشیاء کو ابال لیں، ابلتے ہوئے سوپ میں گرینڈ کیا ہوا آمیزہ بھی ملا دیں، سوپ تیار ہو جائے تو سبز دھنیا کاٹ کر چھڑک دیں اور نوش فرمائیں۔

گرین پیس سوپ

اشیاء

مٹر تازہ دانے	ایک پیالی
یخنی کے لئے ہڈی	ایک کلو
گاجر	ایک عدد
شلغم	ایک عدد
پیاز	دو عدد
ادرک	ایک ٹکڑا
لہسن	چھ پوتھی
آلو	ایک عدد
سبز دھنیا	چند پتے
میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
گھی	آدھا کپ
پانی	دو لیٹر
دودھ	آدھا کپ

سیاہ مرچ نمک	آدھا چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
دار چینی	ایک ٹکڑا

ترکیب

مٹروں کے دانے ابال کر پیس لیں، میدہ اور دودھ کو الگ رکھ دیں، گوشت کی ہڈی کے ساتھ پیاز، ادرک، لہسن، دار چینی، نمک، مرچ، آلو، شلغم اور سبز دھنیا کاٹ کر ڈال دیں اور دو لیٹر پانی ملا کر پکائیں، دو گھنٹے بعد یخنی کو چھان لیں، ایک عدد پیاز کو گھی میں سرخ کریں اور اس میں دودھ اور میدے والا آمیزہ ڈال دیں، آخر میں پسے ہوئے مٹر ڈال کر مزید پندرہ منٹ تک پکائیں۔

چکن کارن سوپ

اشیاء

چکن	آدھا کلو
پیاز	ایک عدد
لہسن پسا ہوا	پانچ جوے
ادرک	آدھا کھانے کا چمچ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
مکئی کے دانے پسے ہوئے	ایک پیالی
کارن فلور	دو کھانے کے چمچ
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	ڈھائی چائے کا چمچہ
کوکنگ آئل	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

ساس پین میں دس کپ پانی ڈالیں اس میں چکن کی بوٹیاں، پیاز، لہسن، ادرک اور نمک ڈال کر چکن کو ابالیں یہاں تک کہ پانی چار کپ رہ جائے گوشت اور یخنی کو الگ الگ کرلیں اور گوشت کے ریشے بنالیں، ساس پین میں کوکنگ آئل ڈال کر گرم کریں اور مکئی کے پسے ہوئے دانے ڈال کر بھونیں پھر پانی ڈال کر کچھ دیر ان کو گلائیں مکئی کے دانے نرم پڑ جائیں تو یخنی، چینی، کالی مرچ اور گوشت کے ریشے ڈال کر دھیمی آنچ پر آدھا گھنٹہ تک پکائیں، کارن فلور کو ہلکا سا بھون کر شامل کر دیں، سوپ گاڑھا ہونے لگے تو انڈوں کی سفیدی پھینٹ کر ملا دیں، بہترین مزے دار سوپ تیار ہوگا۔

چکن کارن سوپ اور چلی ساس

اشیاء

چکن ابلا ہوا	آدھا کلو
یخنی	چار پیالی
مکئی کا دلیہ	آدھی پیالی
پیاز باریک کتر لیں	ایک عدد
لہسن	آدھا چائے کا چمچہ
ادرک	ادھا چائے کا چمچہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
پانی	چار کپ
مسٹرڈ پاؤڈر رائی	ایک چائے کا چمچہ
کوکنگ آئل	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
چلی ساس	حسب ضرورت

ترکیب

گوشت جو آپ ابال چکی ہیں اور اس کی یخنی الگ کر چکی ہیں اس کے ریشے کرلیں کوکنگ آئل کو ساس پین میں گرم کریں اور اس میں باریک کترا ہوا پیاز ملا لیں، خیال رکھیں کہ پیاز سرخ نہ ہونے پائے، اب اس میں مکئی کا دلیہ ڈال کر بھونیں ساتھ ہی لہسن، ادرک، سویا ساس، مسٹرڈ پاؤڈر، سرکہ اور نمک ڈال کر یخنی بھی ملا دیں

اور پکنے دیں، پکتے ہوئے سوپ میں گوشت کے ریشے ڈال کر سوپ کو پیالوں میں انڈیل لیں اور چلی ساس شامل کر کے نوش کریں۔

فرانسیسی ویجی ٹیبل سوپ

اشیاء

گاجریں (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد
ٹماٹر	آدھا کلو
چکن اسٹاک	چار پیالی
پیاز	دو عدد
ہری پیاز	ایک عدد
لوبیا سرخ	ایک کپ
لوبیا سفید	ایک کپ
سویاں	ایک کپ
فرانسیسی پھلیاں کٹی ہوئی	ایک پیالی
لہسن	چار جوے
نیاز بو کی پتیاں	بارہ عدد
زیتون کا تیل	چار کھان کے چمچ
پنیر	آدھا کپ
نمک، سیاہ مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب

تمام سبزیاں اور دونوں طرح کے لوبیا کو ایک کھلے منہ کی دیگچی میں ڈال کر پانی ملائیں اور پندرہ منٹ تک پکنے دیں پندرہ منٹ بعد چکن اسٹاک (یخنی) نمک سیاہ مرچ پسی ہوئی ملا کر سویاں بھی ڈال دیں اور دھیمی آنچ پر آدھا گھنٹہ تک پکائیں یہاں تک کہ گاڑھا آمیزہ ہونے لگے نیاز بو کی پتیاں اور لہسن کو گرینڈ کر لیں اس میں زیتون کا آئل ملا کر پیسٹ بنا لیں اور پکتے ہوئے سوپ میں شامل کر دیں، سوپ تیار ہو جائے تو پنیر شامل کر دیں۔

اسپنچ کریم سوپ

اشیاء

پالک کتری ہوئی	چار کپ
ٹماٹر کا رس	ایک کپ
لہسن پسا ہوا	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد
نمک	دو چائے کے چمچ
دودھ کا پاؤڈر	آدھا کپ
مکھن	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب

مکھن کو گرم کریں اور اس میں پیاز کو تل لیں تلی ہوئی پیاز میں پالک اور نمک ڈال کر ساس پین کو پانی سے بھر کر پکنے دیں، جب پالک گل جائے اور پانی تھوڑا رہ جائے تو ٹماٹر کا رس شامل کر دیں، ایک جوش آنے دیں، پاؤڈر دودھ کو ایک کپ پانی میں حل کریں اس کو بھی ساس پین میں ڈال دیں ایک منٹ تک مزید پکنے دیں، سوپ کے پیالے میں نکالتے وقت سلاد کے کٹے ہوئے پتے چھڑک کر پیش کریں۔

فش کریم سوپ

اشیاء

سفید مچھلی کا گوشت	چوتھائی پونڈ
جھینگا چھلکوں سمیت کٹا ہوا	چوتھائی پونڈ
دودھ	ایک کپ
فیونگ سوس	ایک کپ
یخنی	چار کپ
مکئی کا آٹا	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
لیموں کی کترنیں	دو چائے کے چمچے
لیمن جوس	ایک چائے کا چمچہ
سلاد کٹا ہوا	ایک کپ
نمک	حسب ضرورت

ترکیب

مچھلی کو دھو کر صاف کر کے تھوڑے سے پانی میں ابال لیں اور ابلی ہوئی مچھلی کو مسل کر ملیدہ بنا

لیں، یخنی کو ایک ساس پین میں ڈالیں، اس میں لیموں کی کترنیں ڈال کر دو منٹ کے لئے پکائیں، یخنی ابل رہی ہو تو اس میں فیونگ ساس دودھ اور نمک ملا دیں پکتے ہوئے آمیزے کو برابر ہلاتے رہیں پکتے ہوئے آمیزے میں کارن فلور ملا دیں ساتھ ہی کٹا ہوا سلاد اور لیمن کا جوس ڈال کر مکس کریں اور سوپ کے پیالے میں ڈال کر پیش کریں۔

بیٹ بروچ سوپ

اشیاء

چقندر ابلا ہوا	ایک کپ
گاجر کٹی ہوئی	ایک کپ
آلو کٹے ہوئے	ایک کپ
پیاز کٹے ہوئے	ایک عدد
ٹماٹر کٹے ہوئے	تین عدد
نمک	حسب ضرورت
سلاد	حسب پسند

ترکیب

ایک دیگچی میں چقندر، گاجر، آلو اور پیاز ڈال کر پانی ڈالیں اور اتنا پکائیں کہ تمام سبزیاں گل جائیں ٹماٹروں کو ابال کر پیسٹ بنائیں سبزیوں کو اچھی طرح سے مکس کر دیں اور ان میں ٹماٹروں کے پیسٹ ملا دیں، گاڑھا گاڑھا آمیزہ پیالوں میں ڈال کر اوپر سلاد چھڑکیں اور اپنی پسند کے مصالحے ڈال کر نوش کریں۔

بیف اسپنچ سوپ

اشیاء

گائے کا گوشت ہڈی والا	آدھا کلو
پالک	آدھا کلو
دودھ	ایک پیالی
ملائی	آدھا کپ
میدہ	دو چائے کا چمچ
گھی	آدھا کپ
دار چینی	ایک ٹکڑا
نمک	آدھا چائے کا چمچ
سیاہ مرچ	آدھا چائے کا چمچ
پیاز	دو عدد
لہسن	چو پوتھی
آلو	ایک عدد
پودینہ	چند پتے

ترکیب

گوشت کو ایک دیگچی میں دو کلو پانی ڈال کر آگ پر رکھیں، اس میں ایک عدد پیاز، لہسن، نمک، سیاہ مرچ، موٹی موٹی کٹی ہوئی، پالک اور آلو کاٹ کر ڈال دیں اور ان سب کو دو گھنٹے تک ہلکی آنچ پر پکنے دیں، جب سوپ تیار ہو جائے تو گوشت نکال کر سوپ کو چھان لیں اور گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں، گھی کو گرم کریں اور اس میں ایک عدد پیاز ہلکا سا فرائی کریں کہ وہ صرف نرم پڑ جائے، پھر میدہ ڈال کر بھونیں دودھ اور ملائی کو آپس میں پھینٹ کر میدے میں ملا دیں، اس آمیزے میں سوپ ڈال کر دس منٹ تک پکائیں، پیش کرتے وقت پودینے کے پتے چھڑک دیں اور گوشت کے ٹکڑے ڈال کر نوش کریں۔

فوزیہ شفیق
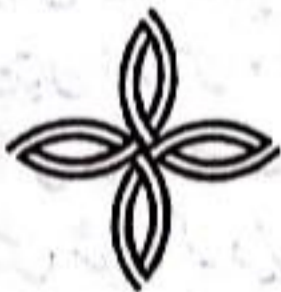
السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ کی سلامتی، عافیت اور خوشیوں کی دعاؤں کے ساتھ ازل سے ابد کی طرف رواں ہر آن متحرک وقت کے دھارے میں ایک اور سال کا اضافہ...... 2014ء یہ سال بھی اختتام کو پہنچا۔

گئے سال کو مڑ کر دیکھیں تو کہیں بھی کوئی خوش کن احساس نہیں ہے، دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے لڑے جانے والی جنگ میں وطن عزیز سلگتا رہا، گہرے دکھ اندھیرے اور محرومیوں کے مناظر۔

واہگہ بارڈر پر ہونے والا سانحہ اور پشاور میں بچوں کے سکول پر ٹوٹنے والی قیامت، جس نے پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا، ایسا سانحہ ہے جس پر چند لفظ لکھنے کے لئے بھی نہ قلم میں طاقت ہے اور نہ لفظوں میں جان، ایسے میں لکھیں بھی تو کیا، کوئی بے بسی سی بے بسی ہے۔

انسان جس کو اللہ نے اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز بخشا تو پھر یہ وحشت؟ معصوم بے گناہ جانوں کا زیاں۔

دنیا کا کوئی مذہب بھی دہشت گردی اور بے گناہ انسانوں کو قتل کرنے کی تعلیم نہیں دیتا اور ہمارا مذہب تو خیر ہی خیر ہے، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے، پھر یہ اسلام، زبان، عقیدہ اور مسلک کے نام پر تقسیم کرنے والے لوگ کون ہیں، یہ کس کے آلہ کار ہیں، جس نے ہمارے شہروں، پناہ گاہوں، اسکولوں کو مقتل بنا دیا ہے، یہ کون سا سلام ہے جس کے وہ پیروکار ہیں کاش کہ وہ جان لیں کہ وہ اسلام کے نہیں شیطان کے جان نشین ہیں، وہ ہمارے گلشن کو تو اجاڑ ہی رہے ہیں خود اپنے لئے بھی جہنم خرید رہے ہیں

کاش کہ ہمارے ہاں مجرموں کو بلا امتیاز سزا کی روایت ہوتی، تو آج ان حالات کا سامنا نہ کرنا پڑتا، دیانت، سچائی سب بڑی دانائی اور عدل و انصاف سب سے بڑی طاقت ہے، اسی کی بنیاد پر معاشرہ مضبوط اور قومیں اپنا وجود قائم رکھتی ہیں۔

دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہمارے پیارے وطن کو اس میں بسنے والوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں اس عزم و عہد کے ساتھ کہ درود پاک، تیسرا کلمہ اور استغفار کے ورد کو اپنی زبان پر جاری رکھنا ہے اسی میں ہماری کامیابیوں کا راز چھپا ہے۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا، اپنا بہت سا خیال رکھئے گا اور ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں، یہ پہلا خط ہمیں سعدیہ صباء کا ساہیوال سے موصول ہوا ہے سعدیہ لکھتی ہیں۔

دسمبر کا شمارہ سات تاریخ کو موصول ہوا، بلاشبہ اس سال کا یہ بہترین سرورق تھا بے حد پسند آیا۔

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتوں سے دل کو منور کیا، آگے بڑھے اور ایک دن حنا کے ساتھ میں اُم مریم سے ملاقات کی، اُم مریم آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ کہانی سے زیادہ کرداروں پر توجہ دیتی ہیں یہ بات تو سبھی قارئین ہی جانتی ہوں گی، جیسے آپ کے ناول ''میرے ساحر سے کہو'' میں آپ کی ساری توجہ طارق اور پریشے پر تھی اور اس ناول میں آپ کی توجہ کا مرکز، معاذ، پرنیاں اور جہان ہے، آپ کے والدین کے لئے ہم بھی دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ آپ پر سلامت رکھے صحت وتندرستی کے۔

آگے بڑھے اور سیدھے مریم جی کے ہی ناول میں پہنچے یہ قسط بتا رہی ہے کہ اب کہانی اپنے اختتام کو پہنچی، غالباً ایک آدھ قسط ہی اور ہو گی، بہرحال آپ کی تحریر نے بیشتر قارئین کی توجہ اپنی طرف مبذول رکھی۔

''اک جہاں اور ہے'' میں بھی اب کہانی سامنے آتی جا رہی ہے، امرت، امرکلہ، ھالار اور فنکار ہر کردار اپنی جگہ فٹ ہے اور اپنے اپنے کردار سے انصاف کر رہا ہے، یقیناً آگے چل کر یہ مزید دلچسپ ہو جائے گا۔

مکمل ناول میں سباس گل کی تحریر نے مایوس کیا ہمیں سباس گل سے ایسی تحریر کی توقع نہیں تھی۔

فرحین کا مکمل ناول ''محبت گمشدہ میری'' مصنفہ کی اچھی کوشش تھی جس میں وہ کامیاب بھی نظر آئیں انشاءاللہ آگے چل کر فرحین اظفر حنا میں اچھا اضافہ ثابت ہوں گیں۔

فرحت شوکت کی تحریر ایک عرصے بعد نظر آئی، کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے، ناولٹ کا نام بھی ''رہا جو تیرا ہو کر'' کا نام بھی خوبصورت ہے، پہلی قسط سے ہی لگا کہانی دلچسپ ہو گی، افسانوں میں روستانے عبدالقیوم نے کیا لکھا، اگرچہ افسانے کی کہانی حقیقت کے قریب تھی مگر جو رویہ لڑکی کا دکھایا گیا سسرال والوں کے سامنے، ایسا کبھی بھی نہیں ہوتا، حنا کا اصغر کا افسانہ ''یقین کا موسم'' بھی اچھا تھا، جبکہ سیمیں کرن کا افسانہ کچھ خاص نہیں لگا اس کے برعکس معصومہ منصور اور صبا جاوید کی تحریریں دلچسپ تھیں، مستقل سلسلوں میں چٹکیاں ہمیشہ کی طرح ٹاپ پر تھا جبکہ حاصل مطالعہ، بیاض، رنگ حنا، ڈائری اور عین غین کی محفل میں دلچسپی ہمیشہ کی طرح برقرار رہی جبکہ دستر خوان کے ذائقے بھی منفرد تھے، رہی بات کس قیامت کے یہ نامے کی، یہ سلسلہ سب سے بہترین ہے مل بیٹھنے کا فوزیہ آپی جتنی محبتوں سے یہ محفل سجاتی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔

فوزیہ آپی پلیز ایک دن حنا کے ساتھ میں فرحت شوکت، سدرۃ المنتہیٰ، سباس گل وغیرہ کو بھی شامل کیجئے۔

سعدیہ صباء! کیسی ہو ڈیئر، اتنے عرصے کے بعد تمہاری آمد اچھی لگی اس محفل میں، دسمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، سباس گل کا یہ ناول آج سے قریباً پانچ سال قبل ہمیں موصول ہوا تھا شائع ہوتے ہوتے وقت لگ گیا، اسی بنا پر شاید آپ کو تحریر میں کچھ کمی محسوس ہوئی، کیونکہ انداز تحریر وقت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے، بہرحال اس میں سباس گل کی نہیں ہماری کوتاہی ہے جس کے لئے ہم معذرت خواں ہیں، رہی بات اُم مریم کی تو یہ کہنا مناسب نہ ہوگا کہ کرداروں کو بنایا سنوارہ جائے تو ہی کہانی بنتی ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ ایک دن حنا کے ساتھ میں شائع ہو چکی ہیں غالباً آپ کی نظر سے نہیں گزرا وہ شمارہ۔

آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے انشاء اللہ

ضرور پوری ہو گی، آپ کی تعریف اور تنقید کے لئے تہہ دل سے شکر گزار ہیں آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ذرا جلدی جلدی، شکریہ۔

اُجالا نور: ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ آنے والا سال آپ کو تمام خوشیوں سے ہمکنار کرے (آمین)، اہل وطن کو دل سے نیا سال بہت مبارک ہو، دعا ہے کہ نیا سال آپ کو ہمیں اور تمام پاکستانیوں کو انفرادی و اجتماعی خوشیوں بھری خبروں سے نوازے (آمین)

دسمبر کا شمارہ کافی جلدی ملا، ٹائٹل دیکھ کر ایک نعرہ ذہن میں گونجا ''تبدیلی آ نہیں رہی تبدیلی آ گئی ہے'' اور تبدیلی واقعی خوشگوار لگی۔

فہرست کو ایک نظر کھنگالنے کے بعد سیدھا ''کس قیامت کے یہ نامے'' میں جا پہنچے، جس میں ام ہانیہ اور ثوبیہ اعوان کے طویل خط اچھے لگے، ام ہانیہ آپ کا نام بہت اچھا ہے۔

فوزیہ باجی آپ نے اس دفعہ تھوڑے طویل جواب دیئے، جو کہ بہت اچھا لگا۔

انکل اس دفعہ تھر کے عوام کے دکھ میں شریک نظر آئے، یقین کریں باجی! تھر پر میں اتنا بول چکی ہوں، بلکہ (کڑھ) چکی ہوں، اب صرف میں اتنا ہی کہوں گی کہ یہ تمام پاکستانیوں پر بھی فرض ہے کہ ہم جب بھی کھانا کھانے بیٹھیں تو تھر کے ان معصوم پھولوں کو بھی یاد کریں جو صرف بھوک کی وجہ سے اپنی قیمتی جان کھو بیٹھے۔

اب آتے ہیں حنا کی کہانیوں پر، ناولٹ ایک ہی تھا ''رہا جو تیرا ہو کر'' فرحت شوکت کا اچھا لگا، ہنید نام کا معنی کیا ہے، اریج اور ہنید دونوں اچھے لگے، سلسلے وار ناول اچھے تھے، سدرۃ کا

ناول البتہ بہت پسند آ رہا ہے، مکمل ناول میں فرحین کا بھاگتا دوڑتا ناول بھاگتے دوڑتے ہی پڑھا، سباس گل کا ایویں ہی تھا، افسانے چھ میں، میں پانچ پسند آئے ماسوائے سیمیں صاحبہ کے حالانکہ سیمیں کرن اچھی رائٹر ہیں، مگر اس دفعہ......

خیر باقی مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے، خاص کر چٹکیاں ایک دن میں ام مریم کی میں فرمائش کرنے والی تھی مگر بنا کہے ہی فوزیہ باجی نے پوری کر دی۔

اجالا نور ہماری یہ پیاری سی گڑیا کیسی ہے، دسمبر کے شمارہ کو پسند کرنے کا شکریہ، تھر کے عوام کے لئے حکمران سے نہیں اللہ سے امید لگائیں کہ وہ تھر پر اپنی رحمت بارش کی صورت بھیج کر یہاں کے باسیوں کو سرسبز شاداب کر دے آمین۔

''قسمت'' کے بارے میں کہیں گے کہ صبر شکر کریں اور کوئی نئی تحریر لکھ کر بھیجیں شکریہ۔

بشریٰ کمال: سکھر سے آئی ہیں وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

دسمبر کا شمارہ ''شناخت'' کی ہیروئن سے سجا ملا، پسند آیا مزید خوبصورت ہو جاتا جو آپ اس ک بیک گراؤنڈ پر توجہ دیتے۔

حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھ کر دل کو راحت ملی، ام مریم کے ایک دن کا حال پڑھ کر اچھا لگا، مریم جی نے مختصر لیکن اچھا لکھا اپنے بارے میں۔

سب سے پہلے بات ہو جائے سباس گل کے مکمل ناول کی، سباس گل اتنا لمبا اور مشکل نام ''ہوس کا نشاط کار کیا'' کہانی تھوڑی ہٹ کر تھی، شروع سے آخر تک دلچسپی برقرار رہی اگرچہ کہانی کچھ زیادہ ہی طویل تھی بہرحال سباس جی مبارک باد کی مستحق ہیں، سدرۃ المنتٰی کا سلسلے وار ناول ''اک جہاں اور ہے'' بہت اچھا جا رہا ہے جبکہ ام

مریم ''تم آخری جزیرہ ہو'' کی اب آخری قسط ہو جانی چاہیے بلاوجہ لمبا کرنے سے ناول کی تحریر غیر دلچسپ ہو جائے گی، فرحت شوکت نیا ناولٹ لے کر آئیں، پہلی قسط کو پڑھ کر لگا کہ کہانی دلچسپ ہے لیکن فوزیہ آپی ناولٹ کے صفحات بہت کم تھے، فرحین اظفر کا مکمل ناول ''محبت گمشدہ میری'' کا ٹائٹل جتنا غیر دلچسپ تھا کہانی اتنی ہی مزے کی تھی، اچھا لکھا فرحین نے، افسانوں میں اس بار سب سے اچھا افسانہ سیمیں کرن کا لگا، واقعی انسان کو پتا نہیں چلتا کہ کتنا وقت گزر گیا لیکن کوئی ایک چھوٹا سا واقع ہمیں واقع تلخ حقیقت سے روشناس کروا جاتا ہے، صبا جاوید کی تحریر ''حوا کی بیٹی'' بھی اچھی تھی، لیکن پلیز فوزیہ آپی اتنی افسردہ تحریریں شائع نہ کیا کریں، پڑھنے والوں کے اپنے مسائل تھوڑا کم ہوتے ہیں جو آپ ایسی تحریریں شائع کرتے ہیں، حنا اصغر، روستا نے عبدالقیوم، معصومہ منصور نے بھی اچھی کوشش کی۔

مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح بہترین تھے، چٹکیاں میں شگفتہ شاہ جی بڑے بڑے مسئلوں کو چند لفظوں میں لکھ کر گویا کوزے میں دریا بند کرتی ہیں، اتنا اچھا سلسلہ لکھنے پر شگفتہ جی مبارک باد قبول کریں۔

آپی میں فرسٹ ٹائم آپ کی محفل میں آئی ہوں اگر جگہ نہ ملی تو بھی آتی رہوں گی۔

بشریٰ کمال! اس محفل میں دل و جان سے خوش آمدید، دسمبر کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ آپ کی یہ بات ہمیں بے حد اچھی لگی کہ جو آپ نے کہا کہ ''جگہ نہ بھی ملی تو آتی رہوں گی'' بہت خوب آپ کا یہ انداز بے حد پسند آیا، اسی کا نام ہی تبدیلی ہے، حنا کو پسند کرنے کا ایک بار پھر شکریہ ہم آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

شازیہ نعیم: کی ای میل چنیوٹ سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

دسمبر کا حنا بہت لیٹ ملا، اس مرتبہ مکمل ناول دونوں ہی پسند نہیں آئے، فرحت شوکت کے ناولٹ کی پہلی قسط تھی، سمجھ نہیں آئی یہ آپ لوگوں نے ناولٹ کو کیوں قسط وار کر دیا ہے سندس جبیں کے بعد اب یہ فرحت شوکت خیر، سلسلے وار ناول دونوں ہی بے حد اچھے جا رہے ہیں، ام مریم کا ''تم آخری جزیزہ ہو'' بڑی تیزی سے اختتام کی طرف گامزن ہے، ام مریم کی شروع سے اب تک کہانی پر گرفت بہت خوب رہی، ویلڈن مریم، جبکہ سدرۃ المنتہیٰ کی تحریر عام تحریروں سے ہٹ کر ہے اس میں بیک وقت فلسفہ، رومانس، نصیحت اور دوستی کی چاشنی ہے کہیں بھی کچھ اوور نہیں یہی سدرۃ کی تحریر کی خوبصورتی ہے، افسانے بھی اچھے تھے ہر ایک نے بہترین کوشش کی، سیمیں کرن کی تحریر کچھ زیادہ دلچسپ تھی، مستقل سلسلے بھی خوب تھے۔

شازیہ نعیم دسمبر کے حنا میں شائع تحریریں آپ کو پسند آئیں، ہم شکر گزار ہیں رب باری تعالیٰ کے کہ اس نے ہمیں آپ کے معیار پر پورا اترنے کی توفیق عطا کی، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا آپ کی آمد اور قیمتی رائے کا شکریہ۔

☆☆☆